نیرنگِ خیال
لاہور

دسمبر نمبر کے لکھنے والے

زید احمد خاں
تارا شنکر ناشاد
شوکت ہاشمی
عزیز احمد
محمود اسرلی
ڈی۔ بی۔ بیاس
این ست فیوری
الطاف پرواز
فاضل مشہدی
شوکت صدیقی
فضل احمد کریم فضلی

قیمت فی پرچہ آٹھ آنے

[illegible] ہیں [illegible]

[illegible] ملا [illegible]

[illegible] آپ [illegible] جوانی کی غلط [illegible] صحت کا [illegible]

[illegible] جسم [illegible] یا پھر [illegible] پڑ گیا [illegible]

[illegible] ڈاکٹروں [illegible] صحت کے لئے دعا کو [illegible] زندگی سے مایوس ہو بیٹھا۔ میری [illegible] قسمت [illegible]

[illegible] سال [illegible] رات کو [illegible] ایک دن شام کو [illegible]

سردی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اب اچانک سامنے جو دیکھا تو ایک [illegible] فقیر [illegible] میری طرف آ رہے ہیں۔ [illegible] چہرے پر پورا جلال تھا [illegible] مجھ کو سردی سے کانپتے دیکھ کر پوچھا بیٹا کیا سردی زیادہ لگتی ہے؟ پہلے تو میں ڈرا پھر حوصلہ کر کے دھیمی آواز میں کہا۔ جی ہاں [illegible] ترس کھا کر [illegible] کر دی۔

[illegible] اس [illegible] فقیر [illegible] ہو گیا [illegible] اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ انہوں نے ہمدردی سے پوچھا۔ بیٹا شام کے وقت جنگل میں اکیلا اور رونے کا سبب [illegible] کہہ دی۔ اس پر فقیر [illegible] یاد رکھو کہ [illegible] اور کہا کہ اگر [illegible] بیماری سے بچ گئے اور دنیا کی بھلائی کر دو گے تب تمہارا بھلا ہو سکتا ہے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر [illegible] اقرار کیا۔ اس پر اس سچے فقیر نے [illegible] اور ایک مالش کی [illegible] نسخہ لکھوا دئے اور کہا [illegible] یقین [illegible] مجھ کو اس فقیر [illegible] جوش پیدا ہونا شروع ہو گیا [illegible] دونوں دوائیاں [illegible] استعمال [illegible] یقین تھا کہ [illegible] نے اپنا کرشمہ دکھانا شروع کر دیا۔ آپ یقین کریں [illegible] جوش پیدا ہو گیا اور میں اپنے آپ کو تندرست خیال کرنے لگا [illegible] دوائی جاری رکھی [illegible] سال ہو چکے ہیں۔ [illegible] کسی دوائی کی ضرورت نہیں پڑی۔ خدا کی مہربانی سے میں تندرست اور خوبصورت [illegible] گھر میں [illegible] سینکڑوں کی مرادیں پوری ہو چکی ہیں۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے لیکن [illegible] دوائی کا اثر [illegible] کے ساتھ کئے ہوئے وعدے اور دنیا کی بھلائی کے لئے اس دوا کا [illegible] کر رہا ہوں اس لئے ہر قسم کی سستی کمزوری پیشاب میں [illegible] ہر قسم کے خفیہ روگ جلد [illegible] دور ہو کر نئی جوانی کی سی طاقت و جوش پیدا ہوتا ہے دوائی میں کسی قسم کی مضر صحت [illegible] کسی قسم کا آبلہ یا پھنسی نہیں ہوتی ہر موسم میں کھانے کے لائق ہے۔ کیا جوان بوڑھے تک فائدہ اٹھا رہے ہیں [illegible] سکتا ہے خاص بات یہ ہے کہ اس دوائی کے بعد عمر بھر کسی دوائی کی ضرورت نہ پڑے گی۔ قیمت پندرہ دن کی [illegible] جو کہ صحت کیلئے [illegible] طلا اور [illegible] مالش [illegible] چونکہ مجھ کو اس [illegible] دوائی نے موت کے منہ سے بچایا تھا۔ اس لئے [illegible] اور قیمت صرف خرچ اور ڈاک [illegible] رکھی گئی ہے۔ [illegible] دونوں دوائیاں اکٹھی منگوانے پر محصول ڈاک بالکل معاف

[illegible] حضرات میری [illegible] مطلب نہ کریں [illegible] ہر چیز کو بے یقینی کی نگاہ سے دیکھتا ہے [illegible] ایمان [illegible] قیمت واپس [illegible] ہندو کو دھرم اور مسلمان کو ایمان کی قسم ہے کہ اگر میری دوائی [illegible] واپس منگوا لیں۔ عدم صحت کی صورت میں کسی کا پیسہ کھانا گناہ سمجھتا ہوں۔

ہندوستان بھر کے علمی ادبی رسائل میں یگانہ صفت ماہنامہ

نیرنگِ خیال لاہور

ایڈیٹر حکیم یوسف حسن
مدیرِ اعزازی حضرت [illegible]
مدیرِ معاون اصغر [illegible]

سالانہ چندہ
سالانہ [illegible] چھ روپے
بغیر سالنامہ چار روپے
ممالکِ غیر سے ۱۲ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۸

نمبر ۱۲ | بابت ماہِ دسمبر ۱۹۴۳ء | جلد ۲۰

فہرست مضامین

حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر [illegible] پرنٹر پبلشر [illegible] لاہور [illegible]

ہندوستان بھر کے علمی و ادبی رسائل میں یگانہ حیثیت

نیرنگِ خیال لاہور

سالانہ چندہ
سالانہ قیمت ۔ چھ روپے
ششماہی ۔ چار روپے
ممالکِ غیر سے ۔ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۸

مدیرِ اعلیٰ ۔ حکیم یوسف حسن
مدیرِ معاون ۔ اصغر غازی

جلد ۱۱ | بابت ماہِ دسمبر ۱۹۳۳ء | نمبر ۱۲

فہرستِ مضامین

شذرات

آل انڈیا ریڈیو لاہور

آل انڈیا ریڈیو لاہور کے متعلق نیرنگ خیال کے گذشتہ نمبر میں چند سطور لکھی گئی تھیں۔ ہم نے بتلایا تھا کہ موسیقی کا پروگرام اصلاح طلب ہے بیشتر غیر معروف گانے والیوں کو زیادہ موقع دیا جاتا ہے جس سے پبلک کے قیمتی وقت اور روپیہ کا نقصان ہے معزز معاصر احسان اور پارس نے بھی موسیقی کے پروگراموں کے متعلق زوردار مضامین اور نوٹ لکھے ہیں

گو اس وقت تک موسیقی کے پروگرام میں کسی قسم کی تبدیلی اور اصلاح نہیں ہوئی۔ لیکن ہمیں توقع رکھنا چاہئیے کہ محکمہ کے ارباب حل و عقد ضد اور ہٹ کو بالائے طاق رکھکر پبلک کی آواز کا اسی ہمدردی سے احترام کریں گے جس کی وہ مستحق ہے

آل انڈیا ریڈیو لاہور سے جہاں ہمیں بعض امور سے اختلاف ہے۔ وہاں اس کی خوبیوں کا بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ سے ملئے کا سلسلہ بے حد مفید اور دلچسپ ہے لیکن غور و فکر کے بعد اس کے انداز بیان میں مناسب تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ نیچر ریں سید عابد علی صاحب عابد کا جو فیچر لاہور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اگر فیچر اس محنت سے لکھے جائیں اور اس طریقہ سے پیش کئے جائیں۔ تو ریڈیو کے پروگرام میں لوگ زیادہ دلچسپی لینے لگیں گے ہمدوستانی ڈراموں کا سلسلہ بے حد دلچسپ ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مثلاً قاہرہ کی ایک شام کرشن چندر کا ہندوستانی ڈراما جو ۲۸ نومبر کو لاہور سے پیش کیا گیا تھا۔ بالکل پھیکا اور غیر دلچسپ تھا۔ [illegible] [illegible] [illegible] کے انداز میں [illegible] کے علاوہ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی کہ اسے پیش کیا جاتا۔ لیکن راجندر سنگھ بیدی کا ہندوستانی ڈراما [illegible] جو ۲ دسمبر کو لاہور سے براڈکاسٹ ہوا تھا اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتا ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

کی کامیابی درحقیقت ملک حبیب احمد صاحب کی پُرفن ڈائرکشن کی ممنون احسان ہے۔ جس کے بغیر اس ڈرامہ کا اس کامیابی سے براڈکاسٹ ہونا ناممکن تھا۔

سالنامہ نیرنگ خیال ۱۹۴۴ء

دسمبر کے زیر نظر پرچہ کے ساتھ خدا کا شکر ہے کہ ۱۹۴۴ء ختم ہو گیا اور دستور سابق کے مطابق نیرنگ خیال کا سالنامہ [illegible] تیاری اور اہتمام سے فروری کے آخری ہفتہ میں شائع ہو جائے گا۔ کاغذ کی گرانی اور کمیابی کے باوجود جو کچھ ہم سے ہو سکتا ہے ہم کر رہے ہیں اور ملکی کمیابی سے اس سے بھی زیادہ صفحات ہم ہر ماہ پیش کر سکتے ہیں لیکن سالنامہ کے متعلق ہماری ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ اس کی شان اور اس کا امتیاز ہر حالت میں روایات دیرینہ کے مطابق ہو۔ چنانچہ جنگ کے دوران میں بھی جو چار سالنامے ہم نے پیش کئے ہیں وہ کسی حالت میں بھی پرانے سالناموں سے کمتر نہ تھے۔ بلکہ حالات حاضرہ دیکھتے ہوئے انہیں خاص کارنامہ سمجھا گیا اور اہل نظر [illegible] معصروں نے ان کی بے حد تعریف کی ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے خریداروں کے اشتراک عمل کا نتیجہ ہے نیرنگ خیال کے سالنامہ کی کتابت شروع ہو چکی ہے اور انشاء اللہ سالنامہ [illegible] فروری کے مشترکہ نمبر کی صورت میں فروری کے آخری ہفتہ تک شائع ہو جائیگا۔ اس کی قیمت [illegible] [illegible] ہو گی لیکن مستقل خریداروں کو اسی چندہ میں ملے گا۔ اس کے متعلق ضروری اعلان صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔

سالنامہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پرچوں کے برابر ہو گا۔

سب سے پہلے اسے پڑھئے

نہایت ضروری اطلاع

دسمبر کے پرچہ کے ساتھ جو آپ کے ہاتھ میں ہے ۱۹۴۳ء ختم ہوتا ہے۔ نیرنگ خیال کا آئندہ نمبر سالنامہ ۱۹۴۴ء ہوگا۔ جو جنوری اور فروری کے مہینوں کا مشترکہ پرچہ ہوتا ہے۔ اس پرچہ کی قیمت دو روپیہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں لکھا جاتا ہے کہ:-

(۱) اگر آپ نے ساڑھے تین روپے چندہ دیا تھا اور آپ بغیر سالنامہ کے خریدار ہوئے تھے تو جنوری اور فروری کے مہینوں میں کوئی پرچہ آپ کو دفتر سے روانہ نہ ہوگا اگر آپ سالنامہ ۱۹۴۴ء لینا چاہتے ہوں۔ تو ڈیڑھ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔ ورنہ آپ کو دسمبر کے بعد پرچہ مارچ سے بھجوایا جائیگا۔ یہ نوٹ کر لیں اور اس عرصہ میں عدم رسیدگی رسالہ کی شکایات لکھکر دفتر کا کام نہ بڑھائیے گا۔

(۲) جن اصحاب نے پانچ روپے یا چھ روپے سالانہ چندہ دیا ہے اور وہ مع سالنامہ کے خریدار ہیں انہیں سالنامہ ۴۴ء فروری کے آخری ہفتہ تک بھجوا دیا جائیگا۔ اور رسالہ کی رسید روانگی ڈاک صاحب سے لی جائے گی لیکن اگر ایسے اصحاب تین آنہ کے ٹکٹ بھجوا دیں۔ تو رسالہ بذریعہ رجسٹری ارسال ہو سکتا ہے۔ جو زیادہ محفوظ بات ہے۔ ورنہ عدم رسیدگی کی شکایت معاف دو روپے قیمت کا رسالہ دفتر دوبارہ بھجوانے سے معذور ہوگا۔

(۳) جو اصحاب سال گذشتہ سالنامہ ۴۳ء سے خریدار ہوئے تھے۔ اُن کا چندہ دسمبر کے پرچہ کے ساتھ ختم ہوگیا ہے اس لئے انہیں سالنامہ ۴۴ء بذریعہ وی۔پی سال بھر کے چندہ کے عوض وی۔پی بھجوایا جائیگا۔ نیرنگ خیال کا سالانہ چندہ اب چھ روپے ہے۔ لیکن تمام پرانے خریداروں کو پانچ روپے میں ہی دیا جائیگا۔ اور ایک روپیہ کی رعایت رہے گی۔ لہذا جو اصحاب سال گذشتہ میں سالنامہ سے خریدار ہوئے تھے انہیں سالنامہ ۱۹۴۴ء پھر سال بھر کے لئے پانچ روپے قیمت اور ۸؍ محصول میں وی۔پی ہونا چاہئے۔ لیکن ایک ماہ کا رسالہ ہمارے ذمہ ۴۳ء کا باقی ہے۔ اس لئے اس میں مزید چار آنہ کی تخفیف کر کے صرف پانچ روپے میں ان کی خدمت میں وی پی کر دیا جائے گا۔ جسے وصول فرما کر وہ ادارہ کی امداد فرمائیں گے۔

(۴) نیرنگ خیال کے نئے خریداروں سے سالانہ چندہ چھ روپے لیا جائے گا۔ بذریعہ منی آرڈر یا بذریعہ وی۔پی سوا چھ روپے میں بھجوایا جائے گا۔

(۵) جو صاحب صرف سالنامہ ۱۹۴۴ء لینا چاہتے ہیں۔ وہ دو روپے منی آرڈر بھجوا دیں ——

یا

دو روپیہ چار آنے میں بذریعہ وی۔پی طلب فرمائیں

سالنامہ کی تاریخ اشاعت فروری ۱۹۴۴ء کا آخری ہفتہ ہے

مندرجہ بالا قواعد آپ بخوبی ذہن نشین کر لیجئے گا !!!

(منیجر)

[illegible]

خوشی ہے کہ باوجود مشکلات کے ادبی نمبر ۱۹۴۳ء میں شائع ہو سکا۔ ادبی نمبر ... حضرت جناب کے ایک دوست نامہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس نمبر کیلئے مندرجہ ذیل مضامین موصول ہو چکے ہیں۔

عشق فلم (ڈرامہ) ... جناب احسان غبار۔ فضیلت انسانی، جمہال کی اردو ... تاریخی تبصرہ) عین فطری انسانی حادثہ۔ زندگی (افسانہ) تیس (ایک درس عبرت) ترکی ادب جدید علاوہ ایک ڈرامہ، ادب قدیم و جدید (تنقید)

ادبی نمبر ... ایک درجن کے قریب چوٹی کے اہل قلم اور شعرا ... حصہ لے رہے ہیں۔ لیکن حضرت تنہا نے فرمایا ہے کہ ابھی بعض خاص ... مضامین کی کمی ہے اس لئے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ادبی نمبر ... ترک کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس کی تیاری برابر جاری ہے اس لئے انشاء اللہ سالنامہ ۱۹۴۳ء کی اشاعت کے بعد یہ شاندار نمبر بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور مستقل خریداروں سے اس کی بھی علیحدہ کوئی قیمت نہ لی جائے گی۔

حضرت یگانہ لکھنوی۔

غالب ثانی حضرت یگانہ لکھنوی کا پتہ بیشتر احباب دریافت کرتے رہتے ہیں۔ اُن تمام کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ آپ کا پتہ حسب ذیل ہے۔ حضرت میرزا یگانہ لکھنوی سرکاری مسافر خانہ نامپلی۔ ریاست حیدرآباد دکن

تذکرہ شاعرات اُردو۔

ناظرین نیرنگ خیال محمد جمیل احمد صاحب بریلوی ایم اے ایل ٹی کے نام نامی و اسم گرامی سے متعارف ہیں۔ آپ نیرنگ خیال کے قلمی معاونین میں ... آپ نے حال ہی میں تذکرہ شاعرات اُردو کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں ابتدائی دور سے لے کر موجودہ دور تک کی تمام کمال ... شاعرہ خواتین کا تذکرہ معہ ان کے کلام کا انتخاب درج ہے۔ توقع ہے کہ جمیل صاحب کی یہ کوشش ضرور کامیاب ہوگی۔ یہ تذکرہ چار سو صفحات ... کتابت ہو رہی ہے۔ ... ہے کہ عنقریب ... شائع ہو جائے گی۔

جناب ضبط کلکتہ۔

جناب ضبط کلکتہ میں نیرنگ خیال کے معاون خصوصی ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہے کہ آپ نے اسلامی تاریخ و تمدن کے مضمون میں فرسٹ کلاس میں ایم اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ ضبط ایک محقق ادیب اور مشہور شاعر ہیں آپ کا ارادہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے ریسرچ کرنے کا ہے۔ خدا انہیں اس میں بھی کامیاب کرے آمین۔ ملک اور قوم کی آپ سے بہت نیک امیدیں وابستہ ہیں۔

سالنامہ کے قلمی معاونین

سالنامہ نیرنگ خیال ۱۹۴۳ء (جو جنوری اور فروری کا مشترکہ نمبر ہوگا) کی کتابت شروع ہو چکی ہے اور ملک کے سر برآوردہ حضرات نے اس کے لئے مضامین ارسال فرمائے ہیں یا بعض احباب کے مضامین ضرور روانہ ہو رہے ہیں۔ اس لئے جن اصحاب نے کوئی مضمون نظم یا نثر سالنامہ کے لئے لکھوانا ہو تو لکھوا دیں۔

مضامین دیر سے بھیجنے کی صورت میں یا اگر سالنامہ کے صفحات ان کے متحمل نہ ہو سکے تو ہمیں معذور سمجھا جائے گا۔ اس صورت میں یہ مضامین یا تو سالنامہ کے بعد کے نمبروں میں درج ہو جائیں گے۔ یا مضمون نگار حضرات کی خدمت میں واپس کر دئے جائیں گے۔

نیرنگ خیال کا سالنامہ ۱۹۴۳ء ہر لحاظ سے اپنی روایات کے شایان شان ہوگا اور آپ اسے جنگ کے زمانہ میں بہترین سالنامہ پائیں گے۔ سائز بھی حسب معمول بڑا ہوگا۔ اور صفحات بھی اتنے ہوں گے کہ اس میں قریباً ایک ہزار کتابی سائز کے قریب مواد آ جائیگا اور مواد بھی ایسا جو بے مثال اور لاجواب ہوگا۔ انشاء اللہ

(ادارہ)

سلاطینِ ہند کے آنسو

(از جناب مولوی عبداللہ خان فریدی فاضل السنہ شرقیہ ملتان)

عام طور پر شاعری کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ اس میں حقیقت یا تخیل سے جن پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں انہیں اس طرح موزوں کیا جائے کہ ان کے اثرات دوسروں پر مرتب ہوں۔ اگر یہ تعریف صحیح ہے تو پھر سلاطین کے کلام و شعر کو شاعری کی دنیا میں ممتاز جگہ ملنی چاہیے کیونکہ انہیں عام شعراء کی طرح دل بہلانے کی ضرورت اور تکلیف کا وقت نہیں ملتا۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں صرف ان کی روح کی گہرائیوں سے معاملات و آلام سے جس چوٹ کر کے ابھرتی ہے اسے وہ جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں وہ تصنع و مبالغہ سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ ان کی درد بھری صحبتیں ہوتی ہیں جو ان کی جانِ دل سے اٹھ کر سینہ کو چیرتی ہوئی جب زبان پر پہنچتی ہیں تو متکلم کی لطافتِ طبع سے موزوں ہو کر خود بخود شعر کے قالب میں ڈھل جاتی ہیں۔ شائستگی و تہذیب علمی [illegible] کو عام شعراء کے کلام سے ممتاز رکھتی ہے۔

[illegible] سلاطین ہند کے آنسو کے تحت سلاطین ماضیہ کے ایسے ہی درد کلام کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو یاس، حسرت اور غم و اندوہ پر مملو ہے کہ آپ ان بدقسمت اشخاص کی مصیبت کا اندازہ کر سکتے ہیں جو کروڑوں انسانوں کی جان و مال اور عزت کے مالک ہو کر ایک وقت تقدیر کے ہاتھوں ایسے بے بس ہو جاتے ہیں کہ کوئی ان کا مداوا نہ کر سکیں۔ ارباب ذوق کلام الملوک ملوک الکلام کے مصداق جہاں اس کتاب میں زبان کی صفائی، سلاست، پاکیزگی، دلچسپ بندشوں، خوش بند تشبیہوں اور استعاروں سے لطف اندوز ہوں گے وہاں انہیں تہی دامن سلاطین کے حسرت انگیز کلمات میں عبرت و بصیرت کا سبق ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا "دار مکافات" ہے جو بے رحم و خطا دوسروں پر جور و ستم کا ہاتھ بڑھاتا ہے اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ معز الدین کیقباد نے کیخسرو کو ناحق قتل کیا تو اس کی لاش بھی لوگوں سے پامال ہونے کے بعد دریا میں پھینک دی گئی۔ جلال الدین خلجی پر علاؤ الدین نے ظلم کیا تو ہر طرف سے اس پر ایسا ہجوم کیا کہ دوست دشمن سب کانپ اٹھے، نہ صرف اس کا قتل ہوا بلکہ لوگوں کے ہاتھوں حرم کی عصمت بھی پامال

ہوئی۔ شاہجہان نے باپ سے بغاوت کی تو خود بھی اسی طرح جیسے فرمانبردار اور سعادتمند بیٹے کے ہاتھوں سات سال تک قلعہ آگرہ میں نظر بند رہا۔ اور اگر محی الدین عالمگیر نے گولکنڈہ اور بیجاپور کی حکومتوں پر ہاتھ صاف کیا تو اس کی اولاد بھی [illegible] اور خیال جیسی سخت سلطنت بھی کئی ٹکڑے ہو کر [illegible]

تا تو انی کے ہمدم [illegible] ریزی و دشمن [illegible]
مید نباری شور بہار تا نزوری خون زہر [illegible]

سلطان بلبن کا گریہ

سلطان بلبن کا قہرمان اقتدار جس کی ہیبت سے بڑے بڑے امراء کا زہرہ آب ہوتا تھا۔ اسی برس کی عمر میں اسے جوان بیٹے کی موت کا صدمہ پہنچا اور بیٹا بھی سلطان محمد جیسا بہادر اور سعادتمند جو بچپن ہی سے تاج و تخت کا وارث قرار دیا جا چکا تھا۔ مگر بظاہر سلطان نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اہلِ دربار سے کہا "من رضا بقضا دادہ از گشتہ شدن سلطان محمد [illegible]" مگر جب محل سرا میں گیا تو بند مکان میں خوب رویا اور دن رات یہاں تک کہ خود بھی جہان سے گذر گیا۔ یہ اشعار اسی حزن و ملال کے عالم میں موزوں ہوئے تھے۔

رحمیں رسیتہ گلبرگ خنداں، چرا بر من نگرود باغ زیبا
پریدہ از حجیم تیک بہاری، چرا چوں ابر نمی گریم پیاپی
فرو مردہ چراغ عالم افروز
چرا روزم نگردد شب بہ تیرہ

سلطان تغلق کا دمِ واپسیں

اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم [illegible] اور جابر سلطان [illegible] ایک [illegible] کو بخشی دنیا [illegible]

[illegible] کے [illegible] بھی مکمل اور یہی موت کا بہانہ بن گئی۔ اور مرحوم [illegible] فارسی ہوئی اور پہلی دفعہ ہندوستان کے قبلہ اور [illegible] نے اپنی کمزوری اور بے بسی محسوس کی۔ طبع کی لطافت [illegible] شعر موزوں کر دیا۔ بادشاہ رقت بھرے لہجے [illegible] اور انہیں بار بار کر رو تا رہا۔ یہاں تک کہ طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا ؎

لیبد ما دریں جہاں چمیدیم ✽ لیبد نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند بر نشستیم ✽ ترکانِ گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر
چوں قامت ماہِ نو خمیدیم

میرزا کامران کی زود پشیمانی

جب ہمایوں بادشاہ دوبارہ برسرِ اقتدار ہوا اور منعم خاں سلطان آدم کے پاس جا کر میرزا کامران کو لے آیا۔ تو جملہ اراکین سلطنت نے گذارش کی کہ اس ذات شریف کے نفاق کی بدولت جناب کو رنج و [illegible] سے محروم ہونا پڑا۔ اب مصلحت اسی میں ہے کہ اپنی سلطنت کی [illegible] انہیں صفحۂ ہستی سے نابود کیجئے۔ رحمدل بادشاہ اس کے قتل پر رضامند نہ ہوا۔ لیکن امرا کی تسلی کے لئے اس کی آنکھ میں سلائی پھیرنے کی اجازت دے دی۔ محمد مومن نے اس حادثے پر یہ [illegible]۔

چشم پوشید ز بیداد سپہر

اور جب بادشاہ میرزا کو دیکھنے تشریف لے گئے۔ اور شہزادہ [illegible] کو پوچھا جگر غم سے داغ داغ اور زبان ضبط سے چاک تھی [illegible] بادشاہ بھائی کے سامنے آیا۔ اور [illegible] یہ قطعہ پڑھا ؎

ز قدر و شوکتِ سلطاں نگشت چیزے کم
ز التفات بعزت سرائے دہقاں
کلاہ گوشۂ دہقاں باقتاب رسید
کہ سایہ بر سرش انگند چوں تو سلطانی

[illegible] کر دیکھ کر آپ خشاء آنکھوں سے [illegible] میرزا کامران بھی [illegible] نہایت

اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ میرزا نے اراضیِ حجاز میں [illegible] وہیں فوت ہو کر جنت المعلیٰ میں دفن ہوا ؎

گنج لقا نیست دریں خاکداں ✽ مغز وفا نیست دریں استخواں
جملہ جہاں خواہ کہن خواہ نو ✽ چوں گذر انست میرزد بجو

میرزا ابوالقاسم کا نوحۂ غمناک

کامران میرزا کا ایک بیٹا تھا ابوالقاسم۔ گوالیار کے قلعہ میں [illegible] بند کی گھڑیاں گذار رہا تھا۔ جب اکبر بادشاہ نے تیموری شہزادوں [illegible] پر چڑھائی کی۔ تو اسے بھی قتل کر دینے کا حکم دیا۔ جلاد سر پر پہنچا [illegible] مظلوم شہزادے نے حسرت و ارمان سے یہ شعر موزوں کر [illegible] ؎

فلک بکشتنِ من ایں قدر شتاب مکن
چو خواہم از ستمت مرد اضطراب مکن

شاہجہان کا درد انگیز نالہ

اس بادشاہ کا دربار نوشیرواں کے دربار پر بھی فوقیت لے [illegible] تھا۔ گاہے گاہے علامی افضل خاں کے زیر اہتمام دربار میں مشاعرہ [illegible] ہوتا تھا جس میں مولانا کیفی عسکری۔ نظیری۔ دوستی سمرقندی۔ [illegible] نعمت خاں عالی اور چندر بھان برہمن جیسے نغز روزگار شعرا اپنا کلام سناتے تھے۔ اخیر عہد میں بیماری نے بادشاہ کو بے بس کر دیا تھا۔ [illegible] دارا شکوہ کا حکم چلتا تھا۔ اورنگ زیب نے حملہ کر کے دارا شکوہ کو [illegible] دی اور باپ کو اس علت سے آزاد کیا۔ پھر خود بطورِ نائب کے بادشاہی کرتا رہا۔ جب بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ تو اس نے جلوس کیا۔ [illegible] تاریخ ہوئی۔ تحفۃ الکرام کے الفاظ یہ ہیں۔

و اواخر عہد دارا شکوہ را ولیعہد ساختہ بر تخت نشاند۔ اورنگ زیب پدر را نشانید۔ ادرا برانگند و خود صاحب اختیار ملک گردید و آخر چوں شاہ جہاں درگذشت سن یک ہزار و ہفتاد و ستین الف اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ جلوس نمودہ [illegible] تاریخ است صفحہ ۱۳۷

بادشاہ قلعہ معلیٰ میں نظر بند تھا چونکہ دارا شکوہ سے بے حد محبت تھی۔ اس لئے اس کی حمایت میں [illegible] کے پاس [illegible] بھیجتا تھا۔ اس سازش میں بادشاہ کا [illegible] بھی شریک تھا [illegible]

نے اس کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ بادشاہ نے جھنجھلا کر بیٹے کو شکایتی خط لکھا۔ سرنامے پر جو اشعار مرقوم ہیں وہ الطاف و شفقت کے مولود کردہ ہیں ؎

اے پسر ایں عجب سلطانی۔ زندۂ جاوداں تاب نرسانی
آدمیں یاد بند و کس ہر آن، مردہ را ہے دہند دم آب
بائے من ابا ورس ادیدہ زرکر صاحب سے ملک سوار
بردم مے دزد تا مدار پیے تحفے تمام در دنیا منصور و مباش کر در پ
ملک ہمہ در ساں جہ سدی ہر سلطان ہمہ ار کردہ خود پشیمان خواہد
بود ے ؎

من حر اگر کنم از سبب مستی بخت
ے رضا ے و بکے بر گے۔ چید از درخت

بعض مضمون سے حسن رنج اور غم کا ترشح ہوتا ہے۔ وہ محتاجِ بیان نہیں۔

نورجہاں بیگم کی منظوم چیخیں

تاریخ مغلیہ میں اس ملکہ کے برابر کسی بیگم کو اقتدار نصیب نہیں ہوا۔ جہانگیر کے پس پردہ یہی حاوی جہانگیری کرتی تھی۔ بادشاہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ سفر و حضر میں ملکہ کو سینے سے چمٹائے رکھتا تھا اگر ایک لحظہ جدا ہو جیں تو بے چین ہو جاتا۔ دربار میں بیٹھتا تو پیچھے پردہ پڑا جاتا اور ملکہ پشت پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہتیں۔ ۲۰ صفر ۱۰۳۷ھ کو بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ نورجہاں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ محبوب بھی گیا، اور بادشاہی بھی۔ طرفۃ العین میں ملکہ سے بھکاری بن گئی۔ صاحب سیر المتاخرین نورجہاں بیگم کی اس مصیبت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

وقت چاشت روز یکشنبہ دو عمر شصت و دو سالگی طاہر روح پادشاہ از آشیانِ کالبدِ عنصری پرید۔ نورجہاں بیگم موہ کش و تراش عنالہ جان تراش بآسمان رسانید۔ و گل رخسارہ از خار ناخن غم خراشید۔ دانہ ہائے گریاں چند مرغ نیم بسمل بر خاک و خوں سے چکید و بے اختیار سے خواند ؎

[illegible]
[illegible]
[illegible]

بتا ز ن و فا کہ نباشد کہ من [illegible]
نخواہم کز و یک بے تو نشینم [illegible]
چہ آسائش [illegible]
کز و گل [illegible]

شہریار کے آنسو

جہانگیر کی آخری زندگی میں ملکہ نورجہاں نے ہر ممکن [illegible] کی کہ کسی طرح اس کا داماد شہریار بن جہانگیر بادشاہ تخت [illegible] کا مالک بنے۔ مگر کامیاب نہ ہوئی۔ آصف خاں وزیر سلطنت نے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی۔ شہریار نے بصارت [illegible] ہونے پر جس درد و کرب کا اظہار کیا ہے۔ وہ ذیل کی رباعی سے ظاہر ہوتا ہے ؎

نرگس گلاب از چہ نتواں کشید
کشید ند از نرگس من گلاب
اگر از تو پرسند تاریخ من
بگو کورشد دیدۂ آفتاب

کلام کے محاسن پر غور کیجیے۔ کتنا بلند پایہ کلام ہے۔ پہلا شعر شہزادے کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اور دوسرا اس [illegible] عظیمہ کی تاریخ ظاہر کرتا ہے۔ پھر مادہ کے الفاظ ملاحظہ [illegible] کتنے پر شوکت اور پر جلال ہیں۔ گویا بے نور ہو کر بھی شاہانہ [illegible] کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

داراشکوہ کی پکار

جب داراشکوہ گرفتار ہو کر تہاڑ دلی میں نظر بند تھا۔ اس [illegible] نے اورنگ زیب کے نام ذیل کا خط لکھا۔

"برادرم بادشاہم سلامت!
سلطنت تمہیں [illegible]
کچھ ہوس نہیں [illegible]
چاہتا ہوں [illegible]
[illegible]"

کی منتظر ہو گئی۔ تو اس کا دل درد سے بھر آیا۔ سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی سہارا نظر نہ آیا۔ آسمان کی جانب نظر اٹھائی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ کچھ کہنے کو جی چاہا مگر اس ویران گھر میں قلم دوات کہاں ملتی۔ ٹھیکری اٹھا کر اس پر کچھ لکھنا شروع کیا ؎

روزے کہ شود اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ
وانجم زنور اِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ
من دامن تو بگیرم اندر عرصات
گویم صنما بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

پاس ہی چودہ سال کا شہزادہ سپہر شکوہ سہما ہوا بیٹھا مصیبت کی گھڑی پکار رہا تھا۔ ابھی دارا شکوہ مشکل سے یہ رباعی ختم کرنے پایا تھا کہ جلاد آ پہنچے۔ دارا شکوہ عسکری طبیعت رکھتا تھا اِدھر اُدھر نگاہ کی مگر سوائے چھری کے کوئی چیز دکھائی نہ دی۔ لے کر مقابل ہوا اور جب تک کہ ظالم چاروں طرف سے آن پڑے تب تک یہ تنہا ہی شہزادہ لڑتا رہا۔ آخر زخموں سے چور چور ہو کر مارا گیا۔

سپہر شکوہ کا نالہ

دارا شکوہ کے قتل کے بعد اس کا کمسن بچہ سپہر شکوہ دربار میں لایا گیا۔ نو برس کا یتیم شہزادہ جس نے اپنے باپ کو کبوتری کی طرح ذبح ہوتے اور اس کی بے سر لاش کو تڑپتے دیکھا تھا۔ اس نے رو رو کر آنکھیں لال کر لی تھیں۔ ہجر و فراق میں ٹھنڈے سانس بھرتا اپنے شاہ چچا کے حضور میں آیا بادشاہ نے دلجوئی سے پوچھا۔ "اے سپہر شکوہ بحالت چیست؟" اس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

حال من از ہجر دارا کمتر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

بادشاہ نے جل کر کہا "موت سر پر کھیل رہی ہے اور حواس اتنے بجا ہیں کہ شعر تصنیف ہو رہے ہیں اور اگر زندگی کی کچھ آس ہو تو شاید آسمان کے تارے توڑ لائے" پھر حکم دیا کہ اپنے چچا شہزادہ مراد کے پاس گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا جائے۔

محمد شاہ کی آہِ جگر دوز

اس بادشاہ کے عہد میں ایران کا قہرمان تاجدار نادر شاہ افشار ہندوستان پر چڑھ آیا۔ امراء کی بے اتفاقی سے بادشاہی لشکر کو شکست ہوئی اور دہلی کے لوگ گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔ کوچوں میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں اور گھر جل کر راکھ ہو گئے۔ شہر میں ایک قیامت برپا تھی۔ سب دیکھتے تھے مگر دم بخود تھے۔ ایک بڈھا خواجہ سرا بادشاہ کی خدمت میں آیا اور رو کر بولا "حضور کے باپ دادا کی سب رعیت قتل ہو گئی" بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ گلوگیر آواز میں بولا ؎

دیدۂ عبرت کشا قدرت حق را ببین
شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

شاہ عالم ثانی کا مرثیہ

سنہ ۱۲۰۲ھ میں غلام قادر روہیلہ سلطنت کے جملہ کاروبار پر [illegible] بیٹھا۔ شاہ عالم ثانی کو محلسرائے سے دیوان خاص میں گھسیٹوا بلوایا۔ بھوکے بھیڑیے کی طرح جست مار کر بادشاہ کو چت لٹا آنکھیں نکالنے کے لئے چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ بوڑھے بادشاہ نے چلا کر کہا ظالم تو دیکھتا ہے کہ ان آنکھوں نے ساٹھ برس تک قرآن کا مطالعہ کیا ہے۔ آخری عمر میں انہیں اس سعادت سے محروم نہ رکھ۔ مگر بدبخت روہیلے نے بے پرواہی کی اور خنجر کی نوک سے بادشاہ کی آنکھیں نکال ڈالیں۔ شاہ عالم نے اس مصیبت میں اپنا مرثیہ لکھا جو خاص خاص لوگوں میں اب تک مشہور ہے اور محاسن شعری کے سبب فارسی ادب کا شاہکار خیال کیا جاتا ہے

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما ؎ داد بر باد سر و برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم ؎ بر دور شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از دست فلک ابتر شد ؎ تا نبینیم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغان بچہ شوکت شاہی بر باد ؎ کیست جز ذات خدا آنکہ کند یاری ما
بود جانکاہ زرہ مال جہان ہیچ نرسد ؎ دفع از فضل الٰہی شد بیماری ما
کردہ بودیم گناہے کہ سزا آن دیدیم ؎ ہست امید کہ بخشد گنہگاری ما
شیر دادم دہن افعی بچہ را پروردم ؎ عاقبت گشت جگرخوار جگرخواری ما
[illegible] یک بیتی سال فراہم کرد [illegible] تاریخ [illegible]

عمر ... دارد سر صحبت بامن [illegible]
گریہ ہا از فلک امروز حوادث دیدم
باز فردا دو دو ریزد بسر سر دار یہ ما

بہادر شاہ ظفر کا دردناک انجام

خاندان مغلیہ کا یہ آخری بدنصیب تاجدار ۱۸۵۷ء میں اسیر شاہی بنا کر رنگون بھیج دیا گیا۔ اس سے پہلے اس نے اسی برس کی عمر میں اپنے جوان بچوں کو بیدردی سے قتل ہوتے دیکھا۔ تیموری شہزادوں کو بکمال رسوائی لال قلعہ سے نکلتے، بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہوتے اور اپنی بہو بیٹیوں کو اپنی آنکھوں سے در در دھکے کھاتے دیکھا۔ جس بد نصیب کی آنکھوں نے یہ ہولناک مناظر دیکھے ہوں اور کانوں نے یہ وحشتناک خبریں سنی ہوں۔ جس کی ساری زندگی حوصلہ مسرت اور حشمت شکوہ ماحول میں بسر ہوئی ہو وہ حزن و ملال کے گوشہ میں بیٹھ کر اپنی قسمت پر خون کے آنسو نہ بہائے تو اور کیا کرے۔ فرماتے ہیں

جلایا یار نے ایسا کہ ہم وطن سے چلے
بطور شمع کے روتے اس انجمن سے چلے
نہ باغباں نے اجازت دی سیر کرنے کی
خوشی سے آئے تھے روتے ہوئے چمن سے چلے

نواب وزیر علی خان کی [illegible]

یہ غم نصیب تاجدار نواب آصف [illegible] کا لخت جگر تھا۔ [illegible] میں تخت نشین [illegible] نوجوان تھا اور اپنی مملکت کو غیروں کے تسلط سے [illegible] اس نے چند مہینے بھی بادشاہی نہ کرنے پایا تھا کہ معزول کر کے بنارس بھیج دیا گیا۔ یہاں چند انگریزوں کے قتل پر نواب نے ہاتھ پاؤں ہلانے چاہے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی [illegible] زندگی [illegible] ملال میں بسر ہوئی۔

یہ اشعار نواب نے قید کی حالت میں [illegible] تھے۔

ارمان بہت رکھتے تھے ہم دل کے [illegible]
بیٹھے نہ خوشی سے کبھی سایہ کے تلے
ہم وہ نہ [illegible] تھے کسی [illegible] کے [illegible]
نرگس کے نہالوں میں تھے آصف [illegible] ہم
[illegible] مصیبت میں بھلا کس کو بلاؤں
رہتے ہیں [illegible] ہی سے [illegible] ہم

ریویوز

عکس حیرت

حضرت حیرت وارثی صاحب کے کلام کا جمیل مجموعہ شائع ہوا ہے ۱۵۰ صفحات مجلد قیمت دو روپے۔ ملنے کا پتہ۔ وارثی بک ڈپو [illegible] بلڈنگ متصل اسلامیہ کالج ریلوے روڈ۔ لاہور
حضرت حیرت وارثی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کے کلام میں جو جذب و اثر ہے وہ بے مثال ہے۔ نعتیہ کلام غزلیں بزرگان دین کے متعلق نظمیں الغرض ایسی چیزیں ہیں جنہیں پڑھ کر انسان مجبوراً جھوم جاتا ہے اور رنگ وجد اس پر طاری ہو جاتا ہے۔ قوالیوں اور جلسوں میں اکثر [illegible] حیرت صاحب کا کلام [illegible]
[illegible]

لالہ وگل

مصنفہ سید مجاہد حسین کاظمی۔ افسانوں کا مجموعہ [illegible]
صفحات [illegible]۔ قیمت صرف ۱۲ [illegible] چار آنہ
انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد
[illegible] مجموعہ میں کل [illegible] افسانے ہیں [illegible]
[illegible]
لیکن ایک بات [illegible]
سائیکالوجی ہے۔
[illegible]

افسانہ

لالہ بہاری لال

از جناب تارا چند رستوگی صاحب شاد ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی

(۱)

یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں کہ برسوں کا عمل انسان کو یقینی طور پر ویسا ہی بنا دیتا ہے یا نہیں، مگر یہ ماننا پڑے گا کہ لالہ بہاری لال جن کا شمار آجکل بدقسمتی سے زمیندار طبقہ میں ہوتا ہے، جس جنم میں کسان تھے، اور وہ بھی کیسے کسان، جو بات بات پر جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔ جو بیرگالی گلوج کے عادی ہیں، جو مویشی کو ... چلتے ہیں، جو چوری کر کے بسر کرتے ہیں، جو راتوں کو ... کا کھیت بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں، جو مویشیوں کو دوسروں کے کھیتوں میں چھوڑ دیتے ہیں یا جو دوسروں کی کھڑی فصل جو تلی یا پھانسی کے لئے رہن ہو جاتے ہیں، جو گھر میں ... ہو، لیکن مقدمہ بازی ضرور کریں گے، جھوٹی گواہی دینا جن کا پیشہ سا ہو گیا ہے، جنہوں نے کبھی ... میں ... عادتاً بھی دیر سے مال ہونے کے بعد سے لگا کر سینکڑوں گھر لوٹ لئے۔ ... کانگریس گورنمنٹ کے بل پر ... آنے کی طرح اینٹھے ہوئے تھے

(۲)

لالہ جی اپنے ہاریوں کا پراپیگنڈا بہت اچھی طرح کر رہے ہیں۔ گذشتہ قسط میں بقایا لگان کا دعویٰ ... کی وجہ سے ہوں کے ... بھی لگان کی صورت میں اسامیوں سے وصول کر پایا۔ گھر کا علاج کر سرکاری لگان دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ سیلاب کی وجہ سے کھیتوں کی فصل کسانوں کی فصل کی طرح ایک ہی بہہ گئی۔ کیونکہ بدقسمتی سے قدرت نے کسانوں اور زمینداروں کے کھیتوں میں سیلاب کے وقت تفرقہ نہ رکھا تھا۔ باقی رہا گھر جو دو منزلہ ہونے کی وجہ سے گاؤں کے سبھی آدمیوں کو ... کی طرح کھٹکتا تھا کیونکہ اس کی تعمیر میں بے ایمانی کے پیسے کے علاوہ غریبوں کے بیگار کی بھی ... شامل تھی۔ ... ہو گیا صرف دو طرف کا برآمدہ اور بیٹھک گرنے سے بچ گیا۔ باہری حصہ میں لالہ جی نے اپنے اسامیوں کو ... اسامیوں کو جنہوں نے ابھی چار دن سیلاب سے پہلے لگان دے سے انکار کر دیا تھا اور جو سڑکوں پر فلک شگاف نعرے لگاتے گھومتے تھے۔ زمین کس کی؟ کسانوں کی، رکھ چھوڑا تھا جہاں وہ مثل جانوروں کے رہتے تھے۔ ... کی طرف منشی بہاری لال اور ان کے نصف درجن بچے، چوتھائی درجن عورتیں، مویشی کی طرح دن کاٹ رہے تھے۔ سرکاری لگان ادا کر چکنے کے بعد جو غلہ بچ رہا تھا اسی میں سے کچھ اسامیوں کو دیتے۔ کچھ خود کھاتے۔ دھیرے دھیرے سامان ... ختم ہو گیا۔

(۳)

گھر کا ... اس طرح کامیابی سے کیا کہ بیچارے لالہ جی ... سرکار کی طرف سے جو امداد غلہ یا کپڑے کی پہنچائی جاتی اس میں سے وہ اپنے بال بچوں کے لئے کچھ بھی لینا ... سمجھتے تھے ... کسان بیچارے تو سرکار کا دیا ہوا چبا یا کرتے ہی ... کچھ ... حصہ سے کھا لیتے۔ مگر لالہ جی کا خاندان ... پر ... کئے جاتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ لالہ جی اپنے شکستہ مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھے ... ایمان کا خیال کر کے آٹھ آٹھ آنسو بہا رہے تھے۔ در و دیوار پر حسرت کی نظر سے ... انہیں خیال آیا کہ ... کو ... شاید اس میں کوئی کاغذ ... ہو جس سے کسی اسامی سے کچھ وصول ہو سکے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ ... کو آواز دی۔ وہ بیچاری ... بیمار سی رہا کرتی تھیں ... سے ... تھا۔ مگر ... کسی طرح آئیں۔ لالہ جی نے وہ ... کے بارہ میں دریافت کیا تو جواب ملا۔ وہ تو پچھم والے گھر میں تھا جب وہ کوٹھڑی گرنے لگی تھی۔ تو اور سامان نکال لیا گیا مگر کاغذوں والا ... وہیں رہ گیا تھا۔ وہ جانے کہاں بہہ کر گیا ہو گا۔

"ہائے ہائے غضب ہو گیا۔ تم اتنی جاہل ہو تمہیں اتنا نہیں معلوم کہ اس میں ہزاروں روپوں کا کاغذ تھا۔ ... میں ... بیسیوں برس سے ایسے ہی دیکھتی چلی آئی تھی۔ اس سے پہلے کبھی

صفت تھا، تو ٹھیک سہارا تھا وہ بھی گیا۔"

"مانے دو جب آدمیوں کی جان کی خیر نہیں۔ تو کاغذ کے لئے کوئی کیوں افسوس کرے۔ میں یہ پوچھتی ہوں۔ آپ ہم سب کو سرکاری غلہ نہ لینے دیں۔ لیکن آپ بچوں کو جان لیوا کیوں منع کرتے ہیں بیچارے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ کب تک پاس پڑوس سے مانگ مانگ کر کھلاؤں۔ گھر کا غلہ تو اپنے مفت خوروں کو دروازے پر بٹھا کر کھلا دیا اب ہم سب اسی طرح جان دے دیں گے یا کوئی سبیل نکالو گے۔ چولھے میں گئی ایسی زمینداری۔ اس سے اچھے تو بیچارے کسان ہی ہیں۔ کم سے کم نہ کھانا ہو تو سرکاری غلہ پر جیتے ہیں سرکار کا ناج ایک پیسے سیر اور مرضی ہو تو کھاتے ہیں گنگا مائی ہر دوار جاتی"۔ لالہ جی نے ایک موٹی سے جو کچھ خاموشی کے ساتھ سنا اور کرتے کے دامن سے آنسو پونچھتے ہوئے بولے کبھی موہم کیسے کہیں رحم اسکا جیا ہمارے سامنے رکھا ہے امرتاں رگڑ رگڑ کر مرجانا ہمیں منظور ہے۔ لیکن بھیک کے کر پیٹ پالنا منظور نہیں"

(۴)

سو جس کو چاہے مدد دیں کرے جواب کوئی بس ہے یا ذلیل کرے

وقت تھا جب لالہ بہاری مل کی ماں اپنے ہاتھوں سے سر پر رکھ گیہوں گھر کے مالکوں کی آنکھ بچا کر یوں اور ساگ خرید کر دے ڈالا کرتی تھیں۔ وہ بیچ سدرون کو کھلا دیتی تھیں۔ مگر آج وہی رات کے ۹ بجے گھر سے چپکے سے نکل کر اس ٹیلہ پر جا رہی تھیں جہاں شام کو ڈپٹی صاحب نے گیہوں کی کمگنتی تقسیم کرائی تھی۔ بوڑھے آدمیوں کے دانت اور بچوں کے کم تر نہیں ہوتے۔ لالہ جی کی ماں ادھر ادھر خود سے دیکھتی اندھیرے میں راستہ ٹٹولتی چلی جا رہی تھیں گھر سے آدھ میل کی دوری پر پانی میں چلنا تھا۔ کسی طرح اس میں قدم ڈالا پانی زیادہ تھا لیکن پیر بھی اس میں جیسے آواز کا لی پیدا ہوتی تھی پاس ہی ایک کسان کا مکان تھا سالا جی کے چلنے سے آواز جو ہوئی۔ کچھ لڑکے اٹھ کھڑے ہوئے اور لگے شور کرنے "پانی میں کوئی جانور گھس گیا ہے"۔ ایک آدمی نے تو چند ایک ڈھیلے بھی رسید کئے۔ لالہ جی کی ماں کا برا حال تھا گرتی پڑتی کسی طرح ٹیلے تک پہنچیں تو جان میں جان آئی۔ ۱۱ بجے رات تک گیہوں کے دانے اکٹھا کرتی رہیں۔ منہ کر ایک کو چپکے بھی کھالیتی تھیں۔ مگر دانتوں کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مشکل سے نگل پاتی تھیں۔ کبھی ایک آدھ کنکری جب منہ میں آجاتی تو کہتیں۔ مرجا کے بھی ایمان کا ٹھکانا نہ رہا۔ گیہوں کے ساتھ کنکر بھی بانٹتی

ہے، جب رات زیادہ ہو گئی تو لالہ جی کی ماں سلے ہوئے کپڑے کی گٹھری میں ... دانے سب سو گئے پھر لے کر واپس ہوئیں۔ اسی طرح ... بڑھی ماں بچوں کے لئے کھلکھنی ۲۲ یا کرتیں

(۵)

بوڑھے آدمیوں کا ہاضمہ تو یوں ہی کمزور ہوتا ہے ... پر پیسرا صلاح ۷۰ برس کی بڑھیا کتنے دن اس طرح چل سکتی تھی پیچش کے مہلک مرض میں گرفتار ہو گئیں۔ ۱۰-۱۵ دن کے بعد بیماری ان ... اس کے اٹھتے ہی گھر پر آفت آگئی انفلوئنزا نے گھر کا گھر صاف کر دیا لڑکے ایک ایک کر کے داغ مفارقت دے گئے۔ لڑکیاں البتہ سخت جان تھیں۔ موت کے منہ سے شاید اس لئے بچ گئی تھیں کہ لالہ جی کی کچھ بھی زمینداری ٹھکانے لگانا تھی۔ ایک ماہ میں زمین سیلاب سے صاف ہوئی۔ سیلاب اترا مگر کمزوری ابھی باقی رہی تھی جو اصل بیماری سے خطرناک ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں پس ماندگان کی حالت قابل رحم ہے ... کو مکان نہیں سکھانے کو انارج نہیں۔ پہننے کو کپڑا نہیں گھر میں۔ مچھروں کی افزائش۔ طاعون ہیضہ ملیریا کی رہائش کے لئے موزوں ہو جاتی ہے جیسے اور گیہوں کی جگہ سرکار کو ملیریا کمسچر تقسیم کرانا پڑ گیا۔ لالہ جی کی مصیبتیں ختم ہوتی نظر نہ آتی تھیں جیسے ہیضہ میں مرے تو نیا ل تھا۔ اب مصیبتوں سے نجات ملی مگر اس کے بعد بھی طاعون نے گھر کا گھر ... ے درماں کا شکار ہوئیں۔

(۶)

ہندوؤں کے گھروں میں معمر لڑکیوں کا کنواری رکھنا اتنا ہی معیوب سمجھا جاتا ہے جتنا بیواؤں کی شادی۔ لالہ جی کی اور مصیبتیں تو قابل برداشت تھیں مگر ان سے پاس پڑوس کی برائیاں برداشت نہ ہو سکیں۔ انہوں نے سوچا جس طرح بھی ہو تینوں کی شادی کر دیں گے۔ خیال اچھا تھا مگر لڑکی کی شادی خصوصاً اونچی ذات میں کوئی مذاق تو ہے نہیں۔ شادی کے مصارف سے اچھے اچھے گھر بگڑتے دیکھے گئے ہیں۔ شادی کے ... جاتے ہیں۔ اتفاق سے کوئی ... پسند کا ... اس کے ... مرضی کے مطابق ... کے نا جا کر ... کا خرچ ...

منتہائے کمال ایں اور منتہا سمجھتے ہیں۔

لالہ جی بحیثیت زمیندار دل ہی تھا۔ اس لئے انہیں ہر لڑکی کے علاج کم از کم دو ہزار خرچ کرنا تھا۔ اب تینوں کے لئے ۶ ہزار کی گہری رقم کہاں سے۔ لالہ جی کو زمین کا پرانا دستور تھا سو روپیہ بیگھے زمین کی بڑی بات نہ تھی۔ مگر اب سب بدل چکا تھا۔ زمین کی وہ قیمت نہ تھی۔ ۲۰ روپیہ بیگھہ بھی اس وقت مشکل تھا جس کسی سے ذکر کرتے منہ بنا کر جواب دیتا۔ اب زمینداری میں کیا دھرا ہے کون روپیہ پھنسا دے؟

آخر تھوڑی روز دھوپ کے بعد ترلوچن سے معاملہ طے پایا۔ سوا لا کھ سود پر دو ہزار روپے قرض لے۔ ساری رسم رسوم ہوگئی شادی میں ۶ سال لگ گئے کہ کسی طرح دے کر زمینوں کو ٹھکانے لگا یا۔

شادی سے چھٹی پاتے ہی ترلوچن ساہوکار نے تقاضا شروع کیا۔ لالہ جی نے ساہوجی کے موافق فیصلہ سنایا زمین اور مویشی سبھی نیلام پر چڑھ گئے۔ لالہ جی بیچارے تن تنہا رہ گئے۔ بس چلتا تو ساہوجی آپ بھی بیچ لیتے۔ مارے رنج و غم کے بیچارے سے چارپائی پہ پڑ گئے۔ چھیڑنے کے پیسے بھر پہلے ہی سے وہ سنگرہنی کے مہلک مرض میں گرفتار تھے۔ آخر وہ وقت آ پہنچا۔ جب لالہ جی نے سفر آخرت کے لئے قدم بڑھایا۔ دروازہ پر اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ اس طرف قرق امین کا چپراسی مویشی نیلام کرتا تھا۔ ایک دو تین کی بولی بولتا تھا۔ ادھر لالہ جی اندر دل ہی دل میں اس کی آواز کے ساتھ ہچکیاں لے رہے تھے جس وقت آخری بیل کی بولی ختم ہوئی۔ لالہ بہاری لال بھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

راتوں کی نیند حرام کر دینے والے ناول

(انگلستان کے نامور افسانہ نویس رینلڈ کے قلم سے)

دنیا بھر میں ان سے دلچسپ ناول کوئی نہیں

غرور حسن

۸ حصوں میں مکمل حجم تین ہزار دو سو آٹھ صفحات قیمت مکمل سیٹ اصلی قیمت اکیس روپے رعایتی قیمت ۱۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

فسانہ لندن

۸ حصوں میں مکمل حجم دو ہزار بیس سو صفحات مجلد قیمت بارہ روپے علاوہ محصول ڈاک

گردش آفاق

۲۰ حصے۔ حجم تین ہزار چار سو ۳۲ صفحات اصلی قیمت اکیس روپے رعایتی ۱۵ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

نظارہ پرستان

۵ حصے اسرار لندن کا آخری سلسلہ۔ حجم دو ہزار دو سو اٹھارہ صفحات قیمت اصلی ۱۰ روپے بارہ آنے رعایتی ۸ روپے علاوہ محصول ڈاک۔

خیال رہے کہ ان سلسلوں کی صرف چند مکمل جلدیں باقی ہیں۔ اتنے بڑے سلسلے کبھی چھپے ہیں۔ اس لئے شائقین انہیں خرید کر پڑھیں اور ان اسرار و حالات کا مطالعہ فرما کر حیرت رہ جائیں۔ دنیا کے تمام ناول مل کر بھی ان کی دلچسپیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

۷۵ چمبر ۱۔ **مینیجر ہندوستانی لٹریچر کمپنی فلیمنگ روڈ لاہور**

اُردو ادب پر سرسیّد کا اثر

(از جناب ظہیر احمد صاحب)

مدرسۃ العلوم علیگڑھ کے بانی کی حیثیت سے سرسیّد سارے ملک میں مشہور ہیں لیکن کتنے ہیں جو اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ملک کی قومی زبان یعنی اُردو کو اس کی موجودہ روشن، رنگین اور صحیح معنوں میں اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا اہم کام بھی اسی قابل قدر ہستی نے انجام دیا تھا جس کے خواب کی تعبیر آج ہم کو علی گڑھ مدرسہ کی سربلند عمارتوں اور ہمہ گیری میں نظر آتی ہے۔ اردو ادب کو انہوں نے اس وقت کمال بے باکی کے ساتھ زندہ کر دیا جب وہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس میں انہوں نے ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا، اور صرف اس کو زندگی کی حقیقتوں سے قریب ہی نہیں کیا بلکہ در اصل اس کو ہماری سوسائٹی، معاشرت اور تمدن کا آئینہ دار بنایا۔

سرسیّد نے جن متعدد اصلاحی تحریکات کی ابتدا کی ان میں تہذیب الاخلاق کی اشاعت ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اثر صرف تمدن و معاشرت ہی پر نہیں بلکہ ادب کے لئے بھی اہم ثابت ہوا اور کا پیش خیمہ تھا اسی لئے اس سادہ اور بے تکلف اسلوب بیان کی ... جو اس وقت تک ... سے زیادہ مقبول تھی۔ اس سے پہلے اردو مسجع و مقفی اور ثقیل عربی و فارسی الفاظ سے لبریز ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ ملک و قوم کی خدمت کا بیڑا اٹھا چکے تھے اور اپنے پیام کو ملک کے گوشہ گوشہ تک پہنچانا تھا۔ اس لئے ایک سلیس، سادہ، شستہ اور شگفتہ زبان کی ضرورت درپیش ہوئی جو ہر خاص و عام کے لئے قابل فہم اور دلنشین ہو۔ اس ضرورت نے سرسیّد کو جدید اسلوب بیان ایجاد کرنے پر مجبور کیا۔

"تہذیب الاخلاق" کے اجراء کا مقصد مسلمانوں کے اخلاق و آداب، اعمال و کردار اور عادات و اطوار کی اصلاح کرنا تھا۔ چونکہ اس تحریک کا دائرہ بڑی حد تک مسلمانوں کے لئے محدود تھا۔ اس لئے تمام دوسری مذہبی تحریکات کی طرح اس نے بھی سرسیّد کے معاونین اور مخالفین کے دو گروہ پیدا کر دئے۔ حامیان تحریک نے نہ صرف سرسید کے خیالات و اعتقادات کی اشاعت کی بلکہ اسلوب نگارش میں بھی انہیں کی پیروی کی۔ اس گروہ کی نمائندہ جماعت (سرسید، حالی، نذیر احمد، شبلی، ذکاء اللہ) بعد میں اردو کے عناصر خمسہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ مخالفین نے بھی تحریک کی تردید و مخالفت میں جو رسالے لکھے ان میں غیر شعوری طور پر وہی سادہ اور بے تکلف عبارت استعمال کی۔ اس طرح بغیر اس امر کا احساس کئے ہوئے کہ وہ اپنی قدیم روش سے انحراف کر رہی ہے۔ ایک بڑی جماعت نے اسی اسلوب میں انشاء پردازی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اردو ادب کا خزانہ ان بیش بہا جواہرات سے معمور ہو گیا۔ جن کو مورخ زبان اپنی تصنیفات میں بڑے احترام سے جگہ دیگا۔

سرسیّد کے مضامین کی نوعیتیں مختلف تھیں۔ انہوں نے اخلاق و عادات کے اصول بھی متعین کئے اور تمدن و معاشرت کی تیرہ و تار فضا میں بھی مشعل راہ بنے۔ تعلیم کی ترقی کے لئے نئی نئی راہیں وضع کیں اور مذہبی فرائض سے بھی ہمیں آگاہ کیا۔ لطف یہ کہ ہر موضوع کے بیان کے لئے ایک مناسب اور موزوں پیرایہ اختیار کیا۔ خواہ یہ اجتہاد بقول حالی غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو لیکن اس سے زبان و بیان پر سرسیّد کی بے پناہ قدرت کا پتہ چلتا ہے ... سادگی اور بے تکلفی کا دامن انہوں نے کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

سرسیّد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک مصلح کی دور اندیشی کو کام میں لا کر انہوں نے زبان و ادب کے آنے والے انقلاب کو ... انہی اصولوں پر کاربند ہوئے جن سے اردو کا آئندہ سابقہ پڑنے والا تھا۔ لیکن جب ہم ان کے مضامین ... کی عمر میں سید الاخبار میں لکھے گئے۔ تو ہمیں یہ اعتراض محض بے بنیاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں ... الفاظ کی تراش و خراش سے مبرّا نظر آتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ... کا پابند ہونا انہوں نے کبھی ...

ایسی مشکل ہوتی تھی کہ کسی ایسی وجہ سے کہ اُسے ایسے الفاظ پر ترجیح دیتے تھے جو قواعد کی رُو سے بہتر قرار دئیے جاتے ہوں۔
سرسید کے رفیق کے سوانح نگار نے خاندانِ اردو تہایا ہے اور علامہ شبلی مرحوم سے موجودہ طرزِ انشاء کا "مجدد الملک" اور معقول ہوگی حق بجانب ہے مگر سرسید حقیقی کی نظر بے تکلف علاقہ وجود میں آچکی تھی۔ لیکن مقبولیت کے شرف سے محروم تھی۔ میر امن کا طرزِ تحریر اس زمانے کے مصنفین کے لئے قابلِ قبول تھا۔ یہاں تک کہ خود ان کے ہوش چین رجب علی بیگ سرور نے فسانہ عجائب کے دیباچہ میں اس کا مذاق اڑایا۔ غالب کے خطوط کی مقبولیت کا راز ان کی ظرافت اور شوخی میں ہے۔ باغ و بہار اور خطوطِ غالب کی عظمت سے انکار نہیں لیکن تاہم یہ ہے کہ سوسائٹی اور طبقوں کا رجحان اور میلان ہولے ہیں ان کا ذرہ بھی حصہ نہیں ہے اور نہ اُن کے اسلوبِ نگارش سے ادبی ضابطی ہے۔ برخلاف اس کے سرسید نے نہ صرف اردو نثر کی باگ موڑ کر اس کو ایک نئی راہ پر لگا دیا بلکہ نظم کی اصلاح و ترقی میں بھی ان کی کوششیں کارفرما نظر آتی ہیں۔ جدید شاعری کے موجد مولانا آزاد قرار دئیے جاتے ہیں جو سرسید کے عزیز دوست تھے اس لئے قرینِ قیاس ہے کہ ان کا یہ اجتہاد ضرور سرسید کے مشورے اور امداد سے عمل میں آیا ہوگا۔ اس خیال کی تصدیق اس خط سے ہوتی ہے جو آزاد مرحوم کو جدید نظم کا پہلا مشاعرہ منعقد کرنے پر سرسید کی طرف سے موصول ہوا تھا۔

سرسید میں جہاں کام کرنے کی استعداد بھی اور حد درجے کی تھی وہاں وہ دوسرے سے کام لینے کا طریقہ بھی خوب جانتے تھے۔ چنانچہ نعمانی، حالی اور شبلی جیسے انمول رتنوں کا انتخاب کرکے انہوں نے ایک کوس کی طرح مسلمان کے موافق علم و ادب کی مختلف راہوں پر لگا دیا۔ اور خود ان کے لئے مشعلِ ہدایت بنے۔ آزاد ان کے رفیقوں میں تھے۔ مگر ان کی تحریک کا اثر بھی ساتھ ساتھ ہوا۔ ان حضرات کا ادب کے جدید رجحانات پر کتنا اثر پڑا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے چار مریدِ قابل فخر اہلِ قلم یعنی مہدی افادی، راشد الخیری، عبدالحق اور سید سلیمان ندوی انہیں سے حتی الامکان بڑی حد تک انہیں کے معتقد بھی نظر آتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہمارے موجودہ ادب پر ان حضرات کا اثر کہاں تک پڑا۔ یہ سمجھنا ہے کہ سرسید ایک سرچشمۂ فیض تھے جہاں سے ہمارے صاحبِ علم و ادب کی مختلف اطراف میں پھیلے نکلیں اور سرشار سے ملک شاعر اور لکی اور سے مل کر گشت زار ادب کو سیراب کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم اسے ادب جو ترقی کی انتہائی بلندیوں پر جلوہ فگن دیکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس ترقی کی تہہ میں سرسید کی ان تھک کوششیں اور بے پناہ جذبہ عمل پوشیدہ نظر آتا ہے۔

سرسید کی ابتدائی تصنیفات کہیں دور از کار تشبیہات سے مرتب ہیں تو کہیں ان پر مغلق لغات کی بھرمار ہے۔ کسی نے اپنی تحریروں کو اپنی عربی و فارسی دانی کے اظہار کا ذریعہ بنایا تو کسی نے ظرافت اور چٹکلوں کی بنیادوں پر انشاء پردازی کے محل تعمیر کئے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے اندر تاثیر کا وہ لازمی جوہر اور وہ ہر دلعزیزی نہ پیدا کر سکا جو سرسید کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس کی وجہ غالباً ان میں صداقت اور خلوص کے عنصر کی فراوانی تھی۔ اردو داں طبقہ اس خصوصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مثال کے طور پر ہم حالی کو لے سکتے ہیں جو اپنی تحریروں کو خلوص تمام سپردِ قلم کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ بے تکلف نثر لکھتے گئے۔ لیکن کہیں بھی تصنع اور تکلف کا دخل نہیں ہونے پایا۔ مشکل سے مشکل باتوں کو انہوں نے انتہائی سلجھے ہوئے انداز میں ادا کیا۔ چنانچہ اُن کی باتیں تیرونشتر کی طرح دل میں اُتر جاتی ہیں۔

آج یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ نہ صرف سرسید اسلوبِ نگارش کی اصلاح کا سہرا سرسید کے سر ہے بلکہ جدید طنز نگاری کے موجد بھی یہی حضرت ہیں۔ ان سے پیشتر مزاح نہ صرف فحش ہوا کرتا تھا بلکہ اس میں اخلاقی نقطۂ نظر بالکل نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں اس کا مقصد محض ہنسا ہنسا کر پیٹ میں بل ڈالنا اور تفریحِ طبع کا سامان مہیا کرنا ہوتا تھا۔ سرسید نے اس صنف کو بھی اصلاح و ترقی کیلئے آلۂ کار بنایا۔ خشک واعظانہ پند و نصائح کے بجائے اکثر طنزیہ اور چبھتے ہوئے فقروں سے بھی کام لیا گویا اصلاحات کی کونین کو شکر میں لپیٹ کر دیا۔ اس سلسلہ میں ان کے ان مضامین کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے "امداد الآفاق" اور "شہابِ ثاقب" وغیرہ رسالوں کے متعلق اوائل ۱۸۸۰ء میں تہذیب الاخلاق میں لکھے۔ ان میں انہوں نے حاجی امداد اللہ، مولوی علی بخش خان صاحب پر نہایت لطیف اور تیز لیکن بے ضرر اور مہذب طنز کئے ہیں۔ تحریر کا انداز دوستانہ اور ہمدردانہ ہے مگر وہ اصل مخالفین کی حقیقت کو آشکارا کرتی ہے۔

بر غزل حضرت اقبالؒ

از عشرت محمود اسرائیلی

تشطیر

آتی ہے دمِ صبح صدا عرشِ بریں سے
سرمایۂ کونین ہے انسان تری خاک
تیری نظر و فکر پہ روشن تھے سماوات
کھویا گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک؟

کس طرح ہوا کند ترا نشترِ تحقیق؟
بسمل تھیں کبھی جس کی رگِ سنگ و رگِ تاک
کیوں پردۂ گیتی کو نہیں کرتا دو پارہ
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

تو ظاہر و باطن میں خلافت کا سزاوار
دارائے زمیں خضرِ رہِ منزلِ افلاک
کیا فطرتِ حاکم بھی کبھی ہوتی ہے محکوم
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک

مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں؟
کیوں تیرہ ہے اب تیرا وہ آئینۂ ادراک؟
کیوں دیدۂ بے خوف سے جاتی رہی ہیبت؟
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک؟

اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں
پژمردہ ہے وہ صورتِ اشکِ دلِ غمناک
وہ جوش نہ وہ عزم نہ وہ قوتِ احساس!
نے گرمیِ افکار نہ اندیشۂ بے باک

روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی
اور دیکھتی ہے صرف جہاں کے خس و خاشاک
جس عقل کی قسمت میں نہیں جلوۂ عرفاں
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہِ پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
عشرت نے کہا چاک ترا دلقِ فقیری
پھر عشق کی سوزش سے ذرا روح کو گرما
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

اکبرِ اعظم

(از جناب وی۔ ڈی۔ ساس صاحب)

[illegible] کو ملکہ حمیدہ بانو بیگم کے شکم سے سندھ میں عمر کوٹ اکبر کی ولادت ہوئی۔ درباریوں اور سپہ سالاروں نے حسبِ دستور پیشکش تبریک و تہنیت کے لئے ہمایوں کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ہمایوں کے پاس ان لوگوں کو اس خوشی کے موقع پر کچھ دینے کے لئے نہ تھا۔ اس نے خادم کو حکم دیا کہ مشک کا نافہ جو محل سرائے میں موجود تھا اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے [illegible] حاضر کریں۔ مشک حاضر کی گئی تو [illegible] اس کو درباریوں اور افسروں میں تقسیم کر کے [illegible] لوگوں کو اس وقت یہی تحفہ پیش کر سکتا ہوں [illegible] مجھے یہی توقع ہے کہ [illegible] کی شہرت دنیا کے گوشے گوشے میں اسی طرح پہنچے گی جس طرح اس مشک کی خوشبو یہاں ہر طرف پھیل ہوئی ہے۔ مستقبل نے یہ الفاظ آگے چل کر بالکل صحیح ثابت ہوئے [illegible] محض گو اکبر ایک طاقتور بادشاہ تھا سلطنت مغلیہ کی گود میں پرورش پانے والے علوم و فنون شعر و شاعری [illegible] کی مہک سے دنیا آج بھی معطر ہے اور یہ خوشبو ہمیشہ [illegible]

اشوک و بکرماجیت کا ہم پایہ اکبر

تاریخ شاہد ہے کہ اکبر اعظم کا لقب دے کر اس کو حیاتِ جاوید بخش دی ہے کیونکہ ان داستانوں نے اکبر کی شہرت میں اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ اس طور وہ اشوک، بکرماجیت [illegible] اور [illegible] مشہور و معروف ہندو بادشاہوں کی شان و شوکت کا بادشاہ [illegible] جاتا ہے۔ اکبر نے ابھی عمر کی تیرہ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ اس کے سر کو تاجِ سلطنت نے زینت بخشی۔ وہ بیرم خاں کی سرپرستی اور نگرانی میں حکومت کرنے لگا۔ اس کے ابتدائی عہدِ حکومت کا بڑا حصہ سلطنت کو مستحکم کرنے میں صرف ہوا۔ اس نے اپنی تلوار کو صرف بیرونی حملوں سے بچایا بلکہ اندرونی شورشوں کا بھی سدِ باب کیا۔ اس کی جد و جہد کی بدولت سلطنت کے [illegible] ہو جانے سے اس کی شخصیت و انفرادیت نمایاں ہونے لگی۔

برکاتِ علمی سے متعلق اُمّی

اس کی دماغی و ذہنی برتنوں اور تمدنی کامیابیوں کے پیشِ نظر اس کی علمی [illegible] کا ذکر [illegible] توجہ ہیں۔ اگرچہ وہ قوی حافظہ کا مالک [illegible] عہد الطفولیت سے مشہور [illegible] حاصل تھا اس کا اتالیق [illegible] مامور تھے پھر بھی وہ ناخواندہ ہی رہا۔ اکبر کی زندگی اس امر کی ایک مثال [illegible] راسخ الاعتقاد معصوم والی تعلیم اور دستارِ فضیلت [illegible] شخص علم کی [illegible] روشن دماغی کی برکات [illegible] اور روشن خیالی کا [illegible] جذباتِ انسانی کو وقار بخشتے [illegible] کی بدولت زندہ رہنے کی سزاوار ہوئی [illegible] واقف تھا۔

ہندوستانی قومیت کا سنگِ بنیاد

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ [illegible] ہندوستانی بادشاہ تھا جس نے ہی اعلیٰ [illegible] فہم و فراست اور مذہبی رواداری سے ہندوستانی قومیت کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ اس نے مختلف عقیدہ لوگوں کے [illegible] اشتراک و اتحاد کسی سیاسی مقصد کے تحت [illegible] کیا تھا۔ اس [illegible] مذہبی سختی تعصب کی [illegible] آزاد کیا اور سچائی کی تلاش میں اس نے مختلف مذاہب [illegible] مختلف عقیدوں کی چھان بین بھی کی تھی جس میں وہ ناکام بھی نہیں رہا۔ اکبر کی انتظامی حکمتِ عملی میں مذہبی [illegible] بہت نمایاں تھی۔ وحدتِ ہند [illegible] اس کا ایک بڑا کارنامہ ہے جس کے ذریعہ اس نے ہندوستانی قومیت کے ارتقا کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی کوشش کی تھی۔

شعر و شاعری کی سرپرستی

مساوات، انصاف، آزادیٔ خیال اور طاقت [illegible]

کے عقیدۂ سیاسی کے عملیات بھی کہے جا سکتے ہیں۔ وہ سلطنت کے اعلیٰ افسروں، مشیروں اور مصاحبوں کے انتخاب میں مذکورہ بالا اوصاف کا خاص طور پر لحاظ رکھتا تھا۔ ابوالفضل۔ ٹوڈرمل۔ فیضی بیربل۔ عبدالرحیم (خانخاناں) راجہ مان سنگھ (جو اکبر کے نورتنوں میں شامل تھے) دربارِ اکبری میں دوش بدوش کھڑے نظر آتے تھے وہ نہ صرف انتظامی خدمات ہی رکھتے تھے اور ان میں مذہبی [illegible] تھا۔ اکبر بحیثیتِ فرمانروا اپنے فرائضِ منصبی [illegible] انہماک [illegible] تھا وہ مذہبی مباحث علمی و ادبی مجالس اور فنونِ لطیفہ کی [illegible] میں بھی بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ یوں کہنا چاہئے کہ اس کا دربار مذہبی علما و [illegible] اور مصوروں کا ملجا و ماویٰ تھا [illegible] ادبی و جمالیاتی ذوق اسے ورثہ میں ملا تھا۔ اس نے ایک [illegible] قائم کیا تھا جس میں مختلف زبانوں کی کتابوں کے [illegible] ترجمے کئے تھے۔ ان میں سنسکرت [illegible] کی رامائن مہابھارت [illegible] جیسی کتابوں کے فارسی تراجم بھی تھے۔ اکبر کے مذاقِ سخن کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ابھی وہ بچہ تھا اتالیق میر عبداللطیف کی رہنمائی ہی میں [illegible] غزلیات اور اپنے حافظے [illegible] حافظ شیرازی کا کلام پڑھ پڑھ کر بہت محظوظ ہوتا تھا۔

ابوالفضل علامۂ دہر اور بے نظیر مورخ تھا۔ دربارِ اکبری سینکڑوں شعرائے نامدار کی سرپرستی کرتا تھا۔ فیضی عبدالرحیم بیربل (بیربل [illegible] شاعر، داستان گو اور حاضر جواب درباری) [illegible] کی رامائن کے مصنف تلسی داس بھی اسی زمانے میں تھا اسی طرح سورداس اور میرا داس بھی عہدِ اکبری کی یادگار ہیں۔ عہدِ اکبری شعر و سخن کے فن کی [illegible] اور سرسبزی و شادابی کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی خاص زبان کی سرپرستی اس خیال سے نہیں [illegible] کی جاتی کہ وہ ذریعۂ تعلیم ہو جائے۔ آیا اس کے عہد کے تمام شعراء کو دربار کی سرپرستی حاصل تھی یہ مسئلہ زیرِ بحث نہیں، مگر یہ بات [illegible] کہ شعراء کو جو آزادیٔ خیال حاصل تھی وہ شعر و شاعری کی ترقی میں بے حد معاون ثابت ہوئی۔

قومی آرٹ

سلطنتِ مغلیہ کی عظمت و شان بڑی حد تک اس کے اعلیٰ آرٹ کی بنا پر ہے۔ اکبر کو آرٹ کی سرپرستی کا خاص خیال رہتا تھا۔ آرٹ پر وہ علمی طور سے گفتگو کرتا۔ [illegible] مصوری کی سرپرستی محض ذوق و تفریح کیلئے نہیں کرتا تھا بلکہ وہ اسے زندگی کی ایک اہم ضرورت قرار دیتا تھا۔ [illegible] طالب علم لکھنے پڑھنے کی بجائے وہ ڈرائنگ کی مشق کرتا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے آرٹ سے فطری لگاؤ تھا۔ حسن و خوبی کا [illegible] ہوتے اور آرٹسٹوں کے تخلیقی نمونے کو ترتیب دینے کے [illegible] کی بنا پر اکبر اس آرٹ کی اس تحریک کا علمبردار تھا جس نے سلطنتِ مغلیہ کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ اس کے اس اقدام کو ہندوستان میں تاریخِ آرٹ کا نشانِ راہ کہنا چاہئے۔ ٹوڈرمل نے ہندوستان کے [illegible] باشندگانِ ہند کو متحد کرنے کی کوشش کی تھی [illegible] مقصد کو اکبر نے آرٹ کے [illegible] کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

فنونِ لطیفہ بالخصوص موسیقی۔ مصوری اور فنِ تعمیر نے عہدِ اکبری میں [illegible] نمایاں قومی رنگ اختیار کیا۔ اکبر ہندوستان سے [illegible] نہیں رکھتا تھا۔ اور نہ وہ کسی غیر ملکی تمدن کو ہندوستان پر مسلط کرنا چاہتا تھا۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ ملکی وسائل اور [illegible] روایاتِ ملکی کو تقویت پہنچا کر اپنی سلطنت کے [illegible] کیا جائے۔ وہ ہندوستانی جاگیرداروں [illegible] تھا [illegible] صناعی میں ایک تازہ روح پھونک دی تھی اور اس کو ہندوستان کی [illegible] چیز بنا دیا تھا۔ اکبر نے جس درجہ آرٹ کی سرپرستی کی وہ ایک متمدن یافتہ سلطنت کے فرمانروا کی شان کے شایان تھی۔

اعلیٰ معیارِ موسیقی

اکبر کو فنِ موسیقی کا سطحی ذوق نہ تھا اور نہ اس نے اس فن کو [illegible] حیثیت دے رکھی تھی۔ وہ محض اپنے درباریوں اور سیاحوں کی تفریحِ طبع کے لئے نہ تھی۔ بلکہ وہ بچپن سے اس کا عاشق تھا۔ اور اس سے متعلق مصطلحات کا گہرا علم رکھتا تھا اسی کی بدولت [illegible] اعلیٰ معیار مقرر کر رکھے تھے۔ اپنے عہد کے مشہور ماہرِ موسیقی [illegible] اکبر نے ایران سے راجہ رام چند کی وساطت سے اپنے دربار میں [illegible] راجہ مان سنگھ کے قائم کئے ہوئے مدرسۂ موسیقی میں تعلیم پائی تھی۔ تان سین اپنے فن کو چھوڑ چکا تھا مگر اکبر کے حکم [illegible] سے اسے از سر نو یہ فن اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ [illegible] راجہ بھی دربارِ اکبری کا ایک [illegible] ماہرِ موسیقی [illegible] کی تحریک کیلئے [illegible] ہندو [illegible] مسلمان [illegible] کے ساتھ اس کے کمالِ فن کا [illegible]

[illegible] کے دربار کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ ان [illegible] مستثنیٰ بھی مگر ہندوستانی موسیقی نے ترقی یافتہ [illegible] میں اپنا رنگ سب سے جدا رکھتا تھا۔ عہدِ اکبری کے [illegible] گروہوں میں منقسم تھے۔ ہر ٹکڑی باری باری ہر ہفتے دربار میں حاضر ہو کر گاتی تھی۔ ان ماہرینِ موسیقی میں سے بعض شعراء اور تصنیف گروں کے مصنف بھی تھے۔ تان سین ان سب میں بڑھا چڑھا ہوا تھا۔

فنِ مصوری کی ترقی

عہدِ مغلیہ کے فنِ مصوری کا آغاز شہنشاہ اکبر ہی کے سر ہے۔ عبد الصمد جو اعلیٰ مصور اور خوشنویس تھے۔ وہ ہمایوں کے ہمراہ ایران سے آئے تھے۔ مصوری اور نقش کشی کی تعلیم اکبر نے انہی سے پائی تھی۔ [illegible] بھی ایک مصور اور نقاش تھے جو ہمایوں کے ہمراہ ایران سے آئے تھے۔ ان دونوں باکمالوں کو اکبر نے اپنے دربار میں رکھا۔ ان کے علاوہ چند ایک اور بھی غیر ہندوستانی مصور و خوشنویس اکبر کی ملازمت میں رہتے تھے۔ لیکن دربارِ اکبری کے اکثر چیدہ آرٹسٹ ہندوستانی نژاد ہی تھے۔

شہنشاہ مغلوں کے عہد سے سترہ آرٹسٹ اپنے دور میں بہت [illegible] تھے۔ ان میں سے بعض کا ذکر ابو الفضل نے آئینِ اکبری میں بھی کیا ہے۔ اکبر نے ان کو اچھی طرح کمال پر پہنچنے کے پورے مواقع فراہم کئے اور اپنی ذہانت و ذکاوت کے مظاہروں کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی آرٹسٹوں نے ایرانی ماہرینِ موسیقی سے غلط متاثر رہنے کے باوجود اپنی روایات کو قائم رکھا۔ ایرانی عنصر کو روکے رکھے اور کبھی کبھی اس میں اضافہ کرنے کی غرض سے ہندوستان کے آرٹسٹوں کو ایرانی ماہرانِ فن کا شاگرد بنانا مقصود تھا۔ اس فن کی ترقی و کمال پیشِ نظر تھا۔ چنانچہ یہ مقصد پورا ہوا اور ایرانی اور ہندوستانی ماہرینِ موسیقی نے اشتراکِ عمل کر کے اور ایک مصوری کے فنی کمالات سے مستفیض ہو کر مغلیہ فنِ مصوری کی بنیادیں رکھیں۔

ایرانی آرٹ کے اثرات جو عہدِ مغلیہ کی ابتدا میں ظاہر ہوئے۔ ہندوستان میں فنِ مصوری کی ترقی میں ختم ہو کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس فن کے جو کام ظہور میں آئے وہ نمایاں طور پر ہندوستانی طرز کے ہیں۔

اکبر کے عہد میں کتابیں بھی تصاویر کثرت سے دی جانے لگیں اور تیموریہ خاندان کی مصور کتابیں زیادہ لکھی جانے لگیں مگر بعد میں اور مزید بات دوسری کی چیزوں پر آرٹسٹوں کی توجہ منعطف ہو گئی۔ وہ شکار گاہوں، شاہی جلوسوں اور خاص خاص ملاقاتوں کے مناظر کھینچنے لگے۔ فنِ تصویر کشی میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ جس کسی کی تصویر کھینچی جائے تصویر میں اس کی سیرت اور دلی جذبات گویا اس کے چہرے پر ظاہری پر اثر طور پر ظاہر کئے جاتے۔

آرٹسٹوں کے لئے دربارِ شاہی کی طرف سے ایک وسیع سٹوڈیو مہیا کیا گیا تھا۔ اس سٹوڈیو میں کام کرنے والوں کے کام کا شہنشاہ [illegible] معائنہ کرتا تھا اور جن آرٹسٹوں کا کام معیاری سمجھا جاتا تھا ان کو انعام و اکرام سے مالامال کیا جاتا۔ اگرچہ جلوسوں کو لئے ساتھ کی تصاویر بہت پسند تھیں مگر دیواروں پر عشق و نگار اور تصویر کشی کی جو ہندوستانی روایات ہیں مثال تھیں مفقود نہیں ہوئیں۔ مگر اس طرز کی مصوری کے حسبِ ذیل کا بھی اعتراف تھا دراصل فتح پور سیکری اور لاہور کے محلاتِ شاہی میں ہندوستانی طرزِ مصوری کا کام کیا گیا تھا۔ تصویر کشی کے علاوہ دوسرے ستائشی ہنر کے دوسرے فنون مثلاً خطاطی، زرکتابت وغیرہ کو بھی شاہانِ مغلیہ کی سرپرستی حاصل تھی۔

قلبِ سکہ و فنِ تعمیر

اکبر کے عہد کی ایک خاص خصوصیت فنِ تعمیر کی ترقی بھی۔ اکبر نے فنِ تعمیر کے خاص معیار مقرر کر دیئے تھے اور محلات، دمائر، مدارس، مساجد، مقابر وغیرہ پر بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ فتح پور سیکری کی حسین و جمیل عمارات فنِ تعمیر میں اکبر کے ذوقِ سلیم اور اولوالعزمی کی شاہد ہیں۔ جس طرح کہ ماہرینِ موسیقی اور مصوروں کے انتخاب میں اکبر کے عقیدہ و مذہب سے کوئی سروکار نہ رکھتا تھا اسی طرح معماروں کا انتخاب بھی بے لاگ کرتا تھا۔ اس نے ملک کے گوشے گوشے سے مشہور مشہور معمار جمع کئے تھے اور مختلف عمارتوں کی تعمیر کا کام ان کی سپرد کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ مغلیہ کی موجودہ یادگاروں میں سے بعض کے نمایاں طور پر ہندوستانی طرز کے ہونے سے واضح ہوتا ہے۔

سکہ سازی

اکبر کے عہد کے سکے اپنی خوبصورتی اور چمک دمک میں نمایاں خصوصیت رکھتے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ اکبر نے سکہ سازی کو قابلِ

درجہ دے رکھا تھا۔ اگرچہ ماہرین سکہ سازی تلبِ سکہ کے مقررہ و منظور شدہ طریقوں سے بدرجہ اتم واقف تھے۔ پھر بھی شہنشاہ نے سکہ سازی کو آرٹ کے ایک اعلیٰ پایہ کی غرض سے مشہور دوراں مصور خواجہ عبدالصمد کو ٹکسال کا انچارج بنایا تھا

اکبر نے اسلامی و ہندوستانی تمدنوں کی آمیزش سے حسن ... کی داغ بیل ڈالی اور جو عمارت تعمیر کی، آرٹ کو اس کا پیشرو بنایا تھا۔ اس نے ماسبق کا ملک ... اوراد و روایات سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان کا نگہبان تھا۔ وہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا تھا۔ اس نے ان میں ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کا جذبہ پیدا کیا تھا۔ علاوہ بریں اس نے ان کو آرٹ کے پلیٹ فارم پر ایک جگہ کھڑا کر دیا۔ اکبر نے ہندوستانی آرٹ کو ... دونوں قوموں کا مشترکہ ورثہ بالفاظ دیگر اس نے ہندوستانی آرٹ کو دونوں کے اتحاد کے لئے نشانِ راہ بنا دیا۔

متاعِ کلیم

اُٹھی تو ہے گھنگھور گھٹا آج اُدھر سے
ممکن ہے مری کشتِ تمنا پہ بھی برسے

ہیں ساری علامات عیاں راہگذر سے
گذرا ہے کوئی قافلہ شائد کہ اِدھر سے

دشوار اگر راہ محبت ہے تو کیا غم
لپٹی ہوئی منزل ہے مرے عزمِ سفر سے

کیوں میری طرف سارا جہاں دیکھ رہا ہے
کوئی یہ تو بتا دو کہ میں آیا ہوں کدھر سے

ہیں کتنے فسانے کہ ہیں خاموش ابھی تک
اور کتنے مقامات کہ اوجھل ہیں نظر سے

کچھ کھیل نہیں نخلِ محبت کی نگہداشت
ہم برسوں اسے سینچتے ہیں خونِ جگر سے

دیکھو نگا پلٹ کر نہ کبھی بزمِ جہاں کو
چھوٹا جو اگر سلسلۂ شام و سحر سے

فوراً ہی نشیمن کا خیال آتا ہے دل میں
آتی ہیں ہوائیں جو کبھی گرم اُدھر سے

دنیا سے نہ پوچھے کوئی دنیا کی حقیقت
یہ راز ہے پوشیدہ ابھی اس کی نظر سے

اس خفتہ مقدر کا کوئی حال نہ پوچھو
محروم رہے جس کی دعا رنگِ اثر سے

انگڑائیاں لیتے ہوئے آئے ہیں لبِ بام
شائد ہے تقابل کی ٹھنی آج قمر سے

برپا ہوئی دنیائے تمنا میں قیامت
دیکھا جو کسی نے مجھے اندازِ دگر سے

آئینِ ادب جس کو گوارا نہیں پرواز
بچ کر ہی وہ رہتا ہے ذرا میری نظر سے

قدیم اُردو لٹریچر

(۱)

رسالہ حسن

[ذیل میں ہم اُردو کے قدیم رسائل و اخبارات کے متعلق ایک سلسلۂ مضامین شروع کرتے ہیں جن کے ذریعے ہمیں قدیم رسائل کے رنگ و صفات، طور طریق اور پالیسی کا علم ہوگا۔ وہ دیکھیں گے کہ [illegible] ملک کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس کی ایک جھلک دیکھ کر ہم اپنے موجودہ دور کی ترقی کا اندازہ کر سکیں گے۔ [illegible] ریکارڈ میں آکر محقق حضرات کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔ توقع ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے ناظرین بھی تعاون سے کام لیں گے۔ ادارہ]

رسالہ حسن کا ایک پرچہ ہماری نظر سے گذرا ہے [illegible] جلد [illegible] بابت [illegible] ۱۹۰۲ء کی تاریخ ثبت ہے رسالہ حسن کا یہ [illegible] مطبع حسن [illegible] حیدرآباد دکن سے طبع ہوا تھا

رسالہ کا سائز ۲۲×۱۸ ہے۔ کل ۴۰ صفحات ہیں [illegible] مضامین کی فہرست ٹائٹل پر ہے۔

(۱) ہندوستان میں قیصری انتظام (۲) ریلوے کی دخانی گاڑی [illegible] (۳) اخبار کی [illegible] کے حالات

اس پرچہ میں کل ۳ مضامین ہیں۔ ہندوستان میں قیصری انتظام کی بحث میں [illegible] ۱۸۵۸ء کے ایکٹ کو جس کے رو سے ہندوستان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ماتحتی سے منتقل کر کے [illegible] بتایا گیا ہے۔ اس کی تشریح و توضیح کی گئی ہے کونسل ہائی کورٹ مجلس عاملہ وغیرہ سب کا ذکر ہے اس دور میں ہندوستان کو ۹ صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا

ریلوے کی دخانی گاڑی والے مضمون میں دخانی گاڑی کی ابتدا اور ترقی [illegible] پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ [illegible] کے حالات والے مضمون میں گردش زمین ماہ و سال اور چاند کے گھٹنے بڑھنے [illegible] کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس مضمون پر ایک اشتہاری انعام بھی دیا گیا تھا۔ ایک مضمون اخبار کی کیفیت کے متعلق ہے جس میں اخبار کی ابتدا اور [illegible] اخبارات کی حالت پر بحث کی گئی ہے اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں پہلا انگریزی اخبار [illegible] میں شائع ہوا تھا۔ اور اردو کا پہلا اخبار ۱۸۲۲ء میں سیرام پور کے مشنریوں نے نکالا تھا

اس مضمون میں ہندوستان کی اخبار نویسی پر بھی [illegible] ملاحظہ ہوں چند سطور۔

یہاں کے اخباروں میں [illegible] مقدور نہیں ہے کہ [illegible] مضمون لکھا ہیں۔ [illegible] ان کے کارسپانڈنٹ بھی ایسے ہی کم عقل اور کم علم ہوتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے [illegible] کاغذ کو [illegible] سیاہ کیا۔ ڈاک [illegible] میں بیرنگ روانہ کیا۔ اس کے عوض میں اخبار آگیا ان خطوط کے مضامین اکثر یہ ہوتے ہیں کہ [illegible] معمولی خبریں کچھ اپنے ذاتی معاملات۔ کچھ اپنے دوستوں کی تعریف دشمنوں کی مذمت۔ کچھ بیجا اعتراضات۔ ایڈیٹر اکثر مفلس ہوتے ہیں [illegible] اخبار کے مالک ہوتے ہیں یا کسی مالک مطبع کے پندرہ بیس اور زیادہ سے زیادہ تیس چالیس روپے کے نوکر ہوتے ہیں۔ انگریزی پڑھے ہوئے تو ترجمہ کرنے لگے۔ فارسی پڑھے ہوئے تو کچھ نظم و نثر کے مضامین لکھنے لگے۔ جو ایڈیٹر خود مالک مطبع ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہے [illegible] رئیسوں کے پاس اخبار بے طلب بھیجتے ہیں کہ کوئی رئیس آنکھوں کا اندھا گانٹھ کا پورا مل گیا اور اس کو یہ شوق ہوا کہ میں اپنی ستائش و مدح کو اخبار کے ذریعے تمام ملک میں پھیلاؤں اور اپنے کاموں کی تعریف کراؤں۔ گو وہ ان سے سال بھر میں ایسا سلوک کر دیتا ہے کہ ان کے کنبے کی روٹیاں چل جاتی ہیں اگر کوئی [illegible] آمد سے اپنے اخباروں کی قیمت وصول ہو جاتی ہے کام چلا جاتا ہے۔ ردی کا ٹکڑا ڈال جاتا ہے۔ [illegible] کے یہاں [illegible]

مسدس شیبی اور سوم میں بھی یہی بیں مشکر ایڈیٹر صاحب جا موجود ہوتے ہیں۔ اگر طبیعت موزوں ہے تو قصیدہ تہنیت یا تاریخ یا کوئی قطعہ کہہ کر بیٹھے ہیں۔ جہاں بہادروں سراہیوں اور اس قسم کے اور آدمیوں کو کچھ ملتا ہے اسی طرح ان کو بھی مل جاتا ہے۔ بعض ایڈیٹر وہنگ ہو سکتے تو تہبدوں کی طرح انہوں سے کچھ لے لیا

بعض ضلعے ایسے ہیں کہ ان میں کوئی ایڈیٹر اخبار ایسا نہیں ہے جس نے اخبار نکالنے سے پہلے یا پیچھے جیل خانہ نہ دیکھا ہو۔ ان کی مدبیتی انہیں قید میں بھی سالی ہے۔ مدبہد ہی ان پر آفت لاتی ہے۔ مگر بعض اخبار مستثنیٰ بھی ہیں۔ ان میں [illegible] خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ جو مہذب ملکوں کے درجے کے اخباروں میں ہوتی ہیں"

آخر میں دو صفحات اشتہارات کے ہیں جن میں مکارم الاخلاق۔ تہذیب الاخلاق مبادی الانشا اور عطریات کا اشتہار درج ہے رسالہ پر ایڈیٹر کا نام درج نہیں مگر قرائن سے حسن ہی معلوم ہوتا ہے۔

لمعاتِ سراج

مجھے اب ہوائے چمن نہیں کہ قفس میں گو نہ قرار ہے
یہ تو پچھلے سال جو آئی تھی وہی چار دن کی بہار ہے

ہیں جگر میں داغ لہو ہے دل ہیں نزار آنکھیں سینہ فگار ہے
یہی رنگ و بو یہی فصلِ گل یہی بے کسوں کی بہار ہے

کوئی حسبِ حال خطاب ہو مرے دل کو دل نہ کہا کرو
اسے کیوں بہار کا نام دو جو [illegible] نصیب بہار ہے

جو گلوں سے چہرہ بدل لیا جو گلوں نے مانگ میں بھر لیا
وہ گھڑی بھی آئیگی دیکھنا یہی رنگِ خونِ بہار ہے

فقط ایک خاک کا ڈھیر ہے یہ بغور دیکھ رہے ہو کیا
سرِ لوح لکھا ہوا ہے کچھ جلوہ بھی کسی کا مزار ہے

جو ترے پسینہ کی بو نہ دے تو کچھ اور ہے گلِ تر نہیں
جو تڑپ نہ دے ترے حسن کی تو بہار ننگِ بہار ہے

یہ مقامِ عشق ہے کونسا یہ ہیں کیسی صبر کی منزلیں
نہ تڑپ ہے دل میں نہ درد ہے نہ سکون ہے نہ قرار ہے

ہیں پیامِ آمدِ شامِ غم رخِ آفتاب کی زردیاں
یہ تمام دن تو کچھ اور تھا مگر اب چراغِ مزار ہے

یہ صدا تو ہے وہی دکھ بھری مرے کان جس سے ہیں آشنا
ذرا چپ رہو مجھے سننے دو یہ مرے دل کی پکار ہے

ترے ولکی بھی نہ کلی کھلے ترے ہاتھ تو نہیں خدا کرے
جسے توڑ لیتا ہے باغباں یہی پھول جانِ بہار ہے

یہ عجب مسرتِ عشق ہے بہیں اشک اور ٹپک پڑیں
یہ سراج میر النصیب ہے کہ خوشی بھی غم بہ کنار ہے

افسانہ

دل کی قیمت

(جناب محمد یحییٰ صاحب [illegible])

"یہ دل —" بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا

"بیچتے ہو؟" وہ مسکرا کر بولی

"خریدو گی؟"

"ہاں"

وہ [illegible] بہت دیر تک ٹکٹکی لگائے اس کے [illegible] کو دیکھتا رہا۔ [illegible] وہ آنکھوں میں [illegible] کرتے ہوئے بولی

"تمہیں مجھ سے محبت کیوں ہے؟" یکایک وہ اس سوال سے گھبرا سا گیا۔ سوچنے لگا کیوں نہ یہ دل رکھے تمہاری آنکھیں [illegible] ہیں۔ گہری نیلی آنکھیں، کبھی [illegible] ہیں مگر کبھی [illegible] تعریف کر چکا ہوں۔ [illegible] رہی تھی جیسے اس کی [illegible] ادھر ادھر نگاہ دوڑا [illegible] ہوتے ہوئے پوچھا "کیا جواب دوں؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی [illegible]

"تمہاری دولت کی وجہ سے"

وہ ٹھٹک کر بولی "جھوٹ"

"جھوٹ سہی" وہ عاشقانہ انداز سے بولا

اسی روز وہ جا رہا تھا کسی لمبے سفر پر بہت دور [illegible] اس سے پوچھا

"کب آؤ گے لوٹ کر؟"

وہ بولا "کوئی مہینے دو مہینے"

"مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے"

"ہرگز نہیں"

"[illegible]"

"بالکل" اس کا مختصر جواب تھا۔ ایک تھیلی اس کے ہاتھوں پر آ پڑی چھن کی آواز کے ساتھ — وہ ہنس کر بولی

"معاوضہ تو شوق سے قبول فرمائیے"

وہ ہنس کر بولا "شکریہ"

وہ گویا [illegible] اس کی دولت سے محبت تھی جس کا [illegible] گناہ مسکراتا ہوا چلا گیا اور وہ گھڑی کا [illegible] انتظار [illegible] کر کہنے لگا [illegible] اس کی زبان سے صرف دو لفظ [illegible] محبت کے دونوں [illegible] دل کتنے قیمتی ہوتے [illegible] کی قیمت خرید جاتی تھی [illegible] جاتے ہوئے [illegible] اس کی [illegible] بھی اور جھیل پر [illegible] اس کی [illegible] بیتابی [illegible] آنکھیں جھک گئی تھیں اور [illegible] آنکھوں سے [illegible] ہوئے سوچ رہی تھی [illegible] کھیل رہی تھی۔ جو چیز [illegible] کس قدر قیمتی تھی [illegible] اعتبار [illegible] جیسے اس کی محبت کے موتی ٹوٹے ہوئے [illegible]

وہ [illegible] سیر و سیاحت میں مشغول تھا [illegible] جب اس نے [illegible] محسوس [illegible] اس کا دل ڈوب رہا ہے [illegible] سورج کی طرح جو صبح طلوع ہوتا ہے اور شام کو کہیں [illegible] صبح [illegible] میں پھیرتا ہوا طلوع [illegible] شان و شوکت کے ساتھ وہ [illegible] ہوئے بولا "ابھی مجھے سو لینے دو" [illegible] دیکھا ہی کیا ہے سوچتے ہوئے وسیع پروگرام [illegible] ضرور جاؤں گا وہاں بھی وہ شہر [illegible] خوبصورت ہوگا" وہ [illegible] اسی طرح پروگرام مرتب کرتا ہوا چل پڑتا۔

ایک روز اس کی ملاقات ایک حسین لڑکی سے ہوئی [illegible] نیلی آنکھیں [illegible] سے بولا

"مجھے وہ یاد آ گئی ہے تمہیں دیکھ کر تمہاری صورت اس سے بہت ملتی جلتی ہے"

لڑکی بے باکی سے بولی "تو مجھے خود پر رشک کرنا چاہئے"
وہ لاجواب ہو کر بولا "اچھا آتا ہے تمہیں؟"
"دیکھو گے؟"

"ہاں" وہ شوخی سے بولا
یکایک اُس کی آنکھوں کے آگے ایک بجلی کوند گئی، وہ پھولوں کے بل اس طرح تھرک رہی تھی جیسے عالمِ خواب میں کوئی سہانا سپنا تھا۔ اس کی کمر میں لچک تھی، ہاتھوں میں [illegible] تھیں، وہ مبہوت ہو کر اسے دیکھ رہا تھا آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں۔ جب وہ تھک کر بیٹھ گئی وہ چونک کر بولا۔

"ایسا ناچ میں نے آج تک نہیں دیکھا"
وہ ہچکچا کر بولی۔ "ناچنے میں کئی انعامات حاصل کر چکی ہوں"
"اوہ! میں تو بھول ہی گیا تھا" جیسے پھر چونک پڑا تھا، اشرفیاں لڑکی کے ہاتھوں پر گرنے لگیں۔ وہ حیران تھا کہ کس قدر خوش نظر آ رہی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نیلی آنکھوں اور سرخ ہونٹوں کو، شاید وہ اس سے کہے گی، وہ اس کی زبان سے کچھ سننے کے لئے بے چین تھا۔ مگر وہ چلی گئی۔ بغیر کچھ کہے۔ وہ ہوٹل کی بالکونی پر جھک کر اسے دیکھ رہا تھا جاتے ہوئے۔ موٹر کا ایک سیاہ نشان سڑکوں پر بل کھاتا ہوا گم ہو گیا۔ اسے پیچھے چھوڑ کر!

[illegible] تاریخ ——— وہ سوچ رہا تھا کہ مجھے آج کے دن وطن پہنچ جانا چاہئے تھا مگر [illegible] ساحل [illegible] دماغ میں آتے ہی [illegible] گیا [illegible] کو دیکھ کر بولا "تم بہت تھوڑی رہ گئی ہے" ایک [illegible] کے بعد اس کی آنکھیں چمک اٹھیں جیسے اس کے ارادوں نے استقامت پکڑ لی تھی سوچتے ہوئے لکھنے کی میز پر جھک گیا [illegible] کا قلم برابر چل رہا تھا وہ اس کے نام خط لکھ رہا تھا۔

اور آج وہ لمبی مسافت طے کر کے گھر کی [illegible] پر آ چکی تھی۔ سڑک پر معمولی سرسراہٹ بھی [illegible] چونکا دیتی۔ دھڑکتا ہوا دل کہتا وہ آ گئے۔ آج اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ بار بار اپنے ہاتھوں کو دیکھتی جس میں ایک خوبصورت [illegible] ہوئی تھی۔ وہ کتنا خوش ہو گا۔ ہمیں دیکھ کر وفورِ مسرت سے اس کا دل [illegible] کانپ رہا تھا۔

وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لفافہ بند کر کے بولا۔ "خط پا کر [illegible] آ جائیگا کہ میں اُسے بھولا نہیں ہوں" وہ ہنس پڑا اپنی آپ [illegible] غیر معمولی خوشی کے تصور سے!

وہ اس تصور ہی سے کانپ اٹھی "نہیں ایسا نہیں [illegible]" بولی
گھڑی کی سوئیاں اسے تیزی سے بھاگتی ہوئی نظر آ رہی تھیں [illegible] دن ابھی سے کیوں چھپ رہا ہے، وہ شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی ہر لحظہ سانس گھٹتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے دل کی دھڑکن ابھی رک جائے گی وہ چکرا کر بستر پر گر پڑی —!
وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا، گھڑی کو دیکھ کر بولا۔ "تار اب آ گیا ہو گا۔ روپے اب ملنے ہی والے ہیں"
اس کا گمان غلط نہ تھا۔ دوپہر کو ایک بڑی رقم مل گئی۔ اس نے روپے بھیج دیا تھا، اور وہ دوسرے شہر کو روانہ ہو گیا۔

دن گذر رہے تھے، ان کے ساتھ ہفتے اور مہینے اور پھر سال۔ وہ برابر اس کے پاس بھیج رہا تھا اور وہ اپنے مشاغل کی تکمیل میں منہمک، کسی کے خطوط آتے وہ دیکھتا اور ڈال دیتا۔ پورے خط میں اگر کوئی تحریر اسے پسند تھی وہ الفاظ تھے جس میں روپے بھیجنے کا وعدہ ہوتا تھا۔ اس کی صحت گر رہی تھی۔ کوئی روگ اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ ان باتوں کی اسے مطلق پروا نہ تھی۔ اس قسم کی تحریر تو وہ عورت کی سب سے بڑی کمزوری پر محمول کرتا، وہ بھول گیا کہ اس کی معمولی تحریر پر وہ ہر مرتبہ ایک بڑی رقم بھیج دیتی ہے شاید اس کا دماغ اس تہہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس جذبے کو نہیں بھانپ سکتا تھا جو عورت کے نازک دل میں ہر وقت سلگتا رہتا ہے۔
وہ ہر خط میں اس سے درخواست کرتی کہ لوٹ آؤ، جلد ہی چلے آؤ اب اس میں مزید انتظار کی طاقت نہیں ہے۔ وہی معمول کا قہقہہ اس کا جواب تھا، مردوں کے قہقہے بعض اوقات کتنے مہیب بن جاتے ہیں جس میں عورت کی زندگی جل کر راکھ ہو جاتی ہے وہ بھول ہی گئے تھے اس نے ایک خوبصورت لڑکی سے شادی بھی کر لی۔ یہ بھی کس قدر سنگ دل ہوتے ہیں!
یکایک جنگ کے بادل امنڈ آئے۔ اسے اطلاع ملی کہ وہ واپس آ رہا ہے پورے بیس سال بعد! بیمار آنکھیں جھپک رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں طاقت کی عود کر آئی ہے سہارا لے کر بولی۔
"سارے گھر کو دلہن کی طرح آراستہ کر دو"
تعمیل میں کنیزوں نے [illegible]
[illegible] ڈالی۔ [illegible]

... پہلی سی تھی جو وہ صورت، شکل نہ رنگ روپ نیلی آنکھیں سیاہ پڑ گئی تھیں، بالوں پر سپیدی جھلک رہی تھی ہر ایک لمحے پر نظر آ رہا تھا وہ بے ساختہ ہنس پڑی

مجھے وہ پہچان سکے گا، میری آنکھیں، بال ۔۔۔ وہ مجھ سے نفرت تو نہیں کرے گا، وہ حسن کا رسیا ہے جوانی کا دلدادہ ہے وقت گزرتا ہے، شاید مرد کی یہی فطرت ہے۔ اس طرح سوچنے سے دل ڈوبتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ پلنگ پر اس طرح گر پڑی جیسے کوئی مرجھایا ہوا پھول ہوا کے معمولی جھونکے سے گر پڑتا ہے۔ وہ بہت دیر بے حس و حرکت پڑی رہی، گم سم،

جب اس کی آنکھ کھلی۔ مکان کا کونا کونا روشنی میں بسا ہوا تھا ہر چیز قرینے سے سج رہی تھی گھنٹے کی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا گاڑی آ گئی ہوگی وہ اب آنے ہی والا ہے، مجھے استقبال کی تیاری کرنی چاہئے" وہ اٹھی اور کھڑکی پر رک گئی جیسے اس کے پاؤں شل ہو گئے تھے۔

موٹر کے ہارن کی آواز اس کے کان میں پڑی اس نے جالی سے جھانک کر دیکھا وہ مسکراتا ہوا کسی کا ہاتھ تھامے موٹر سے باہر نکلا۔ سنہری بال، نیلی آنکھیں۔ ہو بہو اس کی جوانی کی تصویر

وہ کس قدر خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ، وہ سہم کر ہٹ گئی اور جب وہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر کمرے میں آیا کنیز ہاتھ باندھے کھڑی تھی اسے گھوما تو دیکھ کر جیسے بھونچکا سا رہ گیا تھا۔ تعجب سے ایک دوسری کا منہ دیکھنے لگیں۔

"مکان بہت خوبصورت ہے" وہ نیلی آنکھوں میں شرارت پیدا کرتے ہوئے بولی

وہ ایک کمرے سے دوسرے میں اور تیسرے میں آیا ہر ایک کا مدد کا ٹکڑا اڑ رہا تھا دوسری سے پڑ رہا تھا

"میری ساری جائداد ... کے نام وقف ہے میں جا رہی ہوں" اس کی تحریر ایک ہی کاغذ پر چند حرف لکھے تھے شاید وہ سوچ رہا تھا وہ کہاں چلی گئی اور کیوں چلی گئی ہوا کے جھونکوں سے کسی کے اڑے اڑے بال بکھر رہے تھے، آنکھیں ... اور وہ سوچتے ہوئے چونک پڑا جیسے کہتا ہو

"... دل،
... ہو گئے؟
... کی،
ہاں"

وہ ہنس پڑا اب تنہا آپ،

غزل

وہ بہارِ حسن کیا دکھلا گئے
دل کی دنیا پر قیامت ڈھا گئے

ہم نے پالی زندگی زیرِ زمیں
پاؤں سے مرقد جو وہ ٹھکرا گئے

کیا دلِ بیتاب کو تسکین دی
آئے دم بھر کے لئے تڑپا گئے

اللہ اللہ حسن کی رعنائیاں
اک نظر میں سینکڑوں غش کھا گئے

کیا گئے دنیا سے ہم سوئے عدم
راز گویا زندگی کا پا گئے

خیر توبہ کی نہیں دیکھی شفیق
میکدے پر گھر کے بادل چھا گئے

محمد شفیق قریشی

آئینِ فطرت سے ہمارا اختلاف

(از حکیم سید عزیز علی صاحب ثابت بخاری)

(۲)

اس آیت کی تفسیر کو غلط پیرایہ میں بیان کر کے آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ نے کسی کا اجر ضائع نہیں کیا اور نیکی کی سزا دے گا چاہے وہ شخص کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر وہ چوری زنا اور شراب سے اجتناب کرتا اور خیرات وغیرہ جیسے نیک کام کرتا ہے تو وہ مومن و مسلم ہے اور فلاح و نجات کا مستحق ہے۔ اور اگر کوئی مومن و مسلم ہو کر چوری زنا کرتا ہے تو وہ جہنم کی ہوا کھائیگا۔ اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہندو جو بتوں کی پوجا کرتا ہے غیر اللہ کو مؤثر حقیقی سمجھتا ہے لیکن چوری یا جھوٹ وغیرہ جرائم سے بچتا ہے۔ دان بھی بہت کرتا ہے غرباء کی امداد سے حتی الامکان دریغ نہیں کرتا۔ پیاسوں کو پانی پلاتا ہے تو کیا وہ مومن کہلائیگا؟ کیا اس کی نجات کی توقع ہو سکتی ہے؟

نجات کے لئے ایمان اور اجتناب عن الشرک ضروری ہے۔ صرف نیک اعمال سے نجات و فلاح کا حصول ضروری نہیں۔ اگر ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی ہوں تو وہ نورٌ علیٰ نور ہیں۔ نیک عمل ایمان کے لئے تتمیم و تکمیل کا فائدہ دیتے ہیں۔ ورنہ انفرادی حیثیت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ وہ مستقلاً نجات و فلاح کا موجب ہو سکتے ہیں۔ آج سے قریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل مشرکین عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا جس کا آپ نہایت جرأت کے ساتھ اظہار فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی تردید یوں قرآن کریم میں فرمائی ہے۔

ترجمہ: "کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر جیسے کاموں کی وجہ سے ان لوگوں کی طرح ہو گئے ہو، جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ تو ظالموں کو نجات کی راہیں نہیں دکھائے گا"

یعنی مشرکین عرب کہا کرتے تھے کہ ہم حاجیوں کو پانی پلاتے مسجد حرام کی تعمیر جیسے نیک کام کرتے ہیں پھر مومنین کو ہم پر کیسے فوقیت مل سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی صاف تردید فرمائی اور کہا کہ یہ مشرکین مومنوں سے برابری ہرگز نہیں کر سکتے۔ مومنوں کا درجہ اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے۔ مشرک کو کوئی فلاح و نجات کا رستہ نہیں مل سکتا۔ ایسے مشرکین اور دین حقہ سے برگشتہ ہونے والوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں حبط فرماتے ہیں۔ لیکن آپ کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعمال کو خواہ وہ ہندو ہو سکھ عیسائی ہو یا یہودی مجوسی ہو یا بدھ ضائع نہیں کرتا۔ صحیح ہو گا۔ مگر آپ حق و انصاف سے چشم پوشی کرتے ہوئے لفظ منکم کو اس آیت کے ترجمہ سے حذف کر گئے۔ دیکھئے ہم آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں

ترجمہ۔ "میں اللہ کسی عمل کرنے والے کا عمل تم میں سے یعنی مسلمانوں میں سے ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت"

لیکن آپ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس آیہ کو مومن و کافر پر تھوپ دیا۔ ڈاکٹر صاحب انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ اور ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کے اعمال کے متعلق کیا فرماتا ہے اور آپ کے عقیدہ فاسدہ کی کس طرح تردید کرتا ہے۔

(۱) ترجمہ "جو شخص تم میں اپنے دین اسلام سے پھر جائے اور کفر کی حالت میں مر جائے۔ پس ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں حبط کر لئے جاتے ہیں اور یہی لوگ جہنمی ہیں"

(۲) "ان کو عذاب کی بشارت دیجئے۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت جائیں گے"

(۳) "ایسے ہی ہم آپ کو وہ لوگ بتائیں جن کے اعمال خسارہ میں ہیں اور ان کی سعی و کوشش دنیا میں ناکام رہی اور وہ اپنے آپ کو اچھا عمل کرنے والا سمجھتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات سے انکار کیا ہے۔ پس ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ پس ان کے لئے ہم قیامت کو وزن مقرر نہیں کریں گے۔ بلکہ ان کا بدلہ کفر کی وجہ سے جہنم ہی ہے"

(۴) "مثال ان لوگوں کی جو کافر ہوئے اپنے رب سے۔ ان کے اعمال راکھ کی طرح ہیں جس پر تند کی ہوا چلے آندھی کے دن وہ اپنے کمائے پر کسی قسم کا اختیار نہ رکھیں گے"

(۵) "جو لوگ کافر ہوئے ان کے اعمال جنگل کے سراب [illegible]

پیاسا اس ... میں سمجھ کر اس کے پاس جاتا ہے۔ تو اس کو کوئی چیز نہیں ... سوائے اس کے کہ اللہ تعالےٰ اس کا پورا پورا حساب ... کی مثال ... ہے جو ... پر ... موج ... اس پر بادل ہیں ... اندھیرے ایک دوسرے کے ... ہاتھ نکالے ... نہ دیکھ سکے۔

یہ ... چند مثالیں کفار کے حبط اعمال کی درج کی گئی ہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں بے شمار ایسی آیات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کفار و مشرکین کی نجات کا کوئی راستہ نہیں الا یہ کہ وہ صراط مستقیم پر آ جائیں۔ یعنی دل سے کفر و شرک سے تائب ہو کر توحید و رسالت پر ایمان لے آئیں۔ پھر وہ اسی وقت سے اس کی کر نیک اعمال کرنے کا کوئی موقع مل سکے۔ تو بھی وہ یقیناً فلاح و نجات کے مستحق ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص پہلے ہر کامل حقیقی اسلام اور نیک اعمال ... کر ... پھر ... مرتد ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے تو وہ یقیناً حبط اعمال کا شکار ہو کر خسران و نامرادی کے جہنم ابدی میں جا پڑے گا۔ جس مثال آیت کے ترجمہ میں مذکور ہے ایمان ایک اصل ثابت ہے۔ نیک اعمال اس کی شاخیں ہیں۔ اگر اصل رہے تو اس کی فروع کچھ ... ہو سکتی ہیں۔ اس کی مثال قرآن کریم میں نہایت وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

ترجمہ: مثال کلمۂ طیبہ (ایمان باللہ و بالرسول) کی طیب درخت کی طرح ہے۔ اس کی جڑ مضبوط ہے شاخیں بہت اونچی آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں؟

پھر ... کفر و شرک کی مثال میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور مثال کلمۂ خبیثہ (کفر و شرک) کی خبیث درخت کی طرح ہے جس کو زمین سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو۔ اس کو قطعاً قرار نہیں ہوتا۔

اب اس کی تفصیل سنیئے جو شخص دل اور زبان سے متحد ہو کر ... رسول پر ایمان لے آیا وہ بالاتفاق مومن و مسلم ہے اور جو شخص دل اور زبان سے متحد ہو کر ... سے انکار کرے وہ بالاتفاق کافر و مشرک ہے ... جب تک ... کا اتفاق ہے ... اب ... جو ... دل سے ... توحید و رسالت کا ... ہے۔ لیکن ... نہیں کرتا ... پس ... ایک شخص ... کی شریعت نے اس کی سزا ہاتھ کاٹنے کی مقرر فرمائی۔ اسی طرح اللہ کے ہاں بھی ایک حد تک اس کی سزا مقرر ہے وہ اس گناہ کی سزا ضرور پائیگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھ لیا جائے اور مطلقاً فلاح و نجات کا مستحق نہ قرار دیا جائے۔ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد نبوت میں ایسے لوگوں پر حدود جاری ہوئیں۔ ہم ان کو ناقص الایمان کہیں گے کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ عام انسان معصوم نہیں ہوتے۔ کوئی نہ کوئی گناہ ان سے ضرور سرزد ہو جاتا ہے اگر گناہ کے صرف ظہور ہی سے ... ہو جائے تو اسلام و ایمان تو کہیں بھی نہ پایا جائے کیونکہ ایسے لوگوں میں اصل ایمان موجود ہے اس لئے فروع میں اگر نقصان ہے تو ... اور نقصان نہیں ... سمجھ رہے ہیں ... ایسے شخص تائب ہو کر مکمل مومن بھی عقیدتاً اور عملاً مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ اصل ایمان ایک عظیم نیکی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ نیکیاں بدیوں کو دور کر دیں ... کے تحت ان کی بداعمالی چھپ جائے۔ برخلاف اس کے چوتھا گروہ جس کے متعلق آپ کی تحریر ہے

"ایسے نفوس جو قرآن و رسول کے قائل ہوں مگر عامل ضرور ہیں مثلاً ایک آدمی پابند اور پکا قرآن پر عمل کر رہا ہے۔ لیکن رسول کی ہدایات کو عملاً ... رہا ہے۔ ایسا آدمی عملاً مسلم ہے"

جس کا مفہوم صاف یہ ہے کہ جو نفوس عقیدتاً مسلمان نہ ہوں یعنی دل سے تصدیق نہ رکھتے ہوں مگر محض ... سے مسلمان ہوں مسلمانوں کی طرح قرار توحید و رسالت تو ہو مگر صرف زبانی یعنی ... نماز روزہ حج زکوٰۃ کے پورے پابند ہوں تو ایسے نفوس کو آپ نے رسول کی ہدایات کو عملاً ماننے والا اور مسلم قرار دیا ہے۔ ہم اپنی طرف سے ایسے نفوس کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتے قرآن کریم کی شہادت ہی اس بارے میں کافی سمجھتے ہیں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ عزاسمہ نے ایسے افراد کو کیا اصطلاحی تمغہ عنایت فرمایا ہے دیکھیے

ترجمہ: لوگوں میں سے بعض نفوس ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے مگر حقیقت میں یعنی دلی تصدیق سے وہ مومن نہیں۔ یہ لوگ اللہ اور مومنوں سے دھوکا اور مکاری کرتے ہیں۔

یہ تو تھی صرف زبانی اقرار کی ایک مثال۔ اب ان کے اعمال کا حال سنئے۔

ترجمہ:۔ اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ کاہلی سے لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں"

"منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے"

اس کے علاوہ منافقین کے بارے میں سورہ توبہ اور دوسرے مقامات قرآنیہ میں کئی جگہ تفصیل موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گروہ کو آپ "منافقین اور مسلم" قرار دے رہے ہیں اس کو قرآنی اصطلاح میں منافق کہا گیا ہے۔ کیونکہ منافق میں بھی صرف اقرار باللسان ہوتا ہے۔ تصدیق بالقلب سے وہ یکسر عاری ہوتا ہے مگر اعمال میں وہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا پابند ہوتا ہے یہاں تک کہ نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے عہد نبوت میں اس گروہ نے مسجد تک بنائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت دی کہ وہ بھی اس مسجد میں تشریف لاکر نماز ادا کریں لیکن حضورؐ کو وحی کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ مسجد ضرار ہے اس میں ہرگز نماز کیلئے کھڑا نہ ہونا۔ منافق کی یہی تعریف ہے کہ اس کا ظاہر مسلم معلوم ہوتا ہے مگر باطناً وہ کافر ہوتا ہے

قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ جل شانہٗ اسی فرقہ کے متعلق فرماتا ہے۔

ترجمہ:۔ کیا ان لوگوں کے دل میں مرض نفاق ہے انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلی بیر کو ظاہر نہیں کرے گا اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ایسے لوگ دکھا دیتے۔ اب آپ نے ان کو نشانیوں سے پہچان ہی لیا اور اب بھی آپ ان کو کلام کے لہجے سے ضرور پہچان لیں گے۔ اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

یعنی اس دور کے منافقین مسلمانوں میں بالکل گھل مل گئے تھے اور ان کے ساتھ اعمال حسنہ مثل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسلم ہیں مگر حقیقت میں وہ ہرگز مومن نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے اعمال بھی حبط فرمائے اور وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہوئے

اس بحث کو ذرا اور وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار توحید و رسالت کا نام ایمان و اسلام ہے۔ ان میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو وہ کفر ہی ہے اسلام نہیں۔ صرف زبان کا اقرار منافقوں میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ ساتھ ساتھ دوسرے اعمال حسنہ بھی ہوتے ہیں مگر وہ کفار کے زمرے میں ہی شامل ہوں گے۔ اسی طرح کچھ لوگ دل سے اللہ و رسول کو اور ان کے احکام کو برحق جانتے ہوں۔ مگر زبان سے اقرار توحید و رسالت نہ کریں۔ تو بھی وہ کافر جس طرح ابوجہل اور دوسرے مشرکین۔ کیونکہ انہوں نے بار با معجزات اور آیات کو دیکھا لیکن کسی عار کی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ کو سچا سمجھتے ہوئے بھی ایمان نہ لائے۔ ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد کے احسانات کا جو انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کئے کون شخص انکار کر سکتا ہے وہ بستر مرگ پر تھے کہ حضور علیہ السلام نے ان کو آکر کہا "اے عم! کہ اگر آپ کلمہ لا الہ الا اللہ دل کی تصدیق کے ساتھ پڑھ لے تو میں تیری ضرور سفارش کروں گا۔ مگر ابوطالب نہ مانا اور کہنے لگا۔ اَنَا عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (یعنی میں عبدالمطلب کی ملت پر ہی رہوں گا) اس پر اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ اس کو گڑھا کھود کر دفن کر دو۔ اس پر نماز جنازہ۔ خود پڑھی نہ پڑھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے حق میں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

ترجمہ:۔ "اے رسول ان پر نماز جنازہ کی دعا مت مانگنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑا ہو۔ یقیناً انہوں نے اللہ اور رسول کا انکار کیا [illegible] ایک شرک میں برابر یکساں ہوں۔ مگر صرف ایک شرک ہی ہو [illegible] دیگر سب کو اکارت کر دیتی ہے

ترجمہ:۔ "یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔

"یہ شرک اگر ذرہ بھر بھی کسی چٹان میں یا زمین و آسمان کے کسی کونے میں ہوگا اللہ اس کو ضرور لائے گا۔"

بلکہ اللہ تعالیٰ نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی فرما دیا کہ:۔

"اے رسولؐ اگر تم نے شرک کیا تو تیرے تمام عمل حبط ہو جائیں گے اور تو خسارہ میں ہو جائے گا"

یعنی شرک اس قدر ظلم عظیم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی قسم کی نیکی متصور نہیں ہو سکتی اور اگر ہو گی تو وہ حبط کر دی جائے گی اور فنا ہو جائے گی۔ پھر ہم کس طرح مان سکتے ہیں کہ ایک کافر یا کوئی دوسرا مشرک جو نیک عمل کرتا ہے "مسلم و مومن" ہو سکتا ہے۔ جس صورت میں کہ وہ عام نیکیوں رفاہ عامہ و خیرات اور ہمدردی وغیرہ کا عقیدہ تسلیم پر عمل پیرا ہو اور خاص نیکیوں (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) پر قطعاً کاربند نہ ہو۔ اب یہود و نصاریٰ کے شرک کا ذکر [illegible]

ترجمہ:۔ یہود عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں [illegible] مریم کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں"

ترجمہ: تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو اللہ کو تین کا تیسرا کہتے ہیں۔
[illegible]

اب ہم ڈاکٹر صاحب سے خصوصاً اور اہلِ حق و انصاف سے عموماً توقع رکھتے ہیں کہ اس مضمون کو اول سے آخر تک پڑھیں اور [illegible] سے مقصد طلب کریں کہ آیا ڈاکٹر صاحب کا خیال ٹھیک ہے یا یہ امر غلط اور جادۂ حق سے بہت دور لے جانے والا عوام کو گمراہ کرنے اور بھٹکنے والا ہے۔ ہمارا عرض کیجئے ہم عنقریب اس بیہودہ خیال کے سامنے جانے والے ہیں۔ اس کے کلام اور اس کے دین میں اس قسم کی رخنہ اندازی کسی صورت میں درست نہیں۔ انصاف کا دامن کسی حالت میں نہ چھوڑنا چاہئے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

غزل

وہ میرے سامنے ہیں رخ پہ نقاب نہیں
نگاہِ شوق مگر پھر بھی کامیاب نہیں

ہر ایک چیز پہ چھایا ہے انقلاب کا رنگ
نظامِ حسن و محبت میں انقلاب نہیں

فریبِ شوق و تمنا جو کھا نہیں سکتا
وہ بارگاہِ محبت میں کامیاب نہیں

چمن میں ہنستے ہوئے پھول بارہا دیکھے
نظر فریب ہیں لیکن ترا جواب نہیں

لٹا ہے صبر و سکوں نیند ہو گئی ہے حرام
زمانہ چین سے سوتا ہے مجھ کو خواب نہیں

یہ تم نے آتے ہی کیونکر بدل دیا عالم
جو اضطراب تھا پہلے وہ اضطراب نہیں

نظارہ سوز ہے برقِ جمال کی تابش
وہ بے حجاب ہیں پھر بھی وہ بے حجاب نہیں

وہ عذر کوئی تو کرتے جو کچھ نہ لکھنا تھا
یہ کیا کہ میرے کسی خط کا بھی جواب نہیں

فضا اگر ہیں یہ محرومِ دامنِ تمکیں!
تو موتیوں کی سی اشکوں میں آب و تاب نہیں

(فضا جالندھری)

افسانہ

جنجال

(از حضرت شوکت صدیقی لکھنوی)

اُس کے قدموں کی رفتار سست پڑ گئی!!

کمرے کا دروازہ کسی قدر کھلا تھا اُس نے متحیر نظروں سے اُسے دیکھا۔ ٹھٹکا، جھجکا اور پھر آگے بڑھ کر چوروں کی طرح کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ جس سے اندر کی روشنی پھوٹ کر باہر آ رہی تھی پردہ ایک طرف ہٹا ہوا تھا۔ اُس نے شیشے سے جھانک کر اندر دیکھا دھیمی، دھیمی نیلگوں روشنی میں سرخ رنگ گہرے دھوئیں میں ڈوبی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ سامنے پلنگ پر وہ بے خبر سو رہی تھی برابر کا پلنگ خالی تھا اُس کے شوہر کو وہ ابھی ابھی ٹرین پر چھوڑ کر آیا تھا کسی ضرورت کے سلسلے میں وہ چند روز کے لئے ۔ ۔ ۔ ۔

ٹھٹک گیا تھا ہلکی ہلکی نیلی روشنی میں اس کے چہرے پر ایک خاص ہی نظر آ رہی تھی آنکھیں بند تھیں اور ایک ہاتھ سینے پر پڑا تھا جو سانس کی آمد و رفت سے لرز رہا تھا۔ اُس کا اپنا دل بھی آہستہ آہستہ دھڑکنے لگا اور سانس بھی ہولی سی چلنے لگی۔ اُس نے گھوم کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا ایک ہلکی ہولی سی خاموشی در و دیوار پر چھائی تھی

وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ بے پناہ حالات کے ہجوم میں گھرا ہوا جنہوں نے اسے ایک کشمکش کے عالم میں ڈال دیا پہلی ہی بار اُسے دیکھ کر اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ حسین ہے اور اس غضب کی حسین کہ دیکھتے ہی آنکھیں بغاوت پر آمادہ ہو جائیں وہ اس کے دوست کی بیوی تھی۔ اُس دوست کی جو شریک حیات کو اُس کو بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس بات کا اسے پورا پورا احساس تھا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ وہ بھی ہی اس خوبصورت کو دیکھنے سے آنکھیں نہ پھرتیں۔ جب بھی وہ اُسے دیکھتا تو اسے محسوس ہوتا کہ اس کی تمام فطری طاقتیں فنا ہو گئی ہیں وہ ایک بے جان پتلا ہے۔ جس میں صرف دل کی دھڑکن کی گونج کے علاوہ زندگی کی کوئی رمق موجود نہیں، اکثر تو وہ تلملا اٹھتا، اس قیدی کی طرح جو نیا نیا وارد زنداں ہوا ہو۔ اسے یہ زندگی جنجال سی معلوم ہوتی جس میں وہ بری طرح کھو گیا پھر اسی بے بسی پر اس کا دل بیٹھ جاتا۔ کاش وہ اتنی حسین نہ ہوتی۔ یہ آنکھیں تو اتنی پیاری کیوں ہیں کہ نظر ہی سارا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یہ نارنجی ہونٹ، جن کو چومنے کی تمنا بے بیتاب کر دیتی ہے یہ بھولا بھالا چہرہ، یہ سڈول جسم، یہ شباب۔ آخر یہ سب اس قدر کشش انگیز کیوں ہیں کیا صرف [illegible] تباہ کر دینے کے لئے اور وہ گھبرا کر چاہتا کہ یہاں سے کہیں دور چلا جائے لیکن ہر بار یہی ہوتا کہ اس کا دوست سدِ راہ ہوتا: "کہاں جاؤ گے، کیا یہ گھر نہیں، غیر سمجھتے ہو نا" اس پر بھی اس کا اصرار رہتا تو وہ ذرا پیار سے ڈانٹ دیتا: "کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے" ساتھ ہی وہ بھی بول اٹھتی: "نہیں آپ نہیں جا سکتے۔ ایسا کر کے سچ آپ ہم لوگوں کو بہت دکھ دیں گے"

وہ اس کی طرف دیکھتا، وہی پیاری پیاری آنکھیں وہی تبسم سے لرزتے ہوئے نارنجی ہونٹ، وہ سب کچھ بھول جاتا۔ خود اپنے وجود کو بھی۔ کتنی عجیب ہے یہ انسانی فطرت — !!

دیکھتے ہی دیکھتے اس کی سانس سہم کر رک گئی۔ آنکھیں کھلی کی کھلی سامنے دیوار پر ایک انسانی سایہ لرزا اور رینگتا چلا گیا۔ ہلکی نیلی روشنی میں اس کے سامنے وہی سایہ ملبوس ایک دبلا پتلا نوجوان کھڑا تھا الجھے ہوئے پریشان بال، اترا ہوا چہرہ۔ وہ ہکا بکا سا رہ گیا خوف کے مارے اس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ نوکروں کو آواز دے کر جگا دیتا آواز الجھ کر رہ گئی اور جسم منجمد ہو گیا تھا۔ نوجوان پلنگ کے پاس جا کر خاموش کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر آگے بڑھا، پٹی پر ہاتھ ٹکا کر اس پر جھکا، چہرے پر آئے ہوئے بالوں کو آہستہ سے کھسکا کر اوپر کیا۔ [illegible] اسی حالت میں اس کے خوبصورت چہرے کو تکتا رہا پھر آہستہ سے اس کا بازو ہلایا

"رینو"

وہ خاموش پڑی تھی۔ اس دفعہ اُس نے شانے کو زور سے جھنجھوڑا

"رینو اٹھو"

وہ کسمسائی اور کئی بار پلکیں جھپکا کر آنکھیں کھول دیں اس کی طرف دیکھا۔ آنکھیں پھیل گئیں اور ہاتھوں کی انگلیاں کھل کر سخت ہو گئیں۔ آہستہ بولی [illegible]؟" اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"گھبرا گئیں، میں ہوں مدھو"

"آپ"

"ہاں ہاں میں ہوں"

"آپ یہاں کیسے آئے؟"

"یہ بھی بتا دوں؟" وہ مسکرانے لگا۔ "چھوٹی دیوار پھاند کر اس دروازے سے۔ ملا تھا"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پیشانی پر شکن پڑ گئیں "آپ یہاں کیوں آئے؟ جائیے" وہ ... سی رہی مگر وہ چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ ... کانپا اور اتر گیا "آپ جاتے کیوں نہیں ہیں؟"

وہ گم سم کھڑا رہا۔

"آخر آپ جاتے کیوں نہیں، یہاں کیوں کھڑے ہیں، کوئی دیکھ لے تو؟" اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھا "مجھے تماشا کرنے پر تلے ہیں، شاید آپ نہیں جانتے، اس گھر کی میں بہو ہوں گی۔ انہیں پتہ لگ جائے تو کس قدر دکھ ہو، کتنی ... کریں۔ آپ چلے جائیے" اس دفعہ اس نے غصے سے کہا

وہ چپ چاپ اپنی جیب میں ٹٹولنے لگا اور اس میں سے ایک چھوٹا سا کاغذوں کا بنڈل نکالا اور اس کے سامنے پھینک دیا "یہ تمہارے خط ہیں سنبھال کر رکھنا" کہا اور وہ ... "میں ... نہیں ..." پھر ایک گہری سانس لی اور اس کی طرف دیکھو مگر وہ نہ دیکھ سکی۔

"دیکھیں کیوں نہیں"

آخر اس نے نظریں بلند کیں۔ پچکے ہوئے گالوں پر ابھری ہوئی ہڈیاں، دھنسی ہوئی آنکھیں۔ الجھے ہوئے خشک بال۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"شاید کچھ بدصورت ہو گیا ہوں"

"کیسی باتیں کر رہے ہو مدھو"

"اچھا میں جا رہا ہوں۔ معاف کرنا تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہے آجکل ملٹری میں ہوں۔ کل میری پلٹن نقل مکانی کر رہی ہے۔ نہ جانے کہاں جانا ہو۔ سوچا ایسے ہو لوں، جی چاہا تم سے بھی مل لوں۔ مل لیا۔ ہاں بس یہی ... ہو گیا" وہ چلنے کے لئے مڑا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ مگر دروازے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ روک دیا

"کہاں چلے؟"

"یہ تم کہہ رہی ہو"

"شاید"

"کیا صرف جلانے کے لئے آئے تھے؟"

"کاش میں ایسا کر سکتا"

وہ ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی "تم کتنے بدل گئے ہو" اور سر جھکا لیا۔ آنسو پھوٹ پڑے۔

وہ دروازے کے پاس خاموش کھڑا اس کے رخساروں پر ڈھلتے ہوئے آنسوؤں کو تکتا رہا۔ ... آگے بڑھا اور اس کے پاس آ کھڑا ہوا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ روتی ہی رہی۔ اس نے جھک کر جیب سے رومال نکالا اس کے آنسو پونچھے اور پیار سے ڈانٹنے لگا "روتی ہی رہو گی" اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ تھام کر گردن اوپر کی۔ اس کی بھی نظریں اٹھیں آنکھیں آنکھوں میں ڈوب گئیں۔ دونوں ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے تکتے رہے

... دیکھنے والی آنکھوں سے زیادہ۔ دیکھا گیا اس سے ... اور ہاتھوں کی مٹھیاں کس کر بند کر لیں ... اپنے دوست کی زندگی پر رشک تھا اور یہ رشک کبھی ہی حسد سے بدل جاتا۔ جب وہ دونوں کو محبت سے ... دیکھتا تو اس کے بدن میں آگ سی لگ جاتی۔ مگر ... بے بسی ... جلتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر رہ جاتا۔

وہ دبے قدموں وہاں سے پیچھے ہٹ آیا۔ اور پھر بھاری بھاری قدم رکھتا ہوا کمرے کی طرف بڑھتا ہوا بڑبڑانے لگا "ارے سب سو گئے کتنے جلدی یہ لوگ لیٹ جاتے ہیں، اونہہ"

وہ چھت سے دروازے پر آ گئی

"آپ آ گئے، بہت دیر لگا دی" اور لپک کر اس کے پاس آ پہنچی "کیا آپ بہت لیٹ ہیں، بڑا انتظار کرنا پڑا" وہ باتیں کرتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی، وہ بھی ساتھ ہو لیا۔ دونوں کمرے میں داخل ہوتے ہی روشنی کی اور وہ ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی "کب تک آنے کو کہہ گئے ہیں" وہ مسکرانے لگی "نہ معلوم کیوں آج نیند کیوں نہیں آ رہی ہے" اس نے کرسی پر پہلو بدلا اس کی طرف دیکھا وہ بھی پر گم سم کھڑا تھا

"بیٹھ جائیے نا"

کہیں غفلت میں تمہارا ایمان نہ نکل جائے"

"کیسا ایمان؟" وہ کھوئی ہوئی بولی اور میٹھی میٹھی آنکھوں سے اس کی طرف تکنے لگی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔ "دیکھ کیا رہی ہو ان آنکھوں کو، جانے کتنی دیر سے تمہارے رستے میں بھٹک رہی تھیں"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں موہن بھیا"

تو کیا میں آپ کے سہارے ساتھ ہی آؤں [illegible] وہ چلنے کے لئے پیچھے مڑا۔ اس نے بڑھ کر کوٹ کا دامن تھام لیا۔ "موہن بھیا"

وہ سر جھکا کر سینڈل کی ایڑی کو فرش پر رگڑنے لگی۔ لمحہ بھر وہ خاموش کھڑا رہا۔ پھر اس نے اس کی طرف دیکھا۔ کنول سا پیارا پیارا چہرہ کپکپا رہا تھا۔ وہی حسن، وہی [illegible] اور اس قدر نزدیک، اس کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی اور کمرے کی چیزیں دھندلی نظر آنے لگیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی کو مٹھی میں بھینچ لیا۔

"کتنی خوبصورت ہو"

اس نے گھبرا کر کوٹ کا دامن چھوڑ دیا۔ "موہن بھیا" اور کلائی چھڑاتے ہوئے۔ "آپ"

"کیوں؟ جہاں دو پیار [illegible] ٹھیک ہے نا"

اسی وقت دوسرے کمرے میں آہستہ سے کھٹ کھٹ ہوئی جیسے چوہے کچھ کتر رہے ہوں۔ اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔

"جاؤ دیکھو، وہ کیا کہہ رہا ہے"

وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ نہ جانے کیا سوچ رہا۔ پھر لپک کر اس کھڑکی پر آ گیا۔ جو اس کے کمرے کی طرف کھلتی تھی۔ آہستہ سے اس نے کھولا اور باہر دیکھنے لگا۔ وہ دروازے کے پاس ہی خاموش کھڑی تھی۔ وہ [illegible] پوچھ رہا تھا۔

"وہ سو گئے؟"

"نہیں"

"اب کیا ہوگا، مجھے اب کیمپ پہنچ جانا چاہئے، میں چھپ کر آیا ہوں۔ پہرہ دار بدل جانے والا ہے مگر دس بجے پہرہ تبدیل ہو جانے کا تو بڑی مشکل ہوگی۔ نہ جانے کیا ہو"

اس نے ایک لمبی ہوں کی اور سامنے دیوار تکنے لگی۔ مگر وہ در [illegible] گھبرا گیا۔

"کیا سوچ رہی ہو، جلدی کرو، وقت کم ہے"

"اچھا"

وہ دروازے سے ہٹ کر اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد جب وہ باہر آ کر اس کے کمرے کی طرف آنے لگی تو اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی اور اپنی جگہ پر آ گیا۔ ذرا دیر بعد وہ بھی سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور عاجزی سے بولی "موہن بھیا جانے دو، اب ایسا نہ ہوگا۔" مگر وہ کیسے جانے دیتا۔ وہ آگ جو دھیمے دھیمے اس کے سینے میں سلگ رہی تھی ایک بار ہی بھڑک اٹھی تھی۔ وہ اب اس بری طرح پھنک رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ اسے دوبھر ہو رہا تھا۔ اسے دھمکانے کے لئے دروازے کی طرف چلا اور وہ بدحواس ہو گئی

"کہاں چلے موہن بھیا؟"

"ڈیوٹی پر"

"ٹھیک جائیے" وہ اس کے پاس آئی اور خطوط کا وہ بنڈل جو کمرے سے لائی تھی۔ اس کے سامنے ڈال دیا

"میرا بھروسہ تو آپ کریں گے نہیں۔ یہ خطوط رکھ لیجئے"

اس نے خطوط کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اس کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا "اچھی بات ہے"

وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں باہری دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے۔ کمرے کے آگے سے نکلے تب وہ باہر برآمدے میں پہنچے زور زور کی آواز آئی

"رتو شاید اب [illegible] سکوں"

ادھر وہ دھڑ سے آ کر پلنگ پر گر پڑا۔ نرم نرم بستر اور رنگین احساسات کا ہجوم اس کے جسم پر [illegible] رینگنے لگے۔ اس سے لیٹا نہ گیا۔ دو چار کروٹیں بدل کر اٹھ بیٹھا۔ دور سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ قریب ہی تھی۔ وہ پھر بیٹھ گیا۔ تو وہ کمرے میں آئی اور آتے ہی روشنی گل کر دی۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا مگر کپڑوں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ کے علاوہ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آخر پریشان ہو کر بولا "ارے یہ اندھیرا کیوں ہے؟"

کوئی آواز نہ آئی۔ صرف چوڑیوں کی آواز آئی۔ وہ اس کے نزدیک آ گئی۔ اس نے اندھیرے میں اس کے بدن کو چھوا اور چونک پڑا "ارے یہ تم ہو۔ مگر اندھیرا کیوں؟" "آپ قیمت وصول کیجئے"

وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکا! اس کا جسم [illegible] خطوط کا بنڈل اس کے ہاتھ میں [illegible] اور [illegible] سکے [illegible]

غزلیات

فاضل مشہدی

(۱)

نکہت فزا نسیمِ بہاراں ہے آج کل
خنداں رخِ عروسِ گلستاں ہے آج کل

پھر کھینچتا ہے شوق سوئے بزمِ دوستاں
آتش پذیر سوزشِ پنہاں ہے آج کل

پھر دل کو ہے کسی کی ملاقات کا جنوں
پھر سینہ زخمِ تازہ کا خواہاں ہے آج کل

دامانِ حسن آئے ہیں پھیلا کے جوہری
گوہر فروشِ دیدۂ گریاں ہے آج کل

دکھلا رہا ہوں منظرِ رنگیں عجب عجب
پھر جوش پر طبیعتِ جولاں ہے آج کل

شاید وفورِ شوق نے پردے اٹھا دیئے
آنکھوں کے آگے برق سی لرزاں ہے آجکل

فاضل نگاہ میں ہیں نظارے ہزار ہا
اک شمعِ نور دل میں فروزاں ہے آج کل

یس گیلانی

(۲)

پیشِ نگاہ جلوۂ جاناں ہے آج کل
دشوار کارِ جنبشِ مژگاں ہے آج کل

نظارۂ جمال کا ساماں ہے آج کل
وہ رشکِ مہر و مہ مرا مہماں ہے آج کل

کچھ میرا ظرف اور کچھ اس کی عنایتیں
قبضے میں میرے عالمِ امکاں ہے آج کل

ویراں ہیں میکدے تو پریشاں ہیں بادہ خوار
ٹھہری ہوئی سی گردشِ دوراں ہے آج کل

اکثر بلباسِ خضر میں ملتے ہیں راہ زن
انساں فریب خوردۂ انساں ہے آج کل

صد شکر اب سکوں ہے دلِ ناشکیب کو
ہم کیا کریں جو کوئی پشیماں ہے آج کل

اللہ رے یہ مقامِ محبت کہ اے یس
تھامے ہوئے کوئی مرا داماں ہے آج کل

ابوالفضل محمد دائم کرمی

جھوٹے ترقی پسند

از فاضل مشہدی امرتسر

ایک رسالہ لکھتا ہے —

"شعرا کا وہ گروہ جو غزل کی مشاطگی میں اپنی عمر صرف کر چکا تھا، اسی گروہ سے ایک آتشیں نوا قوت و حیات کی کلاہ کج کئے ہوئے آفتاب کی طرح رونما ہوا جو روش کی پوری تابندگی کے ساتھ جگمگانے لگا۔ جو شبیر حسین خاں جوش کے نام سے مشہور زمانہ ہے"

"غزل کی مشاطہ گری"؟ جی ہاں جب جانتا ہوں یہ کس کی آواز ہے۔ یہ اسی "آتش نوا" تو کیا شورش پسند agitator کی صدائے بازگشت ہے۔ حضرت جوش اور اُن کے پیچھے چلنے والے طیور [illegible] وار [illegible] تیر رواں ہوں۔ بے ہنر نظم گو یہاں ادیب نما و باشعور جہل مرکب کے ماروں ادبی گھسیاروں کی بکواس دنیا کی اعلیٰ ترین صنف ادب (غزل) کے خلاف پچیس سال سے سنتے آئے ہیں۔ یہ اوچھی پونجی پر اترانے والے اپنے زعم باطل میں غزل کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے ناشاعر نکمّے شاید یہ توقع رکھتے ہیں کہ اُن کی پوچ گوئی سے صنف غزل کو آج آنچ آ سکے گی مگر ان کے طفلانہ شور و غوغا اُن کے جاہلانہ حسد کے باوجود گذشتہ پینتیس سال کی مدت میں اردو کی حکیمانہ غزل گوئی (ذہنی اوباشی نہیں) ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی آرٹ کے مرتبہ پر پہنچ گئی اور بقول پروفیسر مجنون گورکھپوری حضرت یگانہ کے متعلق [illegible]

"غزل جو اب تک حسن و عشق کی شاعری سمجھی جاتی تھی یگانہ نے اسے زندگی کی شاعری بنا دیا۔ غزل میں وہ کس بل آ گیا جسے ہم صرف [illegible] اور [illegible] سے منسوب کرتے ہیں۔ یگانہ کی غزل ہم کو زندگی کا جبروتی رخ دکھاتی اور ہمارے اندر سعی و پیکار کا ولولہ پیدا کرتی ہے۔ یگانہ نے کائنات اور حیات انسانی کے رموز و اشارات کو جدید غزل کا موضوع قرار دیا۔ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ اُن کے ہاں حسن و عشق سے متعلق اشعار ملتے ہی نہیں۔ ملتے ہیں مگر اُن میں بھی حسن و عشق کا احساس، علم اور عالمگیر زندگی کے احساس میں سمویا اور کھویا ہوا ہوتا ہے۔ یگانہ اس کشاکش اور تصادم کا احساس ہمارے اندر بڑی سہولت اور کامیابی کے ساتھ پیدا کر دیتا ہے جو زندگی کا اصل راز ہے اور جس کا احساس عصر جدید کا سب سے بڑا اکتساب ہے۔ وہ اس احساس سے ہم کو سراسیمہ نہیں کر دیتے بلکہ ان [illegible] کی سب سے نمایاں خصوصیت مردانہ عزم و ثبات ہے۔ یگانہ نے غزل میں واقعی نئی تکنیک برتی ہے یعنی روایتی موضوعات اور اسالیب دونوں سے انحراف کر کے ہم کو غزل کی امکانی وسعتوں سے آگاہ کر دیا ہے جس کی رہبری میں غزل کی ایک بالکل نئی نسل پیدا ہو سکتی ہے۔ جو اس قابل ہو کر زندگی کے نئے میلانات نئے مطالبات سے عہدہ برآ ہو سکے۔ یگانہ کی غزل ہمارے اندر یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ زندگی ایک مدبرانہ عقیدت ہے اور تصادم و پیکار اس کی نمو اور بالیدگی کے لئے ضروری ہے۔" (ماخوذ از رسالہ نگار جنوری ۱۹۴۳ء)

یہ ہے بیسویں صدی کی جدید غزل گوئی کا حقیقی مرتبہ جو معترضوں پر ثابت ہو چکا ہے اور ثابت ہوتا جائے گا۔ یہ جھوٹے ترقی پسند کلموہے اپنی طفلانہ بکواس اپنی اوچھی پونجی سے غزل جیسی زندہ صنف ادب کو شاید فنا کر دینا چاہتے ہیں اپنی بقا کے لئے — جی ہاں ہنرمنداں جامے ایشاں بگیرید مگر یہ اُن کی بھول ہے۔ غزل ہرگز فنا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ روز بروز نشو و نما پاتی جائے گی۔ [illegible] فکر و نظر سے بے بہرہ غزل کی طاقت کا اندازہ کریں تو کیونکر؟ غزل کی طاقت کا روشن ثبوت تو یہ ہے کہ اُن کم گواہوں کی طفلانہ بغاوتوں کے باوجود دیوان غالب آج تک زندہ ہے اور یہی نہیں بلکہ غالب نے غزل کو جس مقام پر پہنچایا تھا وہاں سے آگے بڑھ کر [illegible] آرٹ کے مرتبہ تک پہنچ گئی۔ یگانہ نے غزل کو اس بیسویں صدی میں آرٹ کے مرتبہ پر پہنچا کر اتنا مشکل اور ناقابل تقلید بنا دیا کہ وہاں تک [illegible] کی رسائی ہی [illegible]

[illegible]

نہیں سکتی۔ غزل کے اس قدر مشکل ہو جانے کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ تمام جدید نظم بازی آسان ہو گئی۔ جیسے بیتوں کو سلیس اور سستی منظری گیتوں یا مہمل نظموں کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہا۔

... ہو کیونکہ دانشوروں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ ایران کا زبردست لٹریچر جس کی ہر صنف میں بڑے بڑے ادبی شاہکار موجود ہیں غزل کا انکار کر ... سکا ہو۔ ایک کیموفلاژ شاہنامہ فردوسی، خمسہ نظامی، مثنوی مولانا روم، حدیقہ حکیم سنائی اور اس کے علاوہ اور اور مثنویاں اور فن قصیدہ گوئی کا وسیع سرمایہ، انوری، ظہیر فاریابی، کمال اسمعیل، سلمان ساوجی، ظہوری، نظیری، عرفی، قاآنی وغیرہم کے بڑے بڑے شاہکار، الغرض جملہ اصناف سخن کا اتنی مکمل گروہ بھی پوری طاقت کے ساتھ بحیثیت مجموعی مقابل آ کر غزل کو فنا نہ کر سکا بلکہ ہر دور ہر عہد میں غزل ترقی ہی کرتی گئی اور حسن و عشق کے دائرہ سے نکل کر زندگی کی وسعتوں میں پھیلتی گئی۔ زندگی کے بڑے بڑے اہم مسائل غزل کے دو مصرعوں یا ایک مصرعہ میں بہت کچھ اختصار و جامعیت کے ساتھ دلنشیں اور ... زندگی پر حاوی ہو گئے۔ آخر اس کی وجہ؟ وجہ یہی ہے کہ غزل میں زندہ رہنے اور پنپنے کی لازوال صفت موجود ہے جو مٹائے سے نہیں مٹ سکتی۔

جب ایران کا ایسا زبردست لٹریچر غزل کو فنا نہ کر سکا تو صاحب جوش اور دیگر معتقدین کی کیا ہستی ہے؟ نیز جھوٹ موٹ کے نام نہاد ترقی پسندوں کی ذہنی اوباشی اور بے بصری اردو کی ... غزل کے کمال ... کا کیا کر لے، وہاں سر دھرا کرتے ہی۔ جوش صاحب کی سہل نگاری ... بہتر ہے ... سے بھی زیادہ ... جوش پیدا کر سکتا ہے

غزل کی مختصر نگاری غزل کی ... جامعیت ... غزل کی ... کا مقابلہ گھٹیا قسم کے گندے لٹریچر سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ ... دلکشی جوش و خروش ... ہیجان پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے ... ہیجان پیدا کرنے کا راستہ آسانی سے نکال لیتا ہے مگر مصرع ... نظموں کی سی ... جوش نمائی ... زندگی کا ... ہر رنگ روشن ہر دیدنی کیا؟ ... دل تک ... وہ رد سی کیا؟
... کس ... کس ... کسی کیا؟

ادبی ... مرزا محمد سعید صاحب دہلوی نے ایک موقع پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جوش کے کلام میں چمک دمک تو بہت ہے مگر حرارت نہیں ... کا نتیجہ ہے! اردو غزل آرٹ کے مرتبہ کو پہنچ چکی ہے اس لئے دنیا کے کسی لٹریچر کے سامنے شرمندہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قطعات

ذاکر کنجاہی

(۱)

الم نصیب امیدوں کی ہے قسم مجھ کو — کہ خواب میں بھی کبھی قہقہے لگا نہ سکا
ہے غم کا بارِ گراں زندگی کے کاندھوں پہ — گرانا چاہا مگر آج تک گرا نہ سکا

(۲)

آسماں سے ہجوم انجم کا! — عکس پڑتا ہے جبکہ پانی میں!
دیکھ لیتا ہوں موت کا جلوہ — اپنی تاریک زندگانی میں

غزلیات

(۱)

مضطر اکبر آبادی

کس قدر دلچسپ اندازِ جمالِ یار تھا
خود تماشائے محبت طالبِ دیدار تھا

بیخودی میں میرے لب پر ذکرِ حسنِ یار تھا
بے نیازِ ہوش ہونے پر بھی میں ہشیار تھا

کیا بتاؤں طور پر کیا منظرِ دیدار تھا
میں تھا مدہوشی تھی نظریں تھیں جمالِ یار تھا

دیدنی تھا دیدنی وحشت کا ربطِ بے پناہ
آبلے تھے پاؤں میں ہر آبلے میں خار تھا

لٹ چکی تھی موت کے ہاتھوں متاعِ زندگی
ختم اُن کے آتے آتے قصۂ بیمار تھا

اے معاذ اللہ راہِ عشق کی دشواریاں
سامنے منزل تھی اور چلنا مجھے دشوار تھا

ہو رہا تھا ختم یوں افسانۂ مجبورِ شوق
بیکسی تھی موت کی ہچکی تھی اور بیمار تھا

(۲)

از جناب لسان العصر حضرت امین حزیں سیالکوٹی

کس طرح کہہ سکوں کہ مرتا ہوں؟
آہ کرتے ہوئے تو ڈرتا ہوں!!

دل مرا مارِ آستیں نکلا
چٹکیاں اُس کی روز بھرتا ہوں

آن پر آنچ کون آنے دے؟
جی سے۔ یہ لیجئے۔ گذرتا ہوں

کھلکھلاتی ہے خود فریبی تک
جب مقدر پہ نام دھرتا ہوں

واعظِ شہر جس کے خوگر ہیں!
ایسی توبہ سے توبہ کرتا ہوں!

میری مایوسیاں معاذ اللہ
جی میں جو آئے کر گذرتا ہوں!

کس کا شکوہ امیں! مگر کس کا
جیسی کرنی تھی ویسی بھرتا ہوں

ایک افسانہ

سڑک کی کہانی

میں سڑک ہوں۔ اہلیا جس طرح رشی کی بددعا سے پتھر ہو گئی تھی میں بھی [illegible] کی بددعا سے پتھر کر تن کی بید سوئے [illegible] کی طرح بن جنگل [illegible] پہاڑوں [illegible] درختوں کی چھاؤں کے نیچے سے [illegible] میدانوں کے اوپر سے کئی ملکوں کو ملاتی ہوئی بہت دور تک گہری نیند سوئی ہوئی ہوں۔ انتہائی صبر و ضبط سے دھول میں لوٹ کر بددعا کے آخری لمحات کا انتظار کر رہی ہوں۔ میں ہمیشہ سے بے حرکت ہوں۔ پرسکون ہوں۔ ہمیشہ سے ایک ہی کروٹ سو رہی ہوں لیکن مجھ کو [illegible] کے لئے آرام میسر نہیں۔ اتنی بھی فرصت نہیں کہ میں اس سخت اور خشک سینے پر تھوڑی سی ہری ہری خوشبودار گھاس ہی اگا سکوں اتنا بھی وقت نہیں کہ اپنے سرہانے کے پاس چھوٹا سا جنگلی پھول ہی کھلا سکوں۔ بول نہیں سکتی، دیکھ نہیں سکتی، لیکن اندھے کی طرح سب کچھ محسوس کر رہی ہوں۔ رات دن پاؤں کی آہٹ۔۔۔ صرف پاؤں کی آہٹ! میری اس گہری نیند میں ہزاروں لاکھوں پاؤں کی آوازیں دن رات بھیانک خواب کی طرح گھومتی رہتی ہیں۔ میں ان پاؤں کے لمس سے اُن کے دلوں کو پڑھ سکتی ہوں۔ میں سمجھ سکتی ہوں کون گھر جا رہا ہے، کون کام پر جا رہا ہے۔ کون آرام کرنے جا رہا ہے۔ کون جیل میں جا رہا ہے اور کون شمشان کو جا رہا ہے۔ جسے گھر کا راحت و آرام حاصل ہے۔ محبت کا سایہ میسر ہے، وہ ہر قدم پر راحت کی تصویر کھینچتا چلا جاتا ہے، ہر قدم پر امید کے بیج بوتا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جہاں جہاں اس کے پاؤں پڑتے ہیں۔ وہاں گویا تھوڑی ہی دیر میں ایک ایک بیل اُگ کر پھولوں سے لد جائے گی۔ جس کے گھر نہیں، کوئی سہارا نہیں محبت کا سرور نصیب نہیں، اس کے قدموں میں نا امیدی ہے، جو تپش اس کے قدموں میں ہوتی ہے۔ [illegible] اس کے پاؤں بہکتے رہتے ہیں۔۔۔ میں چھالوں [illegible] اور [illegible] کس لئے؟ اس کے قدموں سے میری خشک [illegible] اور بھی خشک ہو جاتی ہے۔

دنیا کی کوئی بھی کہانی [illegible] پوری نہیں سن سکی۔ [illegible] سینکڑوں ہزاروں برسوں سے [illegible] لاکھوں کروڑوں شخصوں کی کتنی ہنسی، کتنے نالے، کتنی باتیں سنتی آئی ہوں۔ لیکن تھوڑی ہی سی سن پائی ہوں [illegible] جب [illegible] ہوں [illegible] ہی نہیں رہا! ابھی کتنے ہی برسوں کی کتنی ہی ٹوٹی پھوٹی باتیں، کتنے ہی بکھرے ہوئے نغمے میری دھول کے ساتھ دھول بن گئے ہیں اور میری دھول کے ساتھ اڑتے رہتے ہیں۔ کیا اسے کوئی جان سکتا ہے!

وہ سنو، کوئی گا رہی ہے۔ "کہہ نہ سکی دل کی بات"؟

آہ، ذرا ٹھہرو، گاتے گاتے پورا کر جاؤ۔ پوری بات تو سن لوں۔ لیکن وہ کہاں ٹھہری، گاتے گاتے۔ جانے کہاں چلی گئی۔ آخر تک بھی سن نہ سکی۔ ایک مصرعہ ہی آدھی رات تک میرے کانوں میں گونجتا رہے گا دل ہی دل میں سوچوں گی وہ کون تھی؟ جانے کہاں جا رہی تھی جو بات کہہ نہیں سکی کیا وہی بات کہنے جا رہی ہے؟ اب کی جب سڑک پر پھر اس سے ملاقات ہوئی، جب وہ سر اٹھا کر اس کے منہ کی طرف دیکھے گا تو [illegible] کہتے کہتے بھی مگر کہہ سکی تو! تو سر جھکا کر [illegible] آہستہ آہستہ واپس آتے وقت پھر بھی اگر وہ گاتے۔۔۔ "کہہ نہ سکی میں دل کی بات"۔

انجام اور قیام شاید نہیں ہوگا۔ مجھے تو دکھائی نہیں دیتا۔ پاؤں کے ایک نشان کو بھی تو میں زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکتی۔ متواتر نشان پڑتے رہتے ہیں، پچھلے پاؤں آ کر دوسرے پاؤں کے نشانات کو مٹا جاتے ہیں۔ جو چلا جاتا ہے وہ تو پیچھے کچھ چھوڑ ہی نہیں جاتا، اگر اس کے سر کے بوجھ سے کچھ ملتا بھی ہے تو ہزاروں پاؤں کے نیچے لگاتار کچل کر کچھ ہی دیر میں خاک میں مل جاتا ہے۔ لیکن ایک بات اب بھی دیکھ رہی ہوں کسی کسی [illegible] رسیدہ شخص، کے مقدس قدم میں ایسا [illegible] بیج پڑ گیا ہے جو مٹی میں مل کر بھی اُگ اور بڑھ کر میرے پہلو میں مستقل طور پر کھڑا ہے اور مسافروں کو سایہ عطا کرتا ہے۔

میں کسی کی بھی منزل مقصود نہیں، سب کے لئے ایک راہ ہوں۔ میں کسی کا گھر نہیں لیکن سب کو گھر لے جاتی ہوں۔ مجھے رات دن یہ غم کھائے جاتا ہے کہ مجھ پر کوئی پاؤں نہیں رکھتا، مجھ پر کوئی گھر [illegible] نہیں جا بستا جن کا گھر بہت دور ہے وہ مجھے ہی کوستے اور بددعائیں دیتے ہیں میں برا نہیں، تنہائی صبر و ضبط کے ساتھ ان کے گھر کے دروازے تک پہنچا دیتی ہوں۔ اس کے لئے احسان مندی کا اظہار کون کرتا ہے۔ کون میرا شکریہ ادا کرتا ہے؟ وہ گھر جا کر آرام کرتے ہیں، گھر کی راحت سے گھرے رہتے ہیں اور مجھ پر صرف [illegible]

فلاحت سرخی سمت سمجھتے ہیں، صرف جدائی کا باعث مانتے ہیں۔ کیا اسی طرح بار بار وہ یہی سے گھر کے جھروکوں میں سے پر پھیلائے ہوئے، سورج کی روشنی میں آتی ہوئی میٹھی ہنسی کی لہر میرے پاس آتے ہی فضا میں غائب ہو جائے گی! گھر کے راحت و آرام کی ایک جھلک بھی مجھے میسر نہ آئے گی؟ کبھی کبھی یہ بھی مل جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہنستے ہنستے شور غل مچاتے ہوئے میرے پاس آ کر کھیلتے ہیں۔ ایسے گھر کی راحت و مسرت کا رنگ لیے آتے ہیں۔ اُن کے باپ کا اشیرواد اور دعا، اور ماں کی محبت گھر سے سر سڑک پر کر بھی گویا گھر بنا دیتے ہیں۔ میری خاک پر وہ محبت بسا جاتے ہیں، میری دھول کو وہ اپنے لس پر کر بیٹھتے ہیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے نرم و نازک ہاتھوں سے اس کی ڈھیری پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دے کر، تہائی محنت سے اسے سنوارنا چاہتے ہیں۔ صاف و بے داغ دل سے اس کے ساتھ میٹھی باتیں کیا کرتے ہیں۔ آہ! اتنی محبت پا کر بھی میری خاک اُس کا جواب تک نہیں دے سکتی!

چھوٹے چھوٹے نرم و نازک پاؤں جب میرے اوپر سے چلے جاتے ہیں، تو میں خود کو مسرور محسوس کرتی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے اُن کے پاؤں کو چوٹ لگتی ہوگی . . . . . کنول کی طرح نرم و نازک پاؤں ایسی سخت زمین پر کیوں چلتے ہیں، لیکن اگر وہ نہ چلتے تو شاید کہیں بھی سرسبز گھاس پیدا نہ ہوتی۔

[illegible] راہ حسب معمول گھر پہنچتے ہیں، انہیں میں اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ میں ان کا انتظار کیا کرتی ہوں۔ میں دل ہی دل میں ان کی شکل و شباہت کا تصور کر لیتی ہوں۔ بہت دن ہوئے ایسی ہی ایک عورت اپنے نرم و نازک پاؤں سے دوپہر کے وقت یہاں سے آتی —— چھوٹی چھوٹی دو جھانجھیں رُن جھن، رُن جھن کر کے بجتیں۔ شاید اس کے ہونٹوں میں قوت گویائی نہ تھی، شاید اس کی بڑی بڑی آنکھیں شام کی مدھم روشنی کے مانند اداس نگاہ سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہتی تھیں۔ اُس چبوترے والے درخت کی بائیں طرف جہاں سے میری ایک شاخ گاؤں کی طرف چلی گئی ہے، وہاں وہ پیڑ کے نیچے تھکی ہاری چپ چاپ کھڑی رہتی۔ ایک کسان اور دن بھر کا کام ختم کر کے گاتا گاتا آتا تھا۔ اس وقت گاؤں کی طرف چلا جاتا۔ شاید کسی کی طرف دیکھتا نہ تھا، کبھی ایسی ہی صبر تلا تھا۔ [illegible] اپنا [illegible] ختم کرتا تھا۔ اس کے چلے جانے پر وہ [illegible] پاؤں سے پھر اُسی راستے لوٹ جاتی، جس سے وہ آئی تھی۔ جب وہ [illegible]

سردی محسوس کرنے لگتی۔ اُس کے بعد کتوں کی کائیں کائیں بالکل ختم ہو جاتی، راہگیروں کا آنا جانا قریب قریب بند ہو جاتا تھا، ظلمت کی [illegible] ہوا سے [illegible] کے پتے سائیں سائیں کرنے لگتے۔ اسی طرح وہ دھند آہستہ آہستہ آتی اور اُسی طرح آہستہ آہستہ چلی جاتی۔

ایک دن —— پھاگن کے آخری روزوں میں دوپہر کے وقت تیز ہوا سے آم کے پتے جھڑ رہے تھے۔ تو وہ دوسرا [illegible] بہت رات گئے لڑکی گھر واپس گئی۔ جس طرح کسی کسی درخت کے خشک پتے جھڑ رہے تھے۔ اُسی طرح کبھی کبھی دو ایک بوند آنسو بھری خشک اور تپتی ہوئی گرد پر پڑتے تھے۔ اور خشک ہو جاتے تھے۔ اُس کے دوسرے روز وہ لڑکی اُسی درخت کے نیچے آ کر کھڑی ہوئی۔ لیکن اُس دن [illegible] وہ نہ آیا۔ پھر رات کو وہ آہستہ آہستہ گھر کی طرف چل دی۔ [illegible] اُس سے نہ چلا گیا۔ چلنے کی سکت ختم ہو گئی اور وہ میرے [illegible] میں لیٹ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر وہ [illegible]

کون ہو بیٹا! اس سنسان رات میں بھی کبھی کوئی میرے [illegible] پر آرام کرنے آتا ہے؟ تو کس کے پاس سے آئی ہے، کیا وہ مجھ سے [illegible] زیادہ سنگدل ہے! تو نے جس کی طرف دیکھا ہے، کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ اندھا ہے؟

لڑکی اُٹھ بیٹھی، کھڑی ہو گئی، آنسو پونچھ ڈالے —— سڑک چھوڑ کر چلی گئی۔ شاید وہ گھر لوٹ گئی۔ شاید وہ اب بھی [illegible] گھر کا کام دھندا کرتی ہوگی، شاید وہ کسی سے بھی اپنے کسی [illegible] بات نہیں کہتی، صرف کسی کسی دن شام کے وقت گھر کے صحن میں چاند کی چاندنی میں پاؤں پھیلا کر بیٹھی رہتی ہے۔ کوئی [illegible] تو چونک پڑتی اور فوراً اُٹھ کر اندر چلی جاتی ہے۔ لیکن میں نے اُس کے دوسرے دن سے آج تک پھر کبھی اُس کے پاؤں کا لمس محسوس نہیں کیا۔

ایسے کتنے ہی پاؤں کی آوازیں خاموش ہو چکی ہیں۔ میں کیا اتنی یاد رکھ سکتی ہوں، صرف اُن پاؤں کی [illegible] کبھی کبھی یاد آ جاتی ہے۔ لیکن کیا [illegible] کی فرصت ملتی ہے کہ کس کس کا غم کروں؟ [illegible] ہی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں!

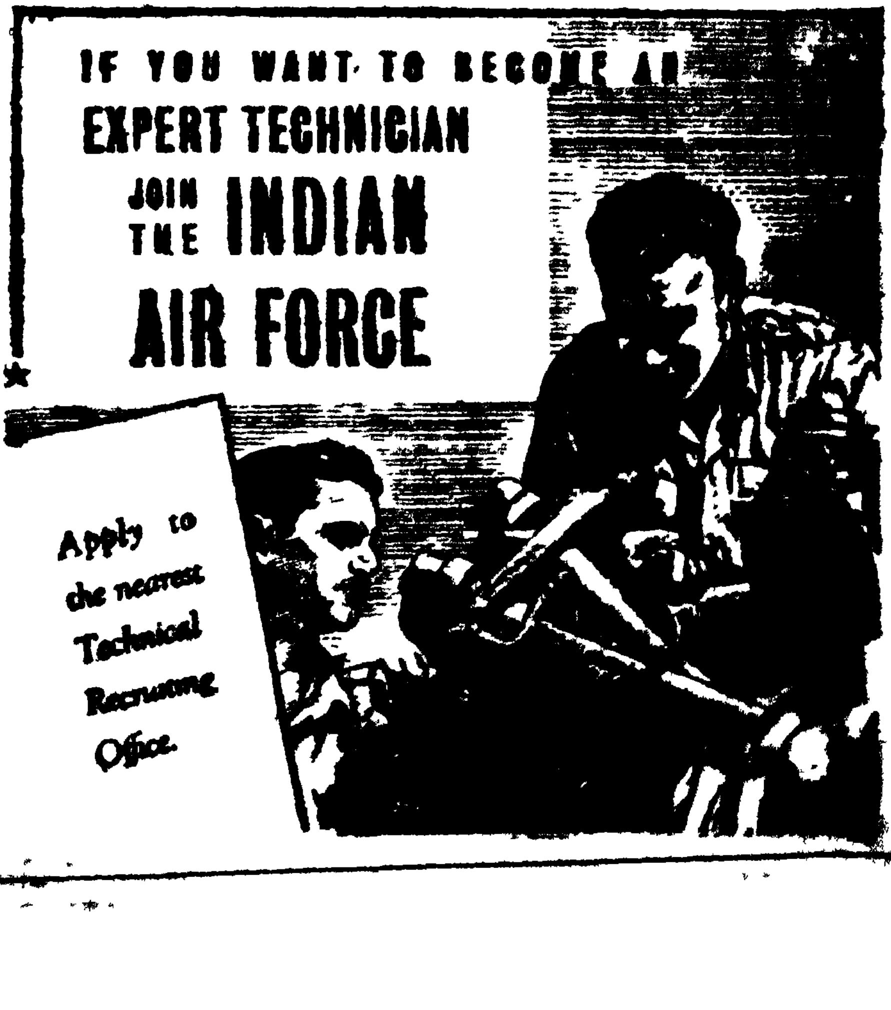
کیسی تیز دھوپ ہے! [illegible]

... کی طرح اڑتے چلے جا رہے ہیں جس نے منزل کو ... ونا۔ مگر یہ ماضی کا غم کرتا ہے حال کے لئے ... مستقبل کے لئے امید تھی ڈوبا سا ہے۔ لیکن منزل کا ... بیکراں نیز اہ لیتے ہوئے اجالوں میں کو ... اپنی عظمت پر اعتماد کرکے انتہائی عجب سے ... سکتا تھا کون اپنے قدموں کے نشاں ہمیشہ کے لئے ثبت کر جانے کا دعویٰ کرتا ہے جن کے لئے تم یہاں کی ہوا میں ٹھنڈی سانس چھوڑ جاتے ہو تمہارے چلے جانے پر کیونکر تمہارے لئے روئیں گے، غم کریں گے؟ کیا غبار ہوا ٹھہر سکتی ہے؟ یقیناً ایسی کوشش بیکار ہو گی۔ ہیں اپنے اوپر کچھ بھی پڑا نہیں رہنے دیتی ——— ... ... صرف تنہی اکیلی پڑی ہوں۔

(یزدانی جالندھری)

"آبشار" مصنفہ محترمہ آلِ محمودہ رضویہ ۔ حجم ۱۸۰ صفحات قیمت دو (۲) روپیہ
ناشر: ہندوستانی دارالاشاعت انجمن ترقی اردو کراچی

محترمہ محمودہ صاحبہ کی یہ ایک تازہ ترین تصنیف ہے جس میں ایک سو کے قریب ادب پارے نظر پڑتے ہیں۔ موصوفہ کے خیالات و جذبات پاکیزہ اور خدمت ادب کے سلسلہ میں یہ مساعی ہر لحاظ سے قابل ستائش ہیں۔ اگر محمودہ صاحبہ اپنے ان افسانوں پر نظر ڈال کر اشاعت کرتے ... تو ان کی تصانیف زیادہ قابل ... ہو سکتی ہے۔ ہر کیف "آبشار" ایک حسین اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔



آج کل

(از لسان الملک حضرت فضل احمد کریم فضلی)

اسبابِ زندگی کی ہر اک چیز ہے گراں
بس ایک زندگی ہے کہ ارزاں ہے آجکل

مشاطگیِ فلسفۂ مغربی نہ پوچھ!!
زلفِ خیال اور پریشاں ہے آجکل

سر رشتۂ خیال ہُوا جا رہا ہے گُم
کچھ ایسی اُلجھنوں میں مُسلماں ہے آجکل

قُدرت کی سرسری کے طریقے عجیب ہیں
یعنی لباسِ کفر میں ایماں ہے آجکل

بے رحمتِ شکار ہی کھائیگا کیا انہیں
کیوں گرگ بکریوں کا نگہباں ہے آجکل

رعنائیِ خیال کی گُلکاریاں گئیں
بس ہم ہیں اور خوابِ پریشاں ہے آجکل

معلوم ہو رہا ہے کہ منزل قریب ہے
کچھ تیز رَو سی عمرِ گریزاں ہے آجکل

(ہمایوں)

نیا چراغ

ہم جب اُٹھاؤ تم قیدِ وفا اُٹھائیں ہم
آؤ کہ اس جہاں سے دور، اور جہاں بسائیں ہم
ہم سرور کو نفس حاصلِ زندگی نہیں
سازِ سرور بسر ہی تو تمہیں سنائیں ہم
عشق ہی زندگی نہیں، حسن ہی زندگی نہیں
آؤ کہ ان حدود سے آگے قدم بڑھائیں ہم
مرحلۂ حیات میں خوابِ گرانِ عیش کیا
آؤ کہ اہلِ بزم کو خواب سے اب جگائیں ہم
شمعِ حریمِ عیش میں سوزِ درون کم ہی ہے
شمعِ حریمِ عیش کو آؤ کہ خود بجھائیں ہم
فتنۂ سوز و ساز کیا، عالمِ انتشار کیا
عالمِ انتشار کو آؤ کہ اب مٹائیں ہم

سوز میں انقلاب ہو ساز میں انقلاب ہو
ایک جہاں مٹائیں ہم ایک جہاں بسائیں ہم

دعوتِ انقلاب کا شمس و قمر کو انتظار
شامِ الم کو انتظار، نورِ سحر کو انتظار
دیدۂ نرگسِ چمن منتظرِ نسیم ہے
موجِ بہار زار کا برگِ شجر کو انتظار
قلب ہو تباہ حال کو فکرِ نمودِ انقلاب
آہِ تباہ حال کا تابِ اثر کو انتظار
صبر و سکون کا انتظار سینۂ بیقرار کو
عافیت و قرار کا قلب و نظر کو انتظار
عالمِ الملک و آہ کو فکرِ نشاطِ زندگی
دامنِ التفات کا دیدۂ تر کو انتظار
رہروِ پا شکستہ کو راہِ عمل کی جستجو
رہروِ سخت کوش کا راہگذر کو انتظار
تیغ و تبر کا انتظار دستِ غلامِ جبر کو
دستِ غلامِ جبر کا تیغ و تبر کو انتظار

عالمِ کہنہ سال سے تنگ ہے بندیِ جہاں
عالمِ نو ہو کا ہے شام و سحر کو انتظار

آؤ کہ ایک ساز پر نغمۂ نو سنائے جائیں
آؤ کہ زندگی کا راگ ایک ہی دھن میں گائے جائیں
آؤ کہ آج توڑ دیں قید کی ساری حدتیں
آؤ کہ مقصدِ حیات دہر کو ہم بتائے جائیں
آؤ کہ ہم مٹائے جائیں نقشِ دوامِ روحیات
آؤ کہ سنگِ راہ کو راہ سے ہم ہٹائے جائیں
آؤ کہ ہم الٹ دیں عہدِ قدیم کی بساط
آؤ کہ ہم بساطِ نو از سرِ نو بچھائے جائیں
آؤ کہ پھونک ہی نہ دیں شمعِ فروغِ کبر و ناز
سوزِ نہانِ بیکسی آؤ کہ ہم مٹائے جائیں
آؤ کہ پیرِ بزم سے چھین لیں بزمِ میکدہ
تشنہ لبانِ دہر کی تشنہ لبی بجھائے جائیں
غنچہ و برگ و بار میں ایک نئی حیات ہو
باغ نئے لگائے جائیں پھول نئے کھلائے جائیں

آؤ کہ ہم دکھلائے جائیں راہ نئی، روش نئی
آؤ کہ اک نیا چراغ بزم میں ہم جلائے جائیں

حسرت ترمذی بی اے ایل ایل بی

غزلیات

طفیل ہوشیار پوری

نگاہِ پاک سے حضرت جسے [illegible] دل بس لیتا
قیامت تک سے وہ رنجیت کمل نہیں ملتا

نظر جتنک سر پہ شوق سے پڑ نہ ہوتا
کبھی اُس کو نشانِ جادۂ منزل نہیں ملتا

یہ مادر میں موجود میں [illegible]
مگر اُس میں کوئی بھی آشنائے دل نہیں ملتا

یم ہستی میں ہوں [illegible]
لبِ ساحل سے ٹکرا کے بھی ساحل نہیں ملتا

درِ طور پر ابھی [illegible]
کلیم [illegible] کوئی سائل نہیں ملتا

نگاہ دل کسی سے [illegible]
جہاں کوئی بھی اس ہو کے قابل نہیں ملتا

[illegible] سودے کے [illegible] دلکر
جہاں میں کشتۂ لذت کا کوئی قاتل نہیں ملتا

سلیم طاہر

[illegible] دورِ آسمان مجھ کو
طلوعِ وحشت یک لحظہ بھی یہاں مجھکو

کچھ اس طرح سے [illegible]
مری نگاہ سے بھی کر گئے نہاں مجھکو

عجب طرح سے [illegible]
تمھارے بھسک دیا لاکے درمیاں مجھکو

قفس میں [illegible] بہاریں
چمن [illegible] کوئی جلاکے آشیاں مجھکو

ابھی تو آئی ہے [illegible]
ابھی تو عشق کا سودا ہے گراں مجھکو

[illegible] طاہر
سنائے ہیں وہ میری ہی داستاں مجھکو

محمد اسمٰعیل خان خادمی نظام آبادی

تو جمع رخِ یار کا پردہ [illegible]
دنیا کی نگاہوں میں تماشہ نہ بنائے

ہر جانب [illegible] کو
موسیٰ کی طرح طور کا نقشہ نہ جائے

سرگیاں [illegible] دکھاؤں
رہ رہ کے جو ہم [illegible] کا افسانہ جائے

پُرنفس نکا ہوئے۔ دیکھو مجھے لوگو
حالت ہے یہ تم کو بھی [illegible] جائے

دیوانگی [illegible] کر دنیا کی نگاہیں
ڈر ہے کہ مجھے مجنوں [illegible]

چرچا ہے ہر اک [illegible] کے علم کا
پر یہ کہیں خود کا ہی تماشہ نہ بنائے

[illegible] صاحبہ آف کھنڈری

[illegible] جاتا ہے
جو بھی میرا [illegible] ہے

کیا کہا؟ تجھ کو چاہتا ہے کون
چُپ رہو [illegible] آتا ہے

تم کسی کی طرف [illegible] کرو
کون دنیا سے دل لگاتا ہے

تم ستاؤ کہ تم سے مطلب ہے
یہ جہاں کیوں ہمیں ستاتا ہے

کیوں جدائی سے ہو چلی نفرت
کیا طبیعت کو ہوتا جاتا ہے

دل لگانے کا یہ نتیجہ ہے
دل کسی سے بھی [illegible] ہے

امام الدین رام نگری

[illegible] جو بار ہا ہوں تری جلوہ گاہ میں
ہے عرش پر دماغ [illegible]

کس نازنین کی آمد کا انتظار
آنکھیں بھی آ رہی ہیں نظر [illegible]

بہلا رہا ہوں دل کو کسی کے خیال میں
نقشہ جما رہا ہوں کسی کا نگا[illegible]

اُمید کی جھلک لئے مایوسیوں کے ساتھ
کچھ روشنی سی ہو [illegible]

[illegible] ہے کسی کے حسن کو دیکھا ہے [illegible]
بجلی سی کوندتی ہے ہماری نگاہ

اللہ کیا ہوئیں وہ محبت کی گرمیاں
[illegible] میں وہ تپش ہے نہ وہ [illegible]

حافظ [illegible] ہوں کسی کو فروغِ جاں
جلوہ [illegible] رہا ہوں کسی کا نگا[illegible]

ساقی صدیقی

رخِ رنگیں سے اٹھ گیا نقاب آہستہ آہستہ
نگاہِ شوق [illegible] آہستہ

[illegible] طلب میں [illegible]
[illegible] آہستہ

[illegible] تعویٰ شکن ہوتی ہے انگڑائی جوانی کی
[illegible] آہستہ

[illegible] رخ بدلتا ہے زمانے کا
لیا کرتا ہے کروٹ انقلاب آہستہ

میں ساقی میکدے میں [illegible]
[illegible] آہستہ

آغا مظفر کاشمیری

کیا کہیں تجھ سے عشق میں وہ تیر دوست
ہو گئے قلب و جگر کو [illegible]

لٹ گیا میرا جہانِ آرزو
ہو چکی اب خواب کی تعبیر

رات ہے تاریک منزل دور ہے
ساتھ ہے بگڑی ہوئی تقدیر

[illegible] دل کے ہیں [illegible]
ہے ترے ظلموں میں کیا [illegible]

مضطرِ خستہ کی ہر دل کا [illegible]
شب کی تاریکی میں [illegible]

عرش حیدری دہلوی

دیکھ کر حسنِ یار کا عالم
کون دیکھے بہار [illegible]

اُس رخِ پردہ دار کا عالم
آئینے پہ غبار [illegible]

سوزِ دل سے جلا دئے آنسو
ٹھنڈک ہے آبشار [illegible]

حسنِ بیگانہ وار سے پوچھو
عشقِ دیوانہ وار [illegible]

نگرِ مست سے پیا
[illegible] خمار [illegible]

مدعا کہہ کے دیکھئے اک دن
[illegible]

تمتمائے ہوئے سے چہرے میں
[illegible] انتظار [illegible]

[illegible] پسند کیا جائے
[illegible] خاک [illegible]

حضرت نازش [illegible] دہلوی

ابھی تک تمہاری رضا چاہتا ہوں | [illegible] کیا چاہتا ہوں
[illegible] کامل [illegible] | نظر انقلاب [illegible] چاہتا ہوں
[illegible] کی [illegible] | نگاہوں سے پوچھو میں کیا چاہتا ہوں
[illegible] | میں [illegible] ہوں
[illegible] نازش | قریب تبسم [illegible] چاہتا ہوں

[illegible] احسن جاوید رہبری (پورساری)

[illegible] | نہ پوچھتا ہے اک دن [illegible]
[illegible] عشق سے | پھر [illegible] گی شمع پروانے کے بعد
[illegible] دلگداز | اک [illegible] کے بعد
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible] کامل جانے [illegible]

حافظ محمد [illegible] اسبنوی [illegible]

جلتی [illegible] ہوں | [illegible] حال ہوں
[illegible] ہوں | پریشاں کارواں در کارواں ہوں
[illegible] زندگانی | کبھی [illegible] کبھی [illegible] ہوں
[illegible] | [illegible] ہوں
[illegible] کیا [illegible] | مجسم [illegible] کی داستاں ہوں
[illegible] چھیڑو | [illegible] بیاں ہوں
[illegible] | شریک بزم اہل [illegible] ہوں

[illegible] عندلیب اکبرآبادی

[illegible] پیدا آیا | یہ وقت مجھ کو محبت میں بار بار آیا
[illegible] آیا | میں [illegible] سے گدا [illegible] آیا
[illegible] جب قرار آیا | [illegible] کا نام [illegible]
[illegible] | الہی خیر ہو [illegible] آیا
[illegible] | مجھے [illegible] آیا
[illegible] | کہ [illegible] آیا
[illegible] عندلیب [illegible] | ہیں قفس [illegible] آیا

[illegible] سلطان شیدا کراچی

[illegible] منصور کر دوں | محبت کو پابند دستور کر دوں
[illegible] میری [illegible] میں | [illegible] کر دوں

[illegible] | محبت کے [illegible] کر دوں
[illegible] | [illegible] کر دوں
[illegible] | [illegible] ایک [illegible] کر دوں
[illegible] | کرتا ہوں [illegible]

[illegible] سیالکوٹ

[illegible] جاتی ہے | [illegible] جاتی ہے
[illegible] | [illegible] جاتی ہے
[illegible] | [illegible] جاتی ہے
[illegible] | [illegible] جاتی ہے
[illegible] | [illegible] جاتی ہے
[illegible] | [illegible] جاتی ہے

[illegible] آکرمانی

[illegible] کریں گے ہم | [illegible] کریں گے ہم
[illegible] | [illegible] کریں گے ہم
[illegible] | [illegible] کریں گے ہم
[illegible] | [illegible] کریں گے ہم
[illegible] | [illegible] کریں گے ہم

[illegible] مرتضی [illegible]

[illegible] | [illegible] دل لگی سمجھے
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible] سمجھے
[illegible] | [illegible] سمجھے
[illegible] | [illegible] سمجھے
[illegible] | [illegible] سمجھے
[illegible] | [illegible] سمجھے

[illegible] جعفری [illegible]

[illegible] حیات | دن گذر [illegible] رات
[illegible] | [illegible] آرام [illegible]
[illegible] کا موسم [illegible] | [illegible] کی ہوگی برسات
[illegible] | [illegible] حسن کی ذات
وہ بھی تعبیر کا ہے شکار | [illegible] ہے تمہات

زندگی

(۱)

کُسم نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سورج بہت چڑھ آیا تھا کھڑکی کے راستے تیز چمک دار دھوپ نے کمرے کے اندر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ آج کتنا دن چڑھ گیا۔ میں بھی کتنی کاہل ہوتی جا رہی ہوں اُس نے سوچا لیکن ان کا انتظار کرتے کرتے سوئی بھی تو تھی ڈیڑھ بجے سر گھما کر دیکھنے پر اُسے معلوم ہوا کہ اس کے سوامی جی سو رہے نہ معلوم کس وقت آ کر پلنگ پر سو گئے تھے۔ وہ بلا آواز کے آتے ہوں گے [illegible] پڑی ہوئی کسم نے انہیں جگایا نہیں۔ وہ دودھ بھی نہیں پیا۔ بستر دیکھ کر کسم کے دل سے ایک ہلکی سی سانس نکل پڑی۔ منہ پر رکھی ہوئی لٹوں کو پیچھے کر لیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ [illegible] سے آیا دودھ پینا اور اُٹھ کر پلنگ پر سلانے کی باتیں کسم کے لئے اتنی عجیب ہو گئی تھیں مگر ان کو سوچ کر دل ہی دل میں کسم بہت دیر تک غمگین نہ رہ سکی۔

چھت سے اترتے ہوئے یوں ہی اُس نے پچھواڑے کی گلی میں نظر ڈالی۔ دیکھا محلہ کی بھنگن گلی میں جھاڑو لگاتی لگاتی کہہ رہی تھی "موندی کا ناٹا [illegible] ابھی تک سو رہا ہے ایسی کس حال جیون کی [illegible] کو رو رہا ہے۔ رات گھنٹے عادت سے آٹھ بجے آتے ہیں ابھی تک لاٹ صاحب کے مالی کا کچھ پتہ ہی نہیں ہے؟"

"کیا [illegible]" کسم نے اوپر سے پوچھا "کون لاٹ صاحب کا مالی ہے ری؟"

بھنگن جی سوچتی بستی سے بڑبڑاتا [illegible] کرتے ہوئے اور [illegible] ناک چڑھاتے ہوئے بولی

"[illegible] لاٹ صاحب کا مالی۔ ابھی کا تو راج ہے ان کا۔ پھر آج گھر تو آئے [illegible] کے جھاڑو مار مار کر لاٹ صاحبی جھاڑ دوں گی بے کس ہوں میں۔ کمینہ..." اور جھنجھلاتی ہوئی بستی کوڑے کا ٹوکرا اٹھا کر دوسری طرف چلی گئی۔

کسم کی اداسی بستی کی اس بے چارگی تقریر سے دور سی ہو گئی۔ نیچے جاتے جاتے اُس نے سوچا "یہ نیچ ذات بھی خوب ہوتی ہے بابا... کیسی گالیاں دے رہی ہے اپنے پتی کو۔ اسے تمیز تو یہ کمین کہلاتے عورت ذات ہو کر کیسی سر چڑھ رہی ہے۔ ارے ہمارے سے بھی تو رات کر تمہیں [illegible] پھر گھر میں گھستے ہیں۔ مگر مجال کیا ہے جوں بھی کروں ذرا بہت دل دکھا تو چھپ کے دو آنسو بہا لئے" پھر نیچے آ کر کسم کام میں لگ گئی۔ نہا دھو کر چولہا جلایا۔ دودھ ابالا چائے بنائی۔ بیچ بیچ میں دو بار نوکر کو بھیج کر دکھلوایا کہ جاگے یا نہیں۔ سو رہے تھے۔ اچار رکھی رکھی کالی پڑتی ہوئی چائے نوکر کو دے کر وہ خود کھانا پکانے میں جٹ گئی۔ دو چولہوں پر جلدی جلدی دال ترکاری، چاول اور روٹی بنا لی۔ ساڑھے نو بجے تھے کہ نوکر نے آ کر کہا "بہو جی، بابو جی جاگے ہیں"

چولہے پر کا توا جلدی سے اتار کر کسم نے چائے کا پانی رکھا اور ساتھ کہلا بھیجا کہ ساڑھے نو بج گئے ہیں جلدی کریں۔

دس منٹ میں نوکر نے لوٹ کر بتایا کہ "بہو جی! بابو جی کہتے ہیں۔ سر میں درد اور خشکی ہے بھاری بھی ہے۔ کھانا نہیں کھائیں گے"

کسم چپ رہ گئی۔ دیر ہونے کے [illegible] کھانا [illegible] کیا اور وہ نہیں کھائیں گے۔ پیٹ بیچارے کا آدھی رات تک [illegible] چلیں گے۔ تین بجے سوئیں گے۔ دس اٹھیں گے تو خشکی اور درد نہ ہوگا تو کیا ہوگا؟ جلے بھنے دل سے آٹا اٹھا کر رکھنے لگی۔ جی چاہتا تھا کہ اوپر جا کر خوب [illegible] لے لیکن وہ شریف گھر کی لڑکی ہے۔ بڑے گھر کی نیک بہو ہے اسے پرماتما پتی کے حکم پر چلنا ہے۔

[illegible] کر دو بار اس نے نیچے سے پکار کر کہا "کیا کچھ نہیں کھائیں گے؟"

[illegible] پانچ منٹ سوچ کر جیسے بار لے ادھر سے:

"[illegible] کھانا نہیں۔ ہاں مونگ کی دال [illegible] مانگتا۔ روٹی ہضم نہ ہوگی"

مونگ کی دال [illegible] کسم کا دل [illegible] بیٹھ کر پہلے ہی [illegible]

[illegible] سنبھال ڈال کر کمرے کی صفائی سے تک تیار کر لی
[illegible] دس بجے منیش بابو اپنی ساری عمر کی فکر کو سنبھالے ہوئے
[illegible] سنبھالے تھے

کام کاج [illegible] بجے تک نپٹا کر کُسُم کھانے بیٹھی۔ بسنتی سامنے
بیٹھی کھا رہی [illegible] آتے

'بہو جی روٹی؟' باہر سے بسنتی نے آواز لگائی

'اری اندر آجا۔ ویسے ہی بھوک بھی نہیں ہے' کھاتے کھاتے
[illegible] زندگی کے سوچنے پر اسے مجبور کیا۔ کسی طرح ہلکا سا کر رہے

'جلدی دیجئے بہو جی،' بسنتی نے آنکھیں اٹھاتے ہوئے کہا

'کیوں بگڑ رہی تھی تمہارا پرسوں سے سو رہے؟' کُسُم نے دریافت کیا

اور بسنتی کا دل کوہ آتش فشاں کی طرح پھوٹ پڑا

'ارے بہو جی میری قسمت خراب ہو گئی۔ اس مردوئے کے ساتھ
کیوں آئی میں کا۔ سالا کالج کا دشمن [illegible] کا کام [illegible]
اس خراب چھکو جوا کھیلنے کو دے دو۔ رات ہی [illegible] صاحب کی کوٹھی سے
چار روپے ملے تھے۔ سو جوئے میں [illegible] رات بھر [illegible] رہا۔ اب آیا
پھونک پھانک کر چاروں روپے [illegible] سوچ رہا ہے [illegible] تھا
کھلے ہیں [illegible] دل ہی دل میں بسنتی
[illegible] سے خوش ہوتے ہوئے کہ میں تو کہتی ہوں ایک ٹانگ ٹوٹ جاتی
ٹھیک رہتا۔'

'مرد اکثر ایسے ہی ہیں'، کُسُم نے ظاہری غصے سے کہا۔ شرم نہیں
آتی اپنے آدمی کو کوستے ہوئے کہ ٹانگ ٹوٹ جائے۔ بے وقوف ہی ہو نیک [illegible]
چاہے ایسا شرابی جواری [illegible] گالیوں میں [illegible] تھا مزا آ
رہا تھا اور اس کا جی چاہتا تھا کہ بسنتی اسی طرح گالیاں دیتی رہے۔ دیتی
رہے۔ 'ایسے پتی کو دور سے سلام۔' بسنتی نے [illegible] کی روٹیاں سمیٹتے
ہوئے جواب دیا۔ 'کمانے کھلانے کے لئے تو پتی نہیں ہے۔ مار پیٹنے
اور عیاشی کرنے کو پتی ہے۔ میں نے بھی تو آج ایسی ایسی سنائی ہیں کہ
یاد کرے گا [illegible] جلدی کر' اس نے بیچ
میں ہی اپنی کتھا بند کرتے ہوئے کہا۔ 'دیر ہو رہی ہے۔ رو رہا ہوگا
بچہ کا بسنتی کی جان کو۔'

کُسُم نے روٹی دی اور بسنتی چلی گئی۔

کُسُم سوچتی رہی۔ آخر وہ بھی عورت ہے [illegible] کہیں [illegible]
[illegible] اپنے شوہر سے مرد اور عورت سب برابر۔
[illegible] گئی۔

(۲)

کھڑکی کی ڈنڈی پکڑے ہوئے کُسُم غور سے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سامنے بڑے میدان میں کالج کے لڑکے ہاکی کھیل رہے تھے اس کا دل گیند کے ساتھ ساتھ دوڑتا پھرتا تھا۔ کاش وہ بھی لڑکا ہوتی [illegible] لال قمیض اور نیکر پہن کر میدان میں دوڑ لگاتی۔ وہ چونک گئی کسی نے پیچھے سے اس کا کندھا بڑے زور سے جھنجھوڑا۔ ساتھ ہی منیش بابو کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی کہہ رہے تھے 'جہاں شرم تو سب نے گھول کر پی لی ہے۔ اس طرح آنکھیں پھاڑے ادھر ادھر کیا دیکھ رہی ہو۔ کیا کبھی لڑکے نہیں دیکھے'

کُسُم نے ایک جھٹکے سے سر گھمایا اور کھڑکی سے ہٹ کر دور آگئی [illegible] شرم و ندامت اور بدگمانی [illegible] کی۔ جس سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے

منیش بابو نے وہ آنسو دیکھ لئے ہوں تو بات نہیں مگر کُسُم نے [illegible] ان کی [illegible] قیمت ہی ہے [illegible] تو وہ [illegible] ہی لئے تھے۔ پہلے کی طرح وہ [illegible] 'کچھ تو خیال رکھا کرو ادھر سے ہر روز آدمی گزرتے ہیں۔ ان میں کتنے ہی میرے دوست ملنے والے ہوتے ہیں۔ بس یوں جھک [illegible] جھانکتے پائے ہوں گے تو دل میں کیا خیال کرتے ہوں گے [illegible] گھر کی بہو بیٹیوں کا یوں کھڑکی [illegible] سے جھانکنے کا کیا کام ہے۔' پھر چپ کر [illegible] ٹوٹے ہوئے [illegible] دوسری [illegible] راما سے [illegible] دونوں [illegible] گئے [illegible] میل [illegible] لگا دینا [illegible]

کُسُم سہمی رہی [illegible] کان [illegible] تھے اور دل میں نہ جانے کیا کیا خیال آ رہے تھے۔ منیش بابو چلے گئے۔ کُسُم وہیں دیوار کے ساتھ کھڑی رہی بت بنی ہوئی۔ نہ جانے کب تک [illegible] پیچھے سے راما نے [illegible] کہا 'بہو جی، بابو جی کے چار دوست آئے ہیں۔ کہا ہے [illegible]'

'چار دوست' [illegible] گری پڑ رہی [illegible] جیسے تیسے ابھی آدھ گھنٹہ [illegible] باورچی خانہ سے کہا [illegible] میں بھر دینا ہوگا' [illegible] دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر کر کُسُم باورچی خانہ میں آگئی

اس رات نیند نہیں آئی کُسُم کو [illegible] کبھی [illegible] نہیں دیکھا جیسے آپ ہیں [illegible] ویسا ہی دوسروں کو سمجھتے ہیں۔ اس قدر کمینہ خیالات ہیں ان کے۔ سوچتے سوچتے اس کا [illegible] ہاں۔ مجھے ہیں کیا سوچ گئی؟ جیسے ہی [illegible]

رہتی ہی۔ دل سے اس خیال کو ہٹانے کے لئے وہ میکے کی باتیں
لی۔۔۔ اچھا منّو کتنا بڑا ہو گیا ہوگا بھابی کے اس بار لڑکی ہی ہوگی
یں سب رات گذر گئی۔ دن کو وہی جھگڑے بکھیڑے بہارہ سے
کھا کر پان لگا رہی تھی کہ بسنتی کی آواز سنائی دی "بہو جی روٹی
ئے؟" اور اس دل سے کُسم نے روٹی لا کر اس کے ہاتھ میں ڈال دی تج
سے بولنے کو بھی دل نہ چاہتا تھا۔ کہ بسنتی نے کہا بہو جی تھوڑی
اری ہو تو دے دو۔ ہ نہیں دال کھ دوں ل گھر ایک ٹکڑا
ڈ تھی نہیں۔ سمجھ گیا ۔ اُس ۔ ۔ ئے مجھکو ۔ ۔ ۔ دل
ہی کو کھلانی پڑے۔ مگر اس کے لئے ۔ سے جاؤنگی۔
کیوں؟ کیوں؟ آخر آج کرانی سزا کیوں دے رہی ہے بچار
کُسم نے اس سے چھڑانے کو دھوکے میں سے کہا تو وہ بڑبڑ سیدھے
سیدھا۔ بسنتی کو جیسے جلد ۔ لگ رہ چھُو گیا ۔ ۔ ۔ سدھے
پر سہات جھاڑ واور حقے کا پانی۔ جرانی جیسا آپ بدمعاش سے
ی دوسرے کو بھی سمجھتا ہے۔ آپ زنگی گلی جھک در ما جر بے
ہ کسی سے ہنسنے بولے بھی دیکھ لیا تو جل مر جائیگا ۔ ۔ ۔
را آئی۔ کس گندہ آدمی کے ساتھ عیب لگا رہا تھا کمینہ۔ سو
ارے ٹھیک ہے بہا کُسم نے متفکر ہو کر کہا اس سے لگا دیا
یب۔ گالیاں؟ مجھے ہی دے لیجئو
ارے بہو جی! اس بسنتی نے سر نیچے کر کے کانا پھوسی کرتے ہوئے
وہ بے رنگی کے تڑوالا انسان ہر دردر دستے جس کا اتا پتا
رہتے ہیں۔ ۔ سا نام ہے ان کا ۔ ۔ جس کی ہو
اسے ۔ لئے میکے گئی ہیں انہیں کے ساتھ۔ بچارے جیسے کے
سے رہے تھے۔ برتاؤ اُن کا اچھا ہے اور وہ آدمی ہی نہیں کم
چھنے لگے کلوا کے حال چال اور بہو جی جھوٹ کیوں بولوں مجھے
ن کی کتھا کہتے سنتے ذرا دیر لگ گئی اُس نے کہیں دیکھ لیا۔
بڑی دیر میں اُس گھر سے نکلی ہوں۔ بس کہنے لگا "جب بے
ابرؤں کی آنکھوں میں چڑھی ہے تو غریب کلوا کیوں پسند آئیگا۔
ہی لگ گئی میرے تن بدن میں۔ جی میں تو آئی تھی کھینچ کر جھاڑو
منہ پر مول کے۔ پر غم کھا گئی کہ جانے دو۔ کہا مردیر ہاتھ
دن۔ جیسا آپ ہے بدمعاش جواری ۔۔۔ ارے کرنا ہوگا تو
ل دیل بسی ہوں۔ بسنتی بنا کے کہتی گئی برابر دُگنا کام
ہلی ساتھ ہی گرہستی سنبھالتی ہوں۔ کیوں ڈروں اُس سے
پلنگ پر بیٹھ کر کھاتا ہے۔ جو ایسی باتیں سنوں پھر سچ ہو تو

آدمی شکن بھی ہے۔

"اچھا تو دُو لیکن" کُسم نے روٹی پر اچار اور ترکاری رکھتے ہوئے
کہا "مرد کے منہ نہیں لگا کرتے۔ ہم کیا کام نہیں کرتے۔ نہیں بھی تیرے
بابو جی الٹی سیدھی سنا ڈالتے ہیں تو کیا تیری طرح سر پھوڑنے لگیں؟"
"بھلا بہو جی ہماری آپ کی برابری کیا۔ کچھ برا نہ ماننا بہو جی گھر
سے کام کو مرد کا ہاتھ تھوڑا سی بٹتے ہیں۔ وہ تو اپنے گھر کا ٹھہرا مدد بھی آپ
کی بات پر مرد ہی کرتے ہیں پھر جو کھلاتا ہے اُس کی دو بات بھی
سنی جاتی ہے میں کیوں سنوں اس موئے کی باتیں" اُس نے ایک
نوالہ نگلتے ہوئے کہا "لاؤ بہو جی تھوڑا سا پانی پلوا دو"
کُسم نے دور سے پانی ڈال دیا
"تھوڑا سا مجھے چھوڑ دیا، بس" کہتے کہتے بسنتی نے باقی بچی
روٹی کھانے کی مانند میں ڈال دی۔ پھر چلی گئی۔ کُسم اسے منع نہیں کر سکی
کہ تو کیوں ڈال رہی ہے۔ کلوا کو تو وہ جانتی تھی۔ کہ نکما۔ کاہل بھاری
تھا۔ لیکن اور سارے عیب سی ہیں اُس میں۔ دو برس پہلے ہی موئے نے سی
بسنتی کو مار مار کر اس سے پھر نیا دیا تھا گاؤں سے جب بیاہ کر کے
لایا تھا۔ تب کیسی تندرست تھی۔ خود کُسم بھی نو شادا ب اور دیکھنے ہو
گلاب کی پھول کی طرح سے تھی۔ کبھی تو سا ہر کر بیاہا تھا اس کا بھی ہو تو
بسنتی سے بھی گئی گذری ہو گئی ہے اب تو۔ بسنتی کے تو دو بچے بھی ہو کر
مر گئے۔ پھر بھی کُسم سے اچھی بھلی ہے۔ اس پر بھی ہائے ہائے کرتی رہتی
ہے۔ اس کی جان کر ۔ ۔ ۔ اُس کی اور کُسم کی برابری کیا پھر کلوا اور وہ
۔ ۔ ہو جائیں گے رام رام۔ مگر اس رام رام سے فائدہ کیا ہو سکتا ہے

(۳)

ایسے ہی گرمیاں ختم ہو گئیں۔ کُسم آجکل بیمار رہتی ہے۔ ڈاکٹر نے
تپ دق کے آثار بتلائے ہیں۔ علاج میں کسی طرح کی کمی نہیں ہے
ایک دائی کُسم کی دوا دارو اور دیکھ ریکھ کے لئے ہی رکھی گئی ہے لیکن
کُسم پھر بھی مرجھائی جا رہی ہے۔ روز بروز اُس کی خواہش ہوتی ہے
کہ وہ یہاں سے دور بہت دور چلی جائے۔ جہاں کے دکھاوے کی
مصنوعی خدمت کی پرواہ نہ ہو۔ مگر کہاں چھٹکارا مل سکتا ہے اسے
میکے تک بھیجنا تو پسند نہیں کرتے ہیش بابو۔
اُس دن کُسم کی طبیعت اور حالت اچھی معلوم ہوتی تھی مگر
پانی سے نہا کر اور شال اوڑھ کر وہ اوپر چلی گئی۔ اور دھوپ میں
پلنگ بچھوا کر لیٹ گئی۔
ذرا سی آنکھ جھپکی تھی کہ گلی کے شور سے اُس

ٹوٹ گئی۔ دم بھری رہ گئی، گھڑا بیچ ہی میں اوندھا پڑا رہ گیا [illegible] گھبرا کر دیکھا تو عجیب منظر تھا۔ کلوا بسنتی کا چونڈا پکڑے گلی میں گھسیٹ رہا تھا اور بسنتی اونچی آواز میں روتے روتے کہہ رہی تھی "[illegible] چھوڑ دے نہیں تو آج تیری سب ہڈیاں توڑ دوں گی۔ چھوڑ دے۔ چھوڑ دے اسے قصائی [illegible]"

کلوا نے اس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ مارتے ہوئے کہا "قصائی کی بچی۔ آج یاد رکھے گی [illegible] ہی ہوں [illegible] صبح کرنے پر بھی کیسے رہ گئی وہاں [illegible] اب بھی نہیں۔ کون دم نکل رہا تھا تیری [illegible] کا، [illegible] حکم دیا [illegible] اس کو اچھا کرنے کے لئے رکھ گئی"

"ہاں ہاں اچھی رہی، [illegible] کے گھر رہی تھی [illegible] گھر ہی تو تھی [illegible] کپڑے [illegible] ملتا ہے وہ تیری [illegible] لگتی ہے، اماں۔ بس کر" کشم کا کلیجہ تھرا گیا۔ کلوا نے اس کے بال چھوڑ کر ایک دو ہتھڑ اس کی پیٹھ پر جما دیا "سالی [illegible] برابر [illegible] ہے"

گلی میں بھیڑ جمع ہو گئی تھی پر کوئی اسے منع کرنے والا نہ تھا۔ منع کون کرے۔ اس کی بیوی تھی اس کا [illegible] مارے یا چھوڑے۔ کشم کا جی چاہتا تھا کہ اس وقت کوئی کلوا کے دو چار ہاتھ [illegible] دھائیں دھائیں۔ دھما دھم کلوا کے ہاتھ برس رہے تھے۔

"ارے میری پیاری!" بسنتی چیخ کر [illegible] پڑی ہوئی ٹوکری سے جھاڑو نکال کر گھماتے ہوئے بولی [illegible] پکی ہوں، اچھا اب سیدھے [illegible] ہے تیرے۔ اٹھ رہوں تو اپنے باپ کی [illegible]۔ بہت سہا۔ اب نہیں سہوں گی"

کلوا پھر مارنے کو لپکا ہی تھا کہ اس نے جھاڑو تان کر کہا "ہاتھ لگایا تو سچ کہتی ہوں، جھاڑو مار دوں گی کھینچ کے۔ آج [illegible] تھا جگال تک ہی تھی [illegible]"

"شہر حرامزادی!" کلوا اس کی گردن پکڑ رہی تھی کہ بسنتی نے جھاڑو کھینچ کر اس کے منہ پر دے ماری۔ بلبلا گیا کلوا [illegible] پر کئی خراشیں آ گئیں۔ لڑکھڑا کر دیوار پکڑ لی اس نے۔

کشم کا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔ بھول گئی وہ کہ کلوا کو کس نے مارا ہے۔ اس کی جی چاہا [illegible] بسنتی کی کمر سے لپٹ گیا اور [illegible] اس کے چنگل سے نکل گئی۔ سر پر

پاؤں رکھ کر۔

کئی دن دن بھر پاخانہ پڑا رہا گندہ۔ صفائی کرنے والی بسنتی بھی آئی اور نہ کلوا ہی۔ دوسرے دن کوئی گیارہ بجے کلوا آیا تو کشم نے جھلا کر کہا "واہ جمعدار کل دونوں وقت نہیں آئے آج بھی دوپہر چڑھ دی۔ مارے بو کے دماغ سڑا جاتا ہے تم لوگ بھی اس [illegible] کے جھوٹ ہو۔"

کلوا [illegible] تاؤں ہو رہی۔ اس حرامزادی [illegible] کل سے [illegible] کی تلاش میں رہا۔ سویرے پتہ چلا ہے کہ وہ اپنے ماں کے گھر [illegible] پور بھاگ گئی ہے سالی [illegible] تو میں [illegible] اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دوں تو [illegible] ناک کاٹ کر چھوڑوں گا [illegible] رہا ہوں [illegible] تب مجھے [illegible] گھر [illegible] دکھی کر دیا۔ اس سے بچے [illegible] نہیں تھا۔ [illegible] صاف کرنے کو کہہ کر اندر چلی گئی کلوا کی پریشانی دیکھ کر وہ ہنستی تھی [illegible] ایک دن سارا کام [illegible] پڑا تو [illegible] مارے [illegible] گئے بسنتی بھاگ [illegible] گئی [illegible] لیا پیچ [illegible] ٹھہرے اور [illegible] دعا [illegible] تھی۔ اسے [illegible] گالی بکنے کی عادت کبھی پہلے نہ تھی کلوا کی مار [illegible] اس کی زبان کھل گئی تھی بہت دیر تک وہ بسنتی کی بابت سوچتی رہی۔

پھر [illegible] بسنتی [illegible] سے نکال کر دیا کلوا نے [illegible] بسنتی [illegible] سر چوٹ کے [illegible] فیصلہ دیا کلو [illegible] سے کوئی فائدہ نہیں [illegible] تیرے ساتھ کر [illegible] دن بعد بھاگ جائے گی تو کب تک پیرا دیگا [illegible] اور آج [illegible] بھی جائے گی

بس چھٹا چھٹول ہو گئی [illegible] بسنتی [illegible] گیا، [illegible] کا یہ اس کی کاجوڑا اور ہاتھ پاؤں کے کالے کے کڑے نہیں اس سے [illegible] کلوا کے [illegible] پھینک دیا تھا۔

تیسرے دن بسنتی پھر [illegible] دکھلائی دے گی [illegible] چھینٹ کا لہنگا اور [illegible] گلابی رنگ کا نیا دوپٹہ پہنے وہ گلاب کے پھول کی طرح نکھری نکھرائی۔ نئی جھاڑو نخرے کرا [illegible]

پر آ پہنچی۔ کیونکہ ان سے ہی چار سال تک [illegible] کلوا کوشش کرکے بھی [illegible] کلا [illegible] تھا بھی تو کس [illegible] پر [illegible] کی سڑک اور [illegible] کی کوٹھی میں اس سے [illegible] ملتی تھی

رام رام بہو جی [illegible] [illegible] ڈھے پڑ لو [illegible] کہا۔

"اچھا ہی ہے" [illegible] ایک سوکھی مسکراہٹ منہ پر لاتے ہوئے کہا "[illegible] سو گئے [illegible] دل ہے۔ پھر [illegible] کر لوں ارے جوانی تو آج تیرے ہی حصے پڑی ہے [illegible] تجھ پہ [illegible] جوڑا ہے"

[illegible]

[illegible]

کون جوا کھیلنے والا [illegible] تو [illegible] گیا۔ اب تو ایسا کما تا ایسا کھاتا

بسنتی کی آنکھیں خودداری سے چمکنے لگیں۔ پھر ذرا تھم کر بولی "آپ تو آدھی بھی نہیں رہیں کیا ہوا جا رہا ہے؟"

"کچھ نہیں رہی میری قسمت کا پھل ہے میرے ساتھ ہی جائیگی" کشم نے شکرگزار جواب دیا۔

"رام رام بہو جی [illegible] بھگوان چاہیں گے تو جلدی ہی اچھی ہو جاؤگی"

[illegible] بسنتی چلی گئی۔ کشم سوچتی رہی بھگوان چاہیں گے بھگوان تو بہت [illegible] زندگی میں [illegible] لاچار مجبور ستائے چہروں کی لاج نبھا رہے ہیں پر مجھے کس [illegible] دیتے ناک حرکت [illegible] کھڑکی ہو [illegible] کی منت [illegible] کا [illegible] دیوتا ہے۔۔ دیوتا۔ عجیب خیالات اس کے دماغ میں ٹکرانے لگے شرابی۔ جواری [illegible] اور اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ نہ جانے کب کشم کی آنکھ لگ گئی۔

(۴)

بسنتی نے دوسرا گھر کر لیا۔ وہ دیکھ [illegible] کہ اس نے اس بار [illegible] کا ہاتھ پکڑا ہے کوئی عیب نہیں [illegible] بسنتی اب بہت سکھی ہے [illegible] نہیں۔ مزے سے دونوں آکر مل صاف کرتے ہیں۔ دونوں مل کر سڑک جھاڑتے ہیں۔ ہر دم ساتھ رہتے ہیں۔ کشم کو بھی۔ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ بسنتی کو وہ کچھ برا بھی نہیں کہنا چاہتی۔ مگر اس کا دل بسنتی کو اچھا نہیں سمجھا پاتا۔ بسنتی کو دوسرے گھر کر لینے پر وہ اس کو پہلے کی طرح چاہتی ہے

[illegible] ان [illegible] سے اتنا کیوں گھلتی ملتی ہو" ہیش بابو نے آخر ایک دن کہہ ہی تو دیا "اس حرامزادی بسنتی کو دیکھ کر مجھے آگ لگ جاتی ہے۔ ان ہی لوگوں نے ہندوستان کو نقصان پہنچایا ہے [illegible] کے بعد [illegible] ان کے یہاں [illegible] شادی کر ہی لیتے ہیں مگر اس نے [illegible] کو چھوڑ کر دوسرا کر لیا [illegible] آوارہ عورتوں سے [illegible] بیچارہ کلوا رو رہا تھا۔ اس کی دوسری [illegible] بھی مال متاع لے کر بھاگ گئی

"بیچارہ کلوا" کشم کے منہ پر مسکراہٹ آ گئی۔ "بڑا بیچارہ! بسنتی کے رہتے اس نے ہزار گھر [illegible] اس کے جانے ہی [illegible] کیا بنے رہیں بیچارگی کے ۔۔۔۔"

[illegible] لیٹ گئی۔ ہیش بابو کی باتیں نہ جانے اسے کیوں [illegible] ہیں۔

ہیش بابو باہر چلے گئے۔ انہیں بھی اب اس زندہ لاش کے پاس بیٹھے میں وحشت ہوتی تھی۔ جانے کب بھگوان چھٹکارا دیں گے۔

کشم نے اسی دن سے بسنتی سے بولنا کم کر دیا۔ بسنتی بھی [illegible] کم آتی تھی۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار تھی تب بھی وہ جس دن گاؤں جا رہی تھی اسی دن بہت دیر تک اپنی رحمدل بہو جی کے پاس بیٹھی بھگوان سے ان کے اچھا ہو جانے کے لئے دعا مانگتی رہی

سب چپ چاپ تھے۔ ایک سوئی بھی گرتی تھی تو پتہ لگ جاتا۔ ڈاکٹر کشم کی نبض پکڑے خاموش سنجیدگی سے کھڑے تھے۔ کشم کی حالت آج بہت خراب تھی۔ دائی نے منہ کھول کر ایک خوراک دوا ٹپکائی۔ ایک پھریری سی آ گئی۔ اس ہڈیوں کے ڈھانچے میں کچھ لمحہ بعد کشم نے آنکھیں کھولیں۔ جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہے۔ اس طرح سے باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"کشم!" پلنگ پر جھک کر ہیش بابو نے کہا "کیسا جی ہے؟"

"آ گئی!" کشم نے ان کے سوال کا جواب نہ [illegible]

"[illegible] ہے" ہیش بابو نے جواب [illegible]

…کی وجہ سے سدھ بُدھ کھو رہی تھیں۔

"رام بھو جی" باہر آنگن میں ستنی کی آواز سنائی دی

ستنی کی آنکھیں ذرا سی کھلیں، چہرہ پر آسودگی سی آگئی

"بھو جی" اپنی مالکن کی یہ حالت دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اوڑھنی سے منہ ڈھانپ لیا۔

"کہاں ہے تیرا نند لال؟" کشم نے مسکرا کر پوچھا۔ کھلے ہوئے چراغ کی لو کی مانند کشم اس وقت آخری سانس لے رہی تھی۔

ستنی نے مڑ کر دیا کی گود سے ایک ننھے بچے کو لیا اور دروازے کے بیچ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت ہی خوبصورت کنول کے پھول کی طرح تھا۔ ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح سے تھے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں سے اس مٹی سے بنے تھے

کشم پیار و محبت کی نظروں سے غور سے اس کو دیکھنے لگی

"پھر رویا ہوا ہے ہوا"

اٹھائے ستنی ورش ٹھنڈا اُٹھا ہوگا؟

"نہیں بھو جی۔ گھر میں یوں ہی پڑا رہتا ہے۔"

"…" کشم نے ہنسی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے پکارا—

"بیٹے…"

پھر تکیہ کے نیچے سے ایک روپیہ نکال اس کی طرف پھینکا اور اسی میں مشغول ہو گئی۔

"بھو جی"

ستنی کرنے اختیار رونا آنے لگا۔ "اب جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔"

کشم مسکرائی

پھر دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں آپ ہی آپ ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں۔

(مترجمہ)

سلطان احمد

فلمی خبریں۔

فضلی برادران کا شاہکار "فیشن"

فضلی برادران لمیٹڈ بمبئی کی تازہ پیشکش "فیشن" کانپور، دہلی اور آگرہ کے متعدد سینماؤں میں ریلیز ہو چکی ہے۔ کانپور میں مسلسل دسویں ہفتہ میں داخل ہے۔ [illegible] کے باوجود تصویر [illegible] کا یہ عالم ہے کہ سینما میں ہر شو پر تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں رہتی۔ دہلی میں بھی عوام نے اس کا شاندار استقبال کیا ہے [illegible] سال [illegible] ہندوستان کی عصمت [illegible] دہلی میں [illegible] کا تیسرا ہفتہ شروع ہے [illegible] ۱۴۰ ۱۲۶ [illegible]
سید امجد حسین کی [illegible] کامیاب نچوڑ ہے
اداکاروں میں سردار اختر [illegible] [illegible] شامل ہیں [illegible]

پونجی کی نمائش بمبئی میں۔

بمبئی سے ہمارے نامہ نگار کی اطلاع ہے کہ [illegible] کی نمائش بمبئی کے مشہور تصویر گھر [illegible] میں ۲۲ اکتوبر کو شروع ہوئی۔ [illegible] کی وجہ سے ہر شخص پونجی کی نمائش کا نہایت بے صبری سے منتظر تھا۔ چنانچہ سینکڑوں شائقین ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے مایوس لوٹنے پر مجبور ہوئے۔ پنچولی کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے یقین ہے کہ کمپنی کی سابقہ فلموں کی طرح پونجی بھی عرصہ دراز تک سب کے لئے باعث کشش بنی رہے گا۔ پونجی کی [illegible] اور صدا بندی [illegible] کے مطابق ہے [illegible] کا کام پسند ہوا ہے لیکن [illegible] اختر [illegible] اسمٰعیل [illegible] کے علاوہ مسٹر پنچولی نے [illegible] جیسے [illegible] کو پیش کیا ہے کہ بمبئی کا ہر شخص [illegible] [illegible]

"عشق"

(سانیٹ)

کس قدر پرکیف تھی میری وہ دنیائے شباب
جبکہ تنہا میں ہی تنہا اُس کا مکیں
بے نیازِ لوئے زلفِ عنبریں
بے نیازِ نغمۂ شیریں سخاں
بے نیازِ سحرِ چشمِ سُرمگیں
بے نیازِ ابروئے رشکِ ہلال
بے نیازِ دستہائے مرمریں
بے نیازِ لذتِ نیلِ وصال
خواب کی گہرائیوں میں اک حسین خو [illegible]
مسکرایا اور پھر تھا سارا لافانی ایک [illegible]

سید شوکت ہاشمی

[illegible]


کھوئی ہوئی طاقت کی واپسی
شربت اکسیر خاص ہے
ہمدرد دواخانہ، لال کنواں دہلی

فیشن

Fashion

گیت اور غزلیات
آرزو لکھنوی

جس میں ہندوستان کی صنعت فلم سازی کے تین درخشندہ ستارے …

اختر — چندر موہن — سبیتا …

دیگر اداکاران

… نظیر کاشمیری - بدھوا پڈوانی - کانتا پرشاد … [illegible]

دور حاضرہ کی ایک دلچسپ کہانی

لیکن

الف لیلہ کی داستانوں سے زیادہ … [illegible]

… کانپور اور آگرے … [illegible]

… [illegible]

نیرنگ خیال

اس نمبر کے لکھنے والے :-

- چوہدری عبدالرشید تبسم بی۔اے
- خدیجہ مستور لکھنوی
- مرزا جعفر علیخاں اثر لکھنوی
- ڈاکٹر راز مرادآبادی
- شوکت واسطی
- ثاقب کانپوری
- مصباح الحسن صدیقی
- سید ذوالفقار علی نسیم

۲ دو مقالے
۵ افسانے

مشہور شعرائی تازہ ترین نظمیں اور غزلیں

قیمت ——— فی پرچہ ۸/

کتابیں پڑھنا بہترین شوق ہے

اور

کتابیں ہی آپ کی بہترین رفیق ہیں

چندہ

سالانہ چندہ چھ روپے سالانہ سمیت

بغیر سالنامہ چار روپے

ممالک غیر سے دس روپے

فی پرچہ آٹھ آنے

ہندوستان بھر کے علمی ادبی رسائل میں یگانہ حیثیت کا ماہنامہ

نیرنگ خیال لاہور

ادارۂ تحریر

چیف ایڈیٹر حکیم یوسف حسن

مدیر اول حضرت شہاب صدیقی

مدیر معاون اصغر عثمانی

جلد ۱۴ — بابت ماہ اپریل ۱۹۴۴ء — نمبر ۳

فہرست مضامین

حکیم یوسف حسن ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے برانچ کیپیٹل لمیٹڈ دہلی بلڈنگ لاہور سے چھپوا کر دفتر رسالہ نیرنگ خیال [illegible] سے شائع کیا

شذرات

شکریہ۔ نیرنگ خیال کا سالنامہ ۴۳ء حسب دستور جنوری و فروری کا مشترکہ نمبر تھا۔ جو چھ روپے سالانہ چندہ دینے والوں کی خدمت میں بھجوا دیا گیا ہے۔ بعض کی خدمت میں انڈر پوسٹل سرٹیفکیٹ اور بعض اصحاب کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ۔ جن اصحاب نے صرف ساڑھے تین روپیہ چندہ دیا تھا۔ انہیں ان دو ماہ میں کوئی پرچہ نہیں بھجوایا گیا۔ اور باوجودیکہ ہم اس کے متعلق دسمبر کے پرچے میں واضح اعلانات کر چکے تھے پھر بھی دفتر میں سینکڑوں خطوط شکایات سے بھرے ہوئے موصول ہوئے جن کے جوابات لکھنے میں دفتر کا بہت سا وقت اور روپیہ ضائع ہوا۔ ان میں سے بعض خطوط کا لہجہ بے حد دل آزار تھا۔ کاش کہ ہمارے قارئین کرام دفتر کے اعلانات اور قواعد و ضوابط کا بغور مطالعہ فرما لیا کریں۔ تو انہیں اس طرح سے اپنا بھی وقت بچانے کا موقعہ ملتا اور ہمارا بھی۔

زیر نظر شمارہ مارچ کا پرچہ ہے۔ جو ۳۰ مارچ کو شائع ہو گیا ہے۔ کیونکہ رسالہ ہر ماہ کی آخری تاریخ کو پوسٹ ہوتا ہے۔ عدم رسیدگی رسالہ کی اطلاع دوسرے ماہ کی ۱۵ تاریخ تک ہونی چاہئیے ورنہ دوبارہ پرچہ قیمتاً ملیگا۔ ناظرین ایک بار پھر نوٹ کر لیں۔ کہ رسالہ ہر ماہ کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اسلئے شروع یا آخر ماہ میں شکایات نہ لکھیں۔ بلکہ دوسرے ماہ میں عدم رسیدگی کی شکایت لکھ سکتے ہیں۔

کچھ سالنامہ ۴۳ء کے متعلق۔ سالنامہ ۴۳ء اس پر آشوب زمانہ میں جیسا کچھ ہو سکا۔ ہم نے شائع کیا یہ حالات جنگ کی وجہ سے ہیں۔ کاغذ کی کمیابی، آرٹ پیپر اور بلاکس کا فقدان، اخراجات کا آٹھ گنا بڑھ جانا گویا ہر چیز ہمارے راستہ میں رکاوٹ ہی رہی ہے۔ تاہم بھی ہمارے کرم فرما ہماری اس کوشش کو بھی استحسان کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ کراچی سے میر ایوب علی صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لکھتے ہیں:-

"نیرنگ خیال کے سالنامہ کا وی پی ملا جس کا بے حد انتظار تھا۔ میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں کہ باوجود چند در چند ناگزیر مشکلات کے آپ نے ایسا شاندار سالنامہ شائع کیا ہے۔ ہر مضمون اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ورائے ناموں کا حصہ تو از حد دل آویز ہے۔ حضرت سالک کی تقریر کا کیا کہنا۔ اتنی دلکش اچھوتی اور پرُفن ہے۔ کہ پڑھنے والا اور سننے والا عش عش کر اٹھتا ہے"

عریاں نویسی اور فحش نگاری۔ معزز معاصر "ہماری زبان" دہلی لکھتا ہے:-

بمبئی میں اصلاح ادب کانفرنس کی روداد آپ کو معلوم ہی ہے۔ راقم الحروف نے ادب میں نئے رجحانات پر ایک کانفرنس میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔ جو کئی جگہ اشاعت پا چکے ہیں۔ معاصر نگار کا تازہ سالانہ نمبر ایک ہی موضوع، ترقی پسند ادب پر ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے بھی "آج کل" کے دو نمبروں میں ترقی پسند ادب کو بحث بنایا ہے۔ حال میں ایک خاصی ضخیم کتاب "مداوا" اسی موضوع پر نکلی ہے۔ ان سب

مطبوعات میں آپ کو نظر گے کئی زاویے میں گے۔ یہ سب مطبوعات اردو میں انقلابی ادب سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ اخباروں کا ذکر نہیں۔ ہر مہینے رسالوں میں یہ تذکرہ ہوتا ہے۔ ان واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ اردو میں یہ انقلابی ادب کسی نہ کسی نظر سے خوب توجہ اپنی طرف کھینچ رہا ہے یہ بھی دیکھنا ہے کہ ملک کی اور زبانوں میں اس انقلاب کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

اس غرض سے ہم حاضر آج یہاں سے ایک خاصا لمبا انتخاب ترجمہ کرتے ہیں جس کے لکھنے والے پروفیسر پی ایس نائیدو ہیں ۔

اچھے ادب پڑھنے کا کیا اثر ہوتا ہے؟ کیا وہ اس کے جذبات سفلی کو بھڑکاتا ہے۔ اور ایک ہیجانی کیفیت اور ہیجان حساس پیدا کرتا ہے؟ نہیں ایسا نہیں کرتا ممکن ہے۔ اُس ادب میں قابل اعتراض فقرے ہوں۔ لیکن تمام تحریر کو آخر تک پڑھ کر ہمارے ذہن کو سکون حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم دنیاوی کشاکش سے جب تھک جاتے ہیں۔ تو اچھے ادب کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اس اثر پر غور کیجئے جو وہ افسانے اور ناول جو جنسی غذا سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے جذبات پر ڈالتے ہیں تہوالی جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں [illegible] توازن گڑبڑ ہو جاتا ہے اور ہمارے مزاج میں ایک زبردست ہیجان رونما ہو جاتا ہے۔

عقل اور خیالات میں ایک مصنوعی علیحدگی قائم کر لی گئی ہے۔ اور ایک غلط تیقن اُچھالا جا رہا ہے۔ کہ انسان اُس وقت عقلی برتری کو پہنچ سکتا ہے۔ جب اُس کے خیالات بے ترتیبی اور اشتعال کی حالت میں ہوں۔

عظیم آرٹ کی تخلیق عالی اور اچھے ذہن سے ہوا کرتی ہے۔ اسکا وجود آرٹ کے ان نوبہ نو ترقی پسند شاہکاروں میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو فحاشی پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں؟ آخر اس ذہنی کیفیت کی نوعیت کیا ہے جس کی مولود ایک

ایسا ناٹک، ناول، افسانچہ یا تصویر ہے۔ جو فحش کا جامہ پہنے ہوئے ہے۔ اگرچہ ظاہری صورت کیلئے جمالیاتی تقاضا کا کافی اہتمام کیا گیا ہو۔ محض لٹریچر مصنف اور قاری دونوں کے ذہن کو بدنما توہمات میں غرق کر دیا ہے جو انکی غیر شعوری اور لاعلمی کی گہرائیوں میں ہوتے ہیں۔ جب ایسے لٹریچر کی تخلیق اور اُسکا استحفاظ عام ہو جائے تو وہ ایک زوال کے عہد کی قطعی علامت ہیں (آزاد ترجمہ ختم)

ذہن کے شعوری اور غیر شعوری تفاعل پر ہر شخص جو جی میں آتا ہے کہہ گزرتا ہے لیکن یہ نفسیات کا وہ نازک اور نایاب مسئلہ ہے جس پر حال کے تحلیل ذہنی کے علم برداروں سے بہت بیش بہا فلاسفہ کی نظر رہی ہے اور اسی امریکہ میں جہاں سے یہ نئے شعلے اٹھے ہیں پہلے نظرے کی روشنی میں نئے نظریوں کی کھینچ گھسیٹ کی قلعی کھول گئی ہے ۔

سالنامہ نیرنگ خیال کے متعلق قطعات

ہم تفنن طبع کی دلچسپی کیلئے ذیل میں چند قطعات درج کرتے ہیں جو سالنامہ ۱۹۴۴ء کے متعلق ہمیں موصول ہوئے تھے ۔

(۱) جناب حضرت عزیز حاصل پوری مقیم ملتان لکھتے ہیں:

اشاعت بے نظیر ۔ سالنامہ نیرنگ خیال لاہور ۱۹۴۴

دورِ حاضر میں جو کفر رسائل کا سماں ۔ ہے مگر اب تک مسلّم سالنامہ نیرنگ خیال

سالنامہ کی یہ تاریخ اشاعت ہے عزیز ۔ دیکھ یہ ہے آپ ہی اپنی نظیر اپنی مثال

۱۹۴۴ء

(۲) حضرت سید فاضل مشہدی امرتسر سے لکھتے ہیں :-

یہ وُہی شان سے نکلا ہے مہ نو کا رقیب

مدّ مقابل جس سے بچا ہے اور ہے شرمندہ ہلال،

زینت صفحۂ قرطاس ہے کیا کما فاضل

اہل خامہ کا کمال اور مضامین کا جمال،

کیوں نہ سر آنکھوں پہ رکھیں اسے اہل بنشیں

ہے یہ سالانہ ادب پارۂ نیرنگ خیال،

۱۳ ھ ۶۳

قدرت کے آبدوز خزانے

موتی کہاں اور کیسے نکلتے ہیں؟

خلیج فارس ہمیشہ موتی نکالنے والوں کیلئے ایک شکارگاہ رہی ہے۔ قدیم شاہان ایران نے اس صنعت سے فائدہ اٹھانے کا یہ انتظام کر رکھا تھا۔ کہ انہوں نے مروارید برآوری کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا۔ اس محکمے میں کم سے کم تیس سو پیشہ ور غوطہ خور کام کرتے تھے حکومت ایران نے سرکاری غواصوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی موتی نکالنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہ موتی نکالنے کیلئے لائسنس جاری کرتی تھی۔ اور صرف لائسنسدار ہی موتی نکال سکتے تھے۔ ماہرین جواہرات کہتے ہیں۔ کہ اصلی موتی خلیج فارس ہی کے ہوتے ہیں۔ یہ موتی حقیقتاً نہایت قیمتی ہوتے تھے۔

مروارید برآوری کا موسم شروع ہوتے ہی یہ سال جوکھوں کا کام کرنے والے ہزاروں باہمت لوگ جزائر بحرین میں پہنچ جاتے ہیں۔ عرب۔ ایرانی۔ سنگالی۔ ہندوستانی حبشی اور یورپین سب ہی ہوتے ہیں۔ جو حصول دولت کیلئے قسمت آزمائی کے واسطے جمع ہوتے اور جان کی بازی لگاتے ہیں۔

ایرانی پولیس کی نگرانی میں ماہ جون سے موتی نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس پولیس کی خاص ڈیوٹی یہ ہے کہ جن جن مقامات سے موتی زیادہ اور زیادہ قیمتی موتی نکلتے ہیں۔ جری لٹیروں سے انکی حفاظت کرے۔

غواصان مروارید ساحل خلیج کے شہروں سیہاکس سمر۔ سیاں اور ساب کے بالکل نوخیز جوان ہوتے ہیں یہ پیدائشی غوطہ خور ہوتے ہیں ان کے باپ دادا بھی یہی کام کرتے ہیں وہ کم سنی ہی کے زمانے سے "گہرگیری" کی تعلیم پاتے ہیں ایران کا گہرگیری کا بیڑا ۲۵ ہزار غوطہ خور ملازم رکھتا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے۔ کہ گہرگیر کشتیوں کے بہت سے ملاح اپاہج۔ لنگڑے۔ لولے۔ کسی کا ایک بازو نہیں تو کسی کی ایک ٹانگ نہیں بہرے۔ اندھے ہوتے ہیں۔ ہر کشتی میں ایک دو ایسے آدمی ضرور ہوتے ہیں جو اس کام کے سوا کسی کام کے نہیں ہوتے ایسے اپاہج ضرورتاً کشتی میں رکھے جاتے ہیں۔ جو طرح طرح کی خوفناک آوازوں سے شور مچا کر شارک مچھلی کو ڈرا کر (ایک بھاری بھرکم، بسیار خور مچھلی) کو غوطہ خوروں سے دور رکھے۔ انکا یہ کام ہوتا ہے کہ جس وقت غوطہ خور سمندر کی تلیٹی پر پہنچکر موتی رولنے میں مصروف ہوتے ہیں وہ پاس کی کسی چٹان پر بیٹھے ہوئے جوکھوں کو تاؤ دیتے ہوئے طرح طرح کی ڈراونی آوازوں میں چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ گویا کسی شیطانی طوفانی لشکر کا حملہ شروع ہو گیا۔ اس کانوں کے پردے پھوڑ دینے والے شور سے شارک مچھلیاں

نہ ڈرتی ہونگی۔ تو بھی مروارید گیروں کی موجودگی کا ڈھنڈورا تو خوب ہی پٹ جاتا ہے۔

غوطہ خوروں کی شارک سے حفاظت کے کوئی قیمتی سے اور بھی کئی ذریعے ہیں۔ غوطہ خور ہمیشہ اپنے ایک ہاتھ میں نہایت تیز دھار کا چاقو رکھتا ہے۔ اور اُس کی راہ میں جو چیز حائل ہوتی یا اس پر حملہ کرتی ہے۔ اُسے کاٹتا چلا جاتا ہے۔ شارک ہی سامنے کیوں نہ آجائے۔ غوطہ خور اسی چاقو کی مدد سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی شارک بہت بھوکی اور حملہ کی زیادہ شائق ہو۔ تو پھر غواص پیچھے ہٹ کر ایک مختصر مگر وکدار لوہے کی سلاخ پر آجاتا ہے۔ مگر اس سلاخ سے کوئی بڑا ہی تجربہ کار اور آب سرد آزمائی کا مشاق غوطہ خور ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

غوطہ خوروں کے پاس ایک اور بھی بچاؤ کا ذریعہ ہے سمندر کی تہ کے زہریلے اثرات یا حشرات سے بچنے کے لئے اُن کے پاس انگشتانے جیسے چمڑے کے خول ہوتے ہیں جو وہ اپنی انگلیوں پر چڑھا لیتے ہیں۔

ہر کشتی میں عام طور پر دس غوطہ خور روانہ ہوتے ہیں۔ پانچ ایک طرف بیٹھتے ہیں۔ اور پانچ دوسری طرف۔ کشتی سے مضبوط رسیاں بطور سیڑھی کے سمندر کی تہ تک لٹکا دی جاتی ہیں۔ اور اُن کو کشتی پر ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ ان رسیوں کو پکڑے ہوئے وہ سمندر میں اترتے ہیں۔ اتار کی رفتار میں تیزی پیدا کرنے کیلئے غوطہ خور اپنے پاؤں میں رسی سے باندھ کر پتھر لٹکا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی کمر سے ایک تہ کرنے والا ٹوکرا باندھے رکھتے ہیں۔ اور سمندر کی تہ سے یہ مختلف تمام دو جسقدر سیپیاں اٹھاتے ہیں۔ وہ اس ٹوکرے میں بھرتے جاتے ہیں۔

مروارید گیر غواص تیس منٹ میں ۱۲۰ فیٹ کی گہرائی تک بہت عمدگی کے ساتھ کام کرسکتے ہیں۔ یورپین لوگ اس کام پر نہیں لگائے جاتے۔ کیونکہ ان کی جسمانی ساخت اس محنت و مشقت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ پھر یورپینوں کو اس فن میں تعلیمی مہارت بھی نہیں ہوتی۔ جو اُن کے روزانہ عملی تجربوں کی بنا پر دیسی غواصوں کا حصہ ہے دیسی غوطہ خور دس برس کی عمر سے ہی یہ تعلیم حاصل کرنے لگتے ہیں۔ بارہ برس کا لڑکا بھی پندرہ سے تیس فیٹ کی گہرائی تک غوطہ مار سکتا ہے۔ اور تین منٹ تک پانی کے اندر رہ سکتا ہے۔ ایک قسم کا کلپ اس کے پاس ہوتا ہے جو وہ غوطہ لگاتے وقت ناک پر لگا لیتا ہے۔ غوطہ خور لڑکے کو جوں جوں تجربہ حاصل ہوتا جاتا ہے۔ زیادہ گہرائی تک غوطہ لگاتا جاتا ہے۔ اگر ایک دو ماہ کی مشق کے بعد بھی کوئی لڑکا کم از کم تین منٹ تک پانی کے اندر نہ رہ سکے۔ تو اس کے معلم اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی نسبت سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ وہ کبھی اچھا غوطہ خور نہیں بن سکتا۔

غوطہ خوری کی تعلیم میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ بھی جاتی ہے کہ وہ زیادہ دیر تک پانی کے اندر رہ سکے پھیپھڑوں سے ہوا کو جلد بھرنے میں پھرتی تو مشق سے ہی آجاتی ہے۔ اصل تعلیم اسی پر منحصر ہے۔ اور یہی سب سے ضروری بات سمجھی جاتی ہے۔ کہ وہ تین منٹ بلکہ اس سے بھی زیادہ دیر تک پانی میں رہ سکے پانی میں زیادہ دیر تک رہنا جسم کی عادت سے تعلق رکھتا ہے۔

تعلیم ختم ہونے پر نوخیز غوطہ خور کا امتحان لیا جاتا ہے اس امتحان پر اس کی آئندہ ترقیوں کا دارومدار ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آیا وہ "مروارید کی بیڑے" کا ایک مستعد رکن بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یا محض ایک کھوتا یا رہے گا۔ اگر نوجوان امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو گویا وہ جنت کے ساتویں طبقہ میں پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے۔ کہ اگر خدا شامل حال ہو۔ تو ایک ہی غوطے میں وہ بے حد و حساب دولت اپنے ساتھ لا سکتا ہے۔ غوطہ خور سمجھتا ہے۔ کہ سمندر کے فرش تک صرف ایک بار پہنچ جانے سے

[illegible] سیاں نکال لائیگا۔ جس سے ۵۰ ہزار پونڈ کے [illegible] ہو سکتے ہیں۔ ان موتیوں میں غوطہ خور کا حصہ [illegible]

[illegible] کا مروارید کی تجارت میں کشتیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ آدھی رات گئے کشتیاں سمندر پر پہنچ جاتی ہیں۔ غوطہ خوری علی الصباح جبکہ سمندر کا پانی بالکل صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ شروع ہو جاتی ہے۔ کام بڑے ضابطہ کیساتھ عمل میں آتا ہے۔ جوں ہی ایک خاص اشارہ ہوتا ہے۔ غوطہ خور ایک دم غوطہ لگاتے ہیں۔ پھر تین منٹ کے بعد اُن کی واپسی کا سگنل ہوتا ہے۔ وہ سطح آب کو چیرتے ہوئے اوپر آجاتے ہیں۔ اس کے بعد بندرگاہ کی طرف کے غوطہ خور غوطہ لگاتے ہیں۔ حقیقتاً یہ حد درجہ محنت و جفاکشی کا کام ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایک روز کے اندر ایک غوطہ خور سو سو مرتبہ غوطے لگاتا ہے۔ اور زیر آب قیام کرنے کا سارے دن کا وقت پانچ گھنٹے سے کم نہیں ہوتا۔

بالاوسط ایک ہوشیار غواص ہر غوطے میں پچاس گھونگھے نکال لاتا ہے۔ اور اس سے کبھی ایک دن میں اس کو پانچ ہزار پونڈ کی کثیر رقم دستیاب ہوتی ہے۔ مگر جسطرح اور پیشوں کا حال ہے۔ اس فن میں بھی بعض غواص باکمال ہوتے ہیں۔ جن میں بعض بعض تو سات سات منٹ تک پانی کے اندر رہ سکتے ہیں۔ چونکہ ایسے ماہر فن غواص کم ہی ہوتے ہیں۔ اور زیادہ اوسط درجہ کے۔ اس لئے کام کو منظم صورت میں رکھنے کی غرض سے اوسط و معمولی درجہ کے غوطہ خوروں کیلئے علیحدہ انتظام ہوتا ہے اور باکمال غواصوں کیلئے خاص کشتیوں کا علیحدہ بندوبست کر دیا جاتا ہے۔

جب بندرگاہ میں تمام غواص اپنے اپنے گھونگھے لیکر جمع ہو جاتے ہیں۔ تو مروارید کی بیڑے کے منتظمین کے پاس خرید پہنچتے ہیں۔ ایک ایک ہزار گھونگھوں کے پارسل بنا کر انہیں بذریعہ نیلام فروخت کر دیا جاتا ہے۔ نیلام کے ذریعہ فروختگی کے بعد ان کو پارسلوں کو بندرگاہ کے محفوظ جواہر خانے میں لاکر رکھدیا جاتا ہے۔ نیچے گرم ریت بچھا دی جاتی ہے۔ اور گھونگھوں کا منہ سورج کی طرف کرکے رکھدیا جاتا ہے گرمی کے اثر سے گھونگھے منہ کھول کر باہر نکل آتے ہیں۔

صنعت مروارید کی میں کامیابی بھی ایک تقدیری امر ہے۔ گھونگھوں کی زیادہ تعداد ایسی نکلتی ہے کہ ان سے کوئی موتی نکلتا ہی نہیں۔ برخلاف اس کے بعض گھونگھے ایسے ہوتے ہیں کہ ایک ہی میں سے سو سو موتی نکل آتے ہیں۔ تمام گھونگھوں سے کل کر اول موتی یکجا جمع کئے جاتے ہیں۔ پھر ماہر جوہری ان کو چھانٹتے ہیں کوئی نہایت بیش قیمت ہوتا ہے۔ اور کوئی معمولی اور گھٹیا۔ موتی شکل میں عیب دار یا بے عیب۔ قیمت سب کی جدا ہے وہ دودھ کی طرح سفید بھی ہوتے ہیں۔ اور رنگ میں سیاہ بھی غیر معمولی شکل اور رنگ کے موتی بہت بیش قیمت ہوتے ہیں۔ عام طور پر موتی شکل اور رنگ میں مٹر کی طرح کا ہوتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ مٹر کی رنگت اور صورت رکھتا ہو جب ہی اس کو موتی کہیں۔ بلکہ جہاں تک موتی ہونے کا تعلق ہے۔ رنگ و صورت کا کوئی تعلق نہیں

خلیج فارس کے جزائر سولو میں کبوتر کے انڈوں کے برابر موتی پائے جاتے ہیں۔ جسطرح سیپ مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان بڑے موتیوں کی بھی مختلف قسمیں ہوتی ہیں اور ان کو قیراط (ایک رتی کا وزن) سے وزن کیا جاتا ہے۔

جب صورت شکل رنگ اور وزن کے لحاظ سے موتی مختلف قسموں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ تو سوراخ کرکے ان کو دنیا کی مشہور و معروف موتی منڈیوں بمبئی اور بغداد میں بھیجا دیا جاتا ہے۔

موتی کس طرح بناتے ہیں؟ اس کا قاعدہ بہت سہل ہے۔ ایک صدف دار کیڑا لے کر اس میں بیرونی مادہ شامل کیا

کے ذرّے یا کوئی کیڑا داخل کرتے ہیں اِس مادہ سے صدف میں حرکت و حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ کیڑا اِس بیرونی مادہ پر چھا جاتا ہے اور اس کو اپنی رطوبت یا لعاب سے اچھی طرح گرفت میں لے لیتا ہے۔ تاکہ اسے ہضم کر سکے یا اپنے میں جذب کرے اسطرح موتی کی داغ بیل پڑھاتی ہے۔ یہ صدفی کیڑے کی رطوبت جس سے موتی کا جسم ہوتا ہے بڑھتی ہے۔ درصورت ہولر اس خارجی مادے کے اردگرد دیر تک صورت میں منتقل ہوتے نکلتی ہے۔ مادہ گہر کے بہی سمٹے ہوئے پرت ہیں جو مصنوعی موتی میں آب اور رنگ پیدا کرتے ہیں اِس لئے یہ موتی جاندار نہیں ہیں مگر کہنے میں یہ بات آئی ہے کہ یہ موتی بھی زندگی رکھتا ہے اور نشوونما پاتا ہے مگر اسی وقت تک کہ صدفی کیڑے میں جان ہو۔ جہاں صدفی کیڑا مرجاتا ہے۔ تو موتی کا بڑھنا بھی ختم ہو جاتا ہے

موتی ایک ناپائیدار چیز ہیں جن کی چمک دمک اور اسی کے ساتھ انکی قیمت بھی جا سکتی ہے۔ موتی کی آب و تاب کے زوال کا ایک سبب تو اس کے پہننے والے کا پسینہ ہے۔ مضبوط اور طاقتور عورتیں جن کو پسینہ بہت آتا ہو۔ بڑے سے بڑے اور قیمتی سے قیمتی موتی کو برباد کر سکتی ہیں تارہ پانی بھی موتی کا دشمن ہے۔ البتہ نمک ملے ہوئے پانی سے موتی کا رنگ نکھرتا ہے۔ اور اس کی آب و تاب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

دنیا کے بہترین موتی ایک خاص صدفی کیڑے سے جسے انگریزی میں - ایویکولا مارگیریٹی فائرا

AVICULA MARGARITIFIERA

کہتے ہیں۔ نکلتے ہیں۔ یہ کیڑا بھی خلیج فارس کی سمندری تہ میں ہی پایا جاتا ہے۔

خلیج فارس کے علاوہ خلیج منار (سیلون) سے بھی موتی نکالے جاتے ہیں۔ یہاں پر کوئی اٹھارہ ہزار غوطہ خور کام کرتے ہیں۔ اور مروارید کی صنعت سے متعلق دوسرے کارکنوں اور مزدوروں کی تعداد ملا کر کل اسّی ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ لیکن خلیج منار میں خلیج فارس کی بہ نسبت کام زیادہ جان جوکھوں کا ہے۔ کیونکہ یہاں کی مچھلیاں بہت ہی خونخوار واقع ہوئی ہے۔ دو اور مقام بھی ہیں۔ جہاں پر موتی خاص تعداد میں نکالے جاتے ہیں یک امریکہ کا مغربی ساحل جہاں سترہ ہزار غوطہ خور موتی نکالنے پر مامور ہیں۔

اِس سے کم درجہ پر آسٹریلیا کے ساحل کی زمین اور بحر جنوبی کی دلدلیں ہیں۔ تمام دنیا میں موتی نکالنے والے مسلم غواص ایک لاکھ ۱۷ ہزار ہیں۔ اور یہ صنعت کم سے کم پانچ لاکھ نفوس کا ذریعۂ معاش ہے۔

دنیا کی موتی منڈیوں میں جو موتی بغرض خرید و فروخت پہنچتے ہیں۔ وہ تین درجہ ذیل اقسام کے ہیں۔

۱۔ مشرقی موتی۔ یہ اول درجہ کا موتی ہے۔ جو ہزار ہا رنگ بدلتا ہے یہ خلیج فارس کی پیداوار ہے۔

۲۔ دوسرے درجہ پر بحر جنوبی کا موتی ہے اِس کا رنگ خلیج فارس کے موتی سے زیادہ گہرا بسنتی ہوتا ہے اور شکل میں زیادہ بے قاعدہ۔

۳۔ تیسرے درجہ کا موتی "تازہ پانی کا موتی" جو یورپ میں بھی مل جاتا ہے۔ اسکا رنگ سفید اور پھٹے ہوئے دودھ کی طرح کا ہوتا ہے۔ اسمیں چمک دمک بھی زیادہ نہیں ہوتی۔

حسن قدرت موتی بناتی ہے۔ حضرت انسان مدت سے اس فکر میں ہیں۔ کہ اسی تیزی سے وہ بھی موتی بنالے آجکل مصنوعی موتیوں کی صنعت و حرفت چین اور جاپان میں وسیع پیمانے پر ہے۔ کیمیائی طریقے صاف کردہ موتی خود صدفی کیڑوں سے بنا کر جاتے ہیں۔ مگر مصنوعی موتیوں میں خارجی مادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس امر کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہ ہر صدف موتی پیدا کرے۔ اسطرح صدف سے جو موتی نکلتے ہیں۔ وہ سات آٹھ سال کے طویل عرصے میں محفوظ رکھ کر تیار ہوتے ہیں۔ خوبصورتی میں بھی بہت مشابہ ہوتے ہیں اور ہوتے بھی ناقص ہیں۔ اور اصلی موتیوں سے جو خود صدف اگلتی ہے۔ ہر اعتبار سے کمتر درجہ کے ہوتے ہیں۔ (ترجمہ)

زمزمۂ تغزل

خان بہادر مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر وزیر ریاست کشمیر

خیالِ عیشِ دو عالم بھلا دیا تو نے
وہ ابتدا میں غمِ انتہا دیا تو نے

مذاقِ دید کو آئینہ دے کے حیرت کا
نظر کو حسن سراسر بنا دیا تو نے

متاعِ ہر دو جہاں تیری ہی عطا پہ نثار
کہ مجھ کو اک دلِ درد آشنا دیا تو نے

اسیر اپنے ہی خود ساختہ طلسم میں تھی
جنوں کو عقل کا رہبر بنا دیا تو نے

تمام زیست ریا کی، تمام صدق و صفا
مذاقِ عشق وہ نکھرا ہوا دیا تو نے

تری نظر نہیں ہوتی حریفِ شوخی کی
نظر سے آج یہ کس کو گرا دیا تو نے

مرے خیال کی دنیا کو وسعتیں دے کر
ہر اک خیال کو دنیا بنا دیا تو نے

تعینات کو دے کر "جمالِ بے رنگی"
تعینات کا پردا اٹھا دیا تو نے

نگاہِ شوق کی دیکھی جو خستہ اندازی
نگاہِ شوق کو پردا بنا دیا تو نے

ترا کرم، ترا احسان، تیری بخشش ہے
کہ بے طلب دلِ بے مدعا دیا تو نے

وہ حسن جو ہے تخیل سے حسن کے بالا
سنوار کر دلِ عاشق بنا دیا تو نے

سرشکِ یاس کو جب مسکرا کے دیکھ لیا
ہزار نغموں کو دل میں جگا دیا تو نے

خطا معاف مری بیکسی پہ کر کے نظر
کچھ اور حوصلۂ غم بڑھا دیا تو نے

اگر یہی زیست کا مقصد عروجِ انساں کا
تو کیا ملا تھا اثر اور کیا دیا تو نے

افسانہ

گھوڑ دوڑ

از چودھری عبدالرشید صاحب تبسم بی اے

میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ چند سال ہوئے میری تبدیلی بمبئی ہو گئی۔ شہر بمبئی میں مجھے پہلی دفعہ سمندر کا اتفاق ہوا تھا اس لئے رہائشی مکان تلاش کرنے میں سخت دقت ہوئی۔ شہر کے ہر حصہ کی خاک چھاننے کے بعد مجھے ورلی میں ایک منزل مکان سے بالائی حصہ کرایہ پر مل گیا۔ یہ منزل سب عمارتوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس سمت میں شہر کی آبادی کی آخری عمارت ہے اس کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ جسے گھوڑ دوڑ کا میدان کہتے ہیں۔ اور گھوڑ دوڑ کا میدان سمندر سے ملا ہوا ہے۔

میں دفتر سے لوٹ کر گھنٹوں اپنے مکان کی کھڑکیوں سے سمندر کا نظارہ کرتا۔ صبح کے وقت دو ایک گھنٹے کھڑکیوں کے سامنے کھڑے رہنا میرا شعار تھا۔ سمندر کی نرم نرم اور قدرے خنک ہوا جو اس کے اٹھتے ہوئے تھپیڑوں سے آتی تو دل و دماغ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ میری نگاہ مکان کی کھڑکی سے سیدھی سمندر تک پہنچتی اور وسیع میدان کو یکسر نظر انداز کر دیتی۔ میرے نزدیک سمندر اور صرف سمندر ہی دیکھنے کی چیز تھی۔ کئی دفعہ مجھے خیال آیا کہ اگر یہ منزل میدان کے اس پار سمندر کے عین کنارہ پر ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ میں ہر وقت کھڑکی میں کھڑا رہتا اور سمندر کو زیادہ قریب سے دیکھتا رہتا۔ دو ایک مرتبہ جہازوں کے سمندر میں ڈوبنے کی خبر سنی تو مجھے قدرت کی ستم ظریفی پر تعجب ہوا۔ کہ اتنے بڑے سمندر کا جہازوں کو غرق کر لینا ذرا سی بات ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ گھوڑ دوڑ کا میدان کبھی بھی مجھے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکا اور یہ بات میرے وہم میں بھی نہ آئی۔ کہ سمندر میں تو کبھی کبھار جہاز غرق ہوتے ہیں۔ لیکن وقت آنے والا ہے جب اس میدان میں بہت سے دولت کے جہاز غرق ہوا کریں گے اور اس میدان کا نظارہ سمندر کے حسن کو میرے دل سے ہمیشہ کیلئے فراموش کر دیگا۔

نومبر میں جب کسی کی سرگرمی ہوا۔ بہت زیادہ پُر رونق نظر آنے لگا۔ جدھر دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آتے۔ قہوہ خانوں کے اندر۔ قہوہ خانوں کے سامنے۔ سڑکوں پر اور ہر ایک جگہ جہاں پاؤں دھرنے کی جگہ مل سکتی تھی عوام کا ہجوم دکھائی دیتا۔ میرے استفسار پر مجھے بتایا گیا کہ یہاں گھوڑ دوڑ کا موسم شروع ہوا چاہتا ہے۔ اور یہ لوگ گھوڑوں پر شرط بدنے کی غرض سے دور دراز کا سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں جب تک گھوڑ دوڑ کا موسم ختم نہیں ہو جاتا یہاں کی یہی حالت رہیگی۔ جونہی گھوڑ دوڑ کا موسم ختم ہوا یہ لوگ ادھر ادھر منتشر ہو جائیں گے چل دیں گے

آخر دوڑیں شروع ہوئیں اور جگہ جگہ پر عوام کے گروہ آمدہ دوڑ میں حصہ لینے والے گھوڑوں کے متعلق بحثیں کرتے نظر آئے۔ مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ صرف غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ ہی گھوڑ دوڑ کیلئے ہمہ تن گوش نہیں بنے ہوئے بلکہ ہندوستان کے ہر حصہ سے امراء بھی محض گھوڑ دوڑ کی خاطر آ براجمان ہوتے ہیں۔ اور بمبئی کے تمام ہوٹل ان لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہیں۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے۔ کہ میں بہت خشک طبع آدمی ہوں۔ بمبئی میں آکر میری دفتری مصروفیتوں نے میری خشکی طبع میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اور مجھے دنیا کی

دلچسپیوں سے سوائے سمندر کے نظارہ کے کوئی سروکار نہ رہا۔ میرے قرب و جوار میں کیا مرد اور کیا عورتیں ایک بھی فرد ایسا نہ تھا۔ گھوڑ دوڑ دیکھنا جس کا محبوب مشغلہ نہ تھا۔ گھوڑ دوڑ ہر سنیچر کے دن ہوتی تھی۔ میں دیکھتا کہ سنیچر کے دن تقریباً منزل میں سوائے دو چار نوکروں کے ایک متنفس بھی نظر نہ آتا۔ سب کے سب میدان میں پہنچ جاتے۔ لیکن یہ صورت حال بھی مجھے گھوڑ دوڑ کی طرف متوجہ نہ کر سکی۔

ابھی میری شادی نہیں ہوئی تھی اور میں تجرد کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اپنے ضروری اخراجات میں قطع و برید کر کے آخر میں نے چند ہی مہینوں میں پانچ سو روپے جمع کر لئے۔ یہ روپے زندگی میں میرا پہلا سرمایہ تھے جو میں جمع کر سکا۔

ارادہ تھا کہ یہ روپیہ دو ہزار تک پہنچ جائے تو اپنی شادی کا انتظام کروں۔ صاف بات یہ ہے کہ مجھے اس پانچ سو سے بہت محبت تھی اور میں اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ اگر کبھی ایسا موقع آتا کہ مجھے اپنی زندگی اور اس پانچ سو روپے میں سے ایک چیز منتخب کرنے کو کہا جاتا تو میں لازمی طور پر روپیہ ہی منتخب کرتا۔

جب سے دوڑیں شروع ہوئیں ہر سنیچر کو میرا نوکر صبح سے شام تک غائب رہتا۔ میں ہر اتوار کی صبح اُسے سرزنش کرتا اور وہ آئندہ سنیچر کو حاضر رہنے کا وعدہ کر لیتا لیکن آئندہ سنیچر کو وہ پھر غائب ہو جاتا۔ ایک اتوار میں نے تنگ آ کر نوکر کو حد سے زیادہ فہمائش کی اور کہہ دیا کہ آئندہ سنیچر کو وہ غیر حاضر ہوا تو میرے گھر میں نہ آئے۔ میرے بار بار پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ گھوڑ دوڑ دیکھنے کا بہت شوقین ہے۔ اور گذشتہ چار ہفتے میں اس نے پچاس سے زیادہ روپے جیتے ہیں۔ اس نے مجھے یہ بھی صاف صاف بتا دیا کہ وہ میری نوکری صرف اس لئے کرتا ہے کہ میرے ہاں اسے سونے کو جگہ میسر ہے۔ بمبئی میں رہائشی جگہ کی سخت قلت ہے۔ اس لئے نوکری کے بہانہ سے اس نے میرے ہاں سر چھپانے کا بندوبست کر رکھا ہے۔ ورنہ اس کا اصل پیشہ گھوڑ دوڑ سے روپیہ کمانا ہے۔ مجھے اس کے اس بیان پر بہت غصہ آیا۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ بمبئی میں نوکر کا مل سکنا اتنی مکان کے ملنے سے بھی دشوار ہے۔ اس لئے قہر درویش بر جان درویش کے مصداق میں خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے ایک خشک مزاج مُلّا کی طرح اُسے نصیحت کی کہ گھوڑ دوڑ پر روپیہ لگانا جوا ہے۔ اور جوا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ ایسی کمائی ہم لوگوں پر حرام ہے۔ اور اگر اُسے میری بات پر یقین نہ ہو تو تیسری منزل کے پچھلے حصہ میں رہنے والے مولوی صاحب سے دریافت کر لے۔ مجھے معلوم تھا کہ مولوی صاحب گھوڑ دوڑ کے خلاف کھلے بندوں زبانی جہاد کرتے رہتے ہیں۔ میرے نوکر کو اگر ایک مرتبہ مولوی صاحب کی صحبت میسر آ جائے تو وہ گھوڑ دوڑ کا نام تک نہ لے گا۔ لیکن میرے نوکر نے بڑی بیباکی سے مجھے جواب دیا کہ مولوی صاحب تو خود گھوڑ دوڑ کے عاشق ہیں اور وہ گھوڑوں کے شوق میں اس قدر محو ہو چکے ہیں کہ کچھ عجب نہیں کہ آئندہ گھوڑے کا جنم لیں اور اسی میدان میں خود دوڑنا شروع کر دیں۔ مولوی صاحب کی شان میں یہ گستاخانہ الفاظ سن کر مجھے بہت غصہ آیا۔ اور میں نے نوکر کی گوشمالی کی۔ نچلی منزل میں مولوی صاحب اور ملک اشتیاق خاں سے میری یاد اللہ تھی۔ ملک صاحب گھوڑ دوڑ کے رسیا تھے۔ اور یہ حقیقت انہوں نے کبھی نہ چھپائی۔ لیکن مولوی صاحب کے متعلق ایسی بدظنی یقیناً ایک بہت بڑا گناہ تھی۔

گھوڑ دوڑ کو ایک مکروہ چیز سمجھنے کے باوجود نہ معلوم کیوں میں نے نوکر سے دوڑ کی پوری تفصیل پوچھی۔ نوکر نے سب داؤ پیچ بتانے کے بعد کہا کہ آئندہ سنیچر کو دوڑنے والے گھوڑوں میں شہریار نامی گھوڑے کا جیت جانا یقینی بات ہے۔ یہ گھوڑا کسی متوسط الحال آدمی کے پاس تھا۔ آج ہی نواب صاحب ریاض آباد نے سولہ ہزار میں لے

شہریار کا ہو لیا۔

مسٹر یار میرا مقصود پہنچ چکا تھا فوراً اشارہ ہو گیا کہ میدان نمبر آٹھ کے ہاتھ رہا۔ صندل پٹ چکا تھا۔

میری گردن فخر سے بلند ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ گھڑ دوڑ گاہ میں تمام لوگ عقل کے کھوئے ہیں اور میری حیثیت استاد کی ہے۔ لوگ نیچے اڑانے ہوئے اٹھے۔ دراں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ چند منٹ میں سامنے بورڈ پر لکھ دیا گیا کہ گھوڑا نمبر آٹھ پر روپیہ لگانے والوں کو ہر دس روپے کے ٹکٹ پر بارہ سو روپیہ ملیگا۔ میں نے جیب سے پنسل نکالی اور گھوڑ دوڑ کی کتاب کے ایک صفحہ پر حساب کیا۔ معلوم ہوا کہ مجھے ساٹھ ہزار ملیگا۔ آج مجھے یہ مقولہ صادق نظر آیا کہ وہ دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ اب میرے خزانچی تک پہنچنے کی دیر تھی اور میں ساٹھ ہزار کا مالک تھا۔

میں نے اپنی جیب سے ٹکٹ نکالا اسے سوئی بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ٹکٹ۔ یہ کاغذ کا ٹکڑا۔ دراصل ساٹھ ہزار کا کرنسی نوٹ ہے۔ میں اپنی نشست سے اٹھا اور خزانچی کی طرف روانہ ہوا۔ میری نشست سے خزانچی کا کمرہ چار منٹ سے زیادہ کا راستہ نہ تھا۔ لیکن اس مختصر عرصہ میں ملنے والے ساٹھ ہزار روپے کے متعلق میرے ذہن میں کئی سکیمیں آئیں میں نے یکے بعد دیگرے ہر سکیم کو رد کر دیا اور فیصلہ کیا کہ یہ ساٹھ ہزار جوں کا توں بنک میں جمع کرا دیا جائے۔ اور آئندہ ہفتہ چالیس ہزار روپیہ گھوڑ دوڑ میں اور جیت کر اس رقم کو ایک لاکھ تک پہنچا دوں۔ تاکہ میں اپنے آپ کو لاکھ پتی کہہ سکوں۔ میں نے خیال کیا کہ عقل بڑی چیز ہے۔ یہ میری عقل ہی کا کرشمہ ہے کہ ایک غریب آدمی سے لاکھ پتی بن رہا ہوں۔ بہت سے لوگ میرے آگے پیچھے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ میں نے فیصلہ کر دیا کہ یہ سب بیوقوف ہیں۔ اگر ان میں عقل ہوتی تو عمر بھر گھوڑ دوڑ میں روپیہ لگانے کے بعد بھی آج تک یہ روپیہ کے محتاج نہ ہوتے۔ میرے دل میں آیا۔ کہ جب لوگوں کو معلوم ہوگا۔ میں لاکھ پتی ہو گیا ہوں۔ تو وہ یہی کہیں گے۔ دولت خدا کی دین ہے وہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ ان بیوقوفوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہ روپیہ مجھے خدا نے نہیں دیا بلکہ میں نے اپنی عقل سے پیدا کیا ہے۔ میں نے یہ بھی تہیہ کر لیا۔ کہ میں گھوڑ دوڑ پر عنقریب ہی ایک عالمانہ کتاب لکھونگا۔ لازمی بات ہے کہ میری سمجھ اور علمی تجربہ کو مدنظر رکھ کر کوئی نہ کوئی یونیورسٹی مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری پیش کریگی۔ جسے میں قبول کرلونگا

اب میں خزانچی کے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے ٹکٹ جیب سے نکالا۔ اور مسکرا کر اس کے ہاتھ میں دیدیا۔ مجھے یقین تھا کہ ٹکٹ کو دیکھتے ہی خزانچی مجھے کنکھیوں سے دیکھیگا۔ اور ایک فرمانبردار لڑکے کی طرح نہایت ادب سے مجھے روپیہ پیش کریگا۔ خزانچی نے ٹکٹ کو غور سے دیکھا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور ٹکٹ مجھے واپس دیدیا۔ اس کی اس بدتمیزی پر مجھے بہت غصہ آیا۔ اسے اتنا خوف نہ تھا کہ ایک معمولی خزانچی کو لاکھ پتی لوگوں سے کیسے پیش آنا چاہیئے۔ میں نے قہر آلود نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور قریب تھا کہ اس کے منہ پر گھونسا دے ماروں۔ میرے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر خزانچی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور بولا

"مسٹر مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ یہ ٹکٹ اشارہ نمبر گھوڑا صندل کا ہے۔ اور وہ نمبر آٹھ یعنی شہریار کے ہاتھوں پٹ گیا ہے۔"

میں نے جلدی سے ٹکٹ کو دیکھا۔ میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی ٹکٹ دراصل اشارہ نمبر گھوڑے کا تھا۔ میں نے توقف آمیز آواز میں خزانچی سے کہا۔

"میں نے تو آٹھ نمبر گھوڑے کا ٹکٹ مانگا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شہریار ہی جیتیگا۔ میں نے صندل کے متعلق ٹکٹ نہیں خریدا۔ یہ اشارہ نمبر کا ٹکٹ مجھے کیسے دیدیا گیا۔ یہ صریحاً دھوکہ ہے۔"

خزانچی بولا۔

"آج ہزار ہا لوگوں نے اٹھارہ نمبر کا ٹکٹ خریدا تھا۔ ٹکٹ دینے والے کلرک نے بد حواسی میں تمہیں بھی اٹھارہ نمبر کا ٹکٹ دیدیا ہوگا۔ یہ تمہارا فرض تھا کہ اسی وقت اپنا اطمینان کرلیتے کہ ٹکٹ اسی گھوڑے کے متعلق ہے جس کے متعلق تم نے خریدا ہے۔ اب اس غلطی کی اصلاح ممکن نہیں"

میرا دل شدت غم سے بیٹھ گیا۔ چلنے کی طاقت نہ رہی وہاں سے میرے مکان کا فاصلہ دس منٹ کا تھا جسے میں بمشکل آدھ گھنٹے میں طے کرسکا

اپنے کمرہ میں پہنچ کر میں نے کمرہ اندر سے بند کرلیا اور اپنے آپ کو چارپائی پر گرا دیا نہیں معلوم میں کتنا عرصہ یونہی پڑا رہا۔ پچھلی منزل میں بہت شور مچ رہا تھا اس نے مجھے بیدار کردیا اسوقت گھپ اندھیرا ہوچکا تھا میں نے بجلی کا بٹن دبائے بغیر ہی دروازہ کھولا۔ اور نیچے جھانک کر دیکھا۔ سامنے ہی مولوی صاحب کے کمرہ کا اندرونی حصہ صاف دکھائی دیتا تھا میں نے دیکھا کہ ایک پٹھان مولوی صاحب کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔

"تو تم نے آج صبح ہم سے پندرہ روپیہ قرض لیا اور وعدہ کیا کہ شام کو پانچ روپے بیاج اور پندرہ اصل ادا کردیگا اب تم کہتا ہے۔ روپیہ نہیں ہے۔ روپیہ کہاں گیا؟ ہم آج رات کی گاڑی سے پشاور جارہا ہے وہاں ہمارا شادی ہے اگر ہم آج روانہ نہ ہوا۔ تو ہمارا رشتہ خلاص ہو جائیگا نکالو روپیہ۔ ابھی نکالو۔"

میں نے دروازہ بند کیا اور بغیر کپڑے بدلے اور کھانا کھائے پھر لیٹ گیا۔ مولوی صاحب پر پٹھان کے ہاتھوں کیا گزری؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ دوسرے دن میں کسی ضرورت سے مولوی صاحب کے کمرہ میں گیا۔ تو دیکھا کہ مولوی صاحب کے سر اور جبڑوں پر پٹی بندھی ہے۔ اور آپ بستر میں پڑے کراہ رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا۔ کہ مولوی صاحب نے پٹھان سے جو روپے قرض لیکر صندل کی نذر کئے تھے۔ وہ ادا نہیں ہوسکے اور پٹھان کے ہاتھوں درگت ہوا بیٹھے ہیں میں نے پوچھا

"مولوی صاحب یہ آپ کے جبڑوں کو کیا ہوا؟"

"کل شام بازار سے گزرتے ہوئے آرہا تھا کہ کیلے کے چھلکے پر پاؤں پھسل گیا جبڑوں کو وہ چوٹ آئی ہے۔ کہ فقط گردن ہلا سکتا ہوں ورنہ اچھی طرح بول ہی سکتا ہوں"

پھر فرمانے لگے

"مگر آج آپ کا چہرہ بہت اترا ہوا ہے خیر تو ہے؟"

میں نے کہا۔

"مولوی صاحب آپ کیا عرض کروں آپ تو صرف کیلے کے چھلکے پر سے پھسلے لیکن میں پتے کے درخت پر سے ہی گر پڑا ہوں۔"

گرلز کالج میگزین

مسلم گرلز کالج علیگڑھ کا علمی و ادبی ماہنامہ ہے۔ جو مسز بسم اللہ یار احمد اور مسز سلام الحق صاحبہ کی زیر نگرانی شائع ہوا ہے۔ یہ نمبر پانچویں جلد کا پانچواں نمبر ہے۔ حجم ۱۲۰ صفحات ہیں ابتدا میں کالج اور سکول کے متعلق ضروری معلومات درج ہیں اسکے بعد کالج و سکول کے ہر درجہ کی طالبات کے مضامین ہیں مضامین میں شگفتگی اور سلاست ہے۔ ہمارے خیال میں بچوں اور بچیوں کی ذہنی و لسانی تعلیم و تربیت کیلئے یہ گرانقدر چیز ہے۔ یہ پرچہ صرف پانسو چھپتا ہے حالانکہ اگر ہندوستان بھر میں اس کی اشاعت وسعت دی جائے تو پانچ ہزار کاپیاں فروخت ہوسکتی ہیں۔ کارکنان کالج کو ایسے قابل قدر ذخیرہ کو کالج کی دیواروں کے باہر بھی رفاہ عام کیلئے نکالنا چاہیئے۔ اور انہیں نقصان نہ رہیگا۔ قیمت درج نہیں لیکن اس گرانی کے زمانہ میں عمر سے کیا کم ہوگی۔ کاغذ اعلیٰ۔ حجم ۱۲۰ صفحات ملنے کا پتہ: مسلم یونیورسٹی پریس۔ علی گڑھ

خرید لیا ہے۔ گھوڑ دوڑ کے حلقہ میں نواب صاحب خاص اثر رکھتے ہیں۔ اور ان کے گھوڑے اکثر جیت جاتے ہیں۔ جس گھوڑے پر انہوں نے سولہ ہزار روپیہ خرچ کیا ہے لے دوڑ اگر وہ ضرور اپنی شہرت میں اضافہ اور ہر دلعزیزی کو بڑھانے کی کوشش کرینگے۔ نوکر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ابھی تک عوام کو علم نہیں کہ شہریار نواب صاحب کے ہاتھ بک چکا ہے۔ اس لیے آئندہ سنیچر کو عام لوگ شہریار کی طرف توجہ نہیں دینگے اور دوسرے مشہور گھوڑوں پر اپنا روپیہ لگائیں گے۔ جو خوش قسمت لوگ شہریار پر روپیہ لگا دیں گے۔ ان کی زندگی سنور جائیگی۔

میں رات بھر سوچتا رہا۔ کہ خدا کئی لوگوں کی مدد لطیفۂ غیبی سے کرتا ہے۔ بعض لوگوں کے نام بڑی بڑی لاٹریاں نکل آتی ہیں۔ بعض کو دفن شدہ دولت ہاتھ آجاتی ہے۔ بعض ایسے خوش قسمت بھی ہیں کہ چوری کرکے کوئی بھاگتا ہوا چور پیچھا کرنے والوں کے ڈر سے اور جواہرات کی گٹھڑی ان کے یہاں پھینک جاتا ہے۔ یہ واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ شہر کا غریب ترین آدمی ایک صبح کو بیدار ہوا تو اس قسم کے لطیفۂ غیبی نے اسے شہر کا متمول ترین انسان بنا دیا۔ مجھے آج تک لطیفۂ غیبی میسر نہیں آیا۔ کیا خبر میرے لئے شہریار ہی لطیفۂ غیبی بن جائے۔ مجھے عمر میں کم از کم ایک لطیفۂ غیبی تو ضرور ملنا چاہیئے۔ مجھے رات بھر نیند نہ آئی۔ اور میں نوکر کے بتائے ہوئے احتیاطی پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ سنیچر کو دوڑنے والے گھوڑوں کو میں کل ہی بچشم خود دیکھونگا۔ اگر شہریار میری نظر میں واقعی جچ گیا تو میں بھی گھوڑ دوڑ کے میدان میں قسمت آزمائی کرونگا۔ اور ضرور کرونگا۔ میں نے یہ بھی طے کر لیا۔ کہ یہ بات نوکر کو معلوم نہیں ہونے دونگا۔ نوکر آخر نوکر ہی تو ہے۔

صبح اٹھ کر میں نے نوکر کو ایک مرتبہ اور ڈانٹا۔ کہ وہ گھوڑ دوڑ میں جوا کھیلنے کی بجائے اپنی حلال کی کمائی پر قناعت کرے۔ اور میں خود صبح ہی صبح گھوڑ دوڑ کے میدان میں پہنچ گیا۔ یہ وقت آئندہ دوڑ میں حصہ لینے والے گھوڑوں کے لئے مشق کرنے کا تھا۔ بیس اکیس گھوڑے مشق کر رہے تھے۔ شہریار کو تلاش کرنے میں مجھے دقت پیش نہ آئی۔ نوکر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سیاہ رنگ کا ہے۔ اور ان مشق کرنے والے گھوڑوں میں صرف ایک ہی سیاہ گھوڑا تھا۔ میں نے جیب سے گھڑی نکالی اور ہر گھوڑے کی رفتار کا اندازہ کیا۔ دو گھنٹے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ چھ فرلانگ کی دوڑ میں شہریار جیت نہیں سکتا۔ اس کی ابتدائی رفتار مدھم ہے۔ لیکن چھ فرلانگ پر پہنچ کر اس کی رفتار دوسرے گھوڑوں کے مقابلہ میں بہت بڑھ جاتی ہے۔ لمبی دوڑ میں شہریار کبھی شکست نہیں کھائیگا۔ میں نے اپنے علم اور عقل کی بنا پر طے کر لیا کہ میں روپیہ صرف اسی حالت میں لگاؤنگا۔ کہ دوڑ لمبی ہو۔ ورنہ خاموش رہونگا۔

میں میدان سے واپس آیا۔ ناشتہ وغیرہ کیا۔ اور دفتر چلا گیا۔ میں نے دفتر میں برسبیل تذکرہ کئی دوستوں سے پوچھا کہ کسی کے پاس دوربین ہے؟ جوئندہ یابندہ۔ ایک دوست سے ہفتہ بھر کیلئے مجھے دوربین مستعار مل گئی۔ اب مجھے میدان میں جانے کی ضرورت نہ رہی۔ میں ہر صبح دوربین لے کر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو جاتا۔ اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گھوڑوں کی رفتار کا جائزہ لیتا رہا۔ نوکر کو معلوم تھا۔ کہ سمندر کا نظارہ مجھے بہت پسند ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہوگا کہ حسب معمول اپنا شوق پورا کر رہا ہوں۔ جمعہ تک مجھے پورا یقین ہو گیا کہ شہریار لمبی دوڑ جیت کر رہیگا اور آئندہ دوڑ کا اگر تمام روپیہ نہیں تو اس کا بہت بڑا حصہ میری قسمت میں ہے۔

خدا خدا کرکے سنیچر آیا۔ گھوڑ دوڑ کے متعلق اسی صبح کو ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی۔ وہ خرید لی اور چند گھنٹے بعد ہونے والی دوڑ کے متعلق ساری معلومات حاصل کر لیں

دوڑ ڈیڑھ میل لمبی تھی۔ شہریار پر سواری کیلئے نواب صاحب نے ایک انگریز کو منتخب کیا تھا۔ اور کتاب کے ایک صفحہ پر جلی حروف میں لکھا تھا۔ نواب صاحب مالک آباد یہ دوڑ دیکھنے کیلئے خود بھی موجود ہونگے۔ ہر گھوڑے کے متعلق مولف کتاب کی رائے پڑھی۔ شہریار کے متعلق کوئی خاص ذکر نہ تھا۔ البتہ ایک اور مشہور گھوڑے "صندل" کی تعریف میں پورا ایک صفحہ لکھا تھا۔ مولف کی رائے تھی کہ رہیں کی گردش اٹک سکتی ہے لیکن صندل کی تیز رفتاری میں فرق نہیں آسکتا۔ اس کے میدان میں ہوتے ہوئے کوئی دوسرا گھوڑا اس کی ہوا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ میں اپنے دل میں بہت ہنسا کہ شہریار نواب صاحب کا گھوڑا ہے۔ نواب صاحب نے اس پر سولہ ہزار خرچ کیا ہے۔ ایک انگریز تو اس کی سواری کیلئے جیا ہے۔ شہریار کا رتبہ کتنا عالم ہے کہ صندل ایک کے بعد وہ کسی کو قریب نہیں آنے دیتا۔ خود نواب صاحب گھوڑ دوڑ دیکھنے آرہے ہیں کیوں؟ کیا وہ اپنے گھوڑے کو شکست کھاتے دیکھنا چاہتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ شہریار جیتے گا۔ اور پیچ میدان کے جنگلے گذشتہ رات میں نے ملک صاحب کو اس دوڑ پر تبصرہ کرتے سنا تھا۔ وہ بھی صندل ہی کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ شہریار کا نام بھولے سے بھی ان کی زبان سے نہ نکلا۔ میں نے خیال کیا کہ آج میں انعام میں جیتونگا۔ جتنا ملک صاحب نے عمر بھر میں جمع کیا اور نہ ان کی آئندہ نسلیں جیت سکیں گی۔

دوڑ کا وقت چار بجے شام تھا۔ دفتر میں میرا دل نہ لگا۔ میں علالت کا بہانہ کرکے گیارہ بجے ہی چلا آیا۔ بنک سے اپنا جمع شدہ پانچ سو روپیہ برآمد کیا اور بڑی بے چینی سے شام کا انتظار کرنے لگا۔ نوکر کو تین چار گھنٹے کی چھٹی دیدی۔ اور کہدیا کہ وہ ہر سنیچر کو تین بجے شام سے سات بجے تک جہاں چاہے رہا کرے۔ میری طرف سے اجازت ہے۔

میں نے سوچا کیا نوکر کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ آج بھاگ جائیگا اور دوبارہ واپس نہیں آئیگا اور مجھے ہوٹل میں روٹیاں توڑنی پڑیں گی۔

ساڑھے تین بجے۔ اور میں دوڑ میں گھوڑ دوڑ کے میدان کو روانہ ہوا۔ گھوڑ دوڑ میدان کے جنگلے کا دروازہ میرے مکان سے آٹھ دس منٹ کے فاصلہ پر تھا۔ راستہ تماشائیوں سے اٹا ہوا تھا۔ پیدل چلنے والوں کا کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ موٹریں قطار در قطار جا رہی تھیں۔ تانگوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ میں جنگلے کے دروازہ پر پہنچا۔ اول درجہ کا ٹکٹ داخلہ خریدا اور میدان کے اندر پہنچ گیا۔ اندر جاکر میں نے پانچ سو کا پانچ سو آٹھ نمبر گھوڑے پر لگا دیا۔ دوڑنے والے ہر گھوڑے کا نمبر مقرر تھا۔ شہریار کا نمبر آٹھ تھا۔ میں دیر تک ٹکٹ خریدنے والوں کو دیکھتا رہا۔ جو آتا نمبر ۱۸ کا ٹکٹ خریدتا اور ادھر ادھر گھومنے لگتا۔ نمبر اٹھارہ "صندل" تھا۔ میں نے خیال کیا کہ صندل دردسر کا علاج ہے۔ لیکن آج جب صندل شکست کھائیگا۔ تو خود کئی لوگوں کیلئے دردسر بن جائیگا۔

ہر تماشائی بہترین لباس میں ملبوس تھا۔ ہر شخص کے ہاتھ میں گھوڑ دوڑ کی کتاب تھی۔ اندرونی کشمکش کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے۔ اور ہر فرد کانپتے ہاتھوں سے کتاب کے ورق الٹ پلٹ رہا تھا۔ تعداد میں عورتیں بھی مردوں سے کم نہ تھیں۔ مردوں میں تو بیشتر امیر موجود تھے۔ لیکن عورتیں صرف اونچے طبقہ کی تھیں۔ بے شک یہ مسکراہٹ یہ اہتمام اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ طبقہ محض تفریح طبع کے لئے آیا ہے۔ روپے کے جوا سے اس کا تعلق نہیں۔ سب لوگ دو دو چار چار کے گروہ میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ میں مجمع پر نگاہ ڈالتا ہوا نشست گاہ کی طرف بڑھا۔ اور ایک خالی نشست دیکھ کر بیٹھ گیا۔

میں نے جیب سے گھوڑ دوڑ کی کتاب نکالی۔ اسے سے

[illegible]

نظر سے دیکھا۔ اور پھر جیب میں ڈال دی۔ پھر پانچ سو پیلے کا ٹکٹ نکالا ہاتھوں میں اسے مصوعی سے پکڑ کر دیکھا اور کوٹ کی اندرونی جیب میں اسے محفوظ کر دیا۔ اب میں نے نشستگاہ کا جائزہ لیا بعض لوگ بے فکر دکھائی دیتے۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی بعض لوگوں کے چہروں سے فارغ البالی ظاہر تھی یہ لوگ کتاب کے ورق جلد از جلد الٹ رہے تھے ایک ایسا گروہ بھی تھا جس کے پچکے ہوئے گال لباس کی بے ترتیبی اور کتاب میں بہتے رہنا صورت ان کے افلاس کی چغلی کھا رہا ہے یہ لوگ کتاب کا مطالعہ کھوئے اس پر اس طرح گاڑے ایک ٹک کچھ سوچتے رہتے بعض دفعہ پنسل نکال کر کچھ لکھنا بھی شروع کر دیتے یہ طبقہ ایسی دھن میں ایسا کھو جاتا کہ اسے نشستگاہ میں دوسرے لوگوں کے موجود ہونے کی بے پرواہ تھی۔ دو ایسے عورتوں کے دل لیتے تھے۔ ایک طبقہ وہی تھا۔ جو نشستگاہ سے باہر نظر آیا عورتوں کے دوسرے طبقے نے سولہ سنگار اور نیم برہنگی کو زیادہ سے زیادہ کشش کا باعث سمجھ کر کافی محنت کی تھی۔ ان کی بیباک نظریں بتاتی تھیں۔ کہ وہ اپنی اس محنت کی قیمت وصول کرنے آئی ہیں۔ خود میری نشست کے قریب ایک خاتون جو خدوخال سے یہودی معلوم ہوتی تھی۔ اپنے حسن کے متعلق پوری خود اعتمادی سے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کیمرہ بھی تھا۔ اس کی نظریں بار بار میری طرف اٹھتی تھیں مگر ہر مرتبہ مجھے اپنی اندرونی کشمکش کے عذاب میں مبتلا دیکھ کر کسی اور طرف کو پھر جاتیں۔

عوام کے اس انبوہ میں مجھے ایک خصوصیت بھی نظر آئی۔ چند افراد کو چھوڑ کر باقی تمام لوگ محض روپیہ کی خاطر یہاں آئے تھے۔ ان میں سے کسی کو اس وقت سوائے روپے کے اور کوئی خیال نہ تھا روپے سے محبت ان کی ہر رگ و پے پر مسلط تھی۔ اور یہ لوگ روپے کے پیچھے پجاری تھے۔ روپے کے متعلق جو انہماک اور خلوص مجھے ان میں نظر آیا۔ وہ کسی پیر کو اپنے مریدوں سے کم ہی میسر آیا ہوگا۔

دوڑ کا وقت جوں جوں قریب آ رہا تھا۔ ہر شخص کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ مجھے یہ ٹوہ تھی۔ کہ شہریار پر کتنے لوگوں نے روپیہ لگایا۔ میں اپنی اس خواہش کو زیادہ دیر تک دبا نہ سکا اپنی نشست سے اٹھا اور نشستگاہ کے پچھواڑے میں آ گیا۔ وہاں سے دور سامنے کی دیوار پر ہر گھوڑے کے متعلق فروخت شدہ ٹکٹوں کی تعداد دکھائی جا رہی تھی مجھے دوربین لانا پڑا۔ دوربین کی مدد سے میں نے دیکھا کہ جہاں اور گھوڑوں کے مقابل ہندسے بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں۔ دھڑا دھڑ ٹکٹ فروخت ہو رہے ہیں۔ اور فروخت شدہ ٹکٹوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے وہاں شہریار کے متعلق ابھی تک صرف تین ٹکٹ فروخت ہوئے ہیں۔ اور ابھی ان کوئی ردوبدل نہیں ہو رہا اس کا یہ مطلب تھا کہ گھوڑ دوڑ کے بڑے بڑے ماہروں کی نظر بھی شہریار پر نہیں پڑی اور وہ سارا روپیہ صندل پر لگا رہے ہیں۔ اس حقیقت سے مجھے دوگونہ خوشی ہوئی۔ ایک اس لئے کہ میں چند منٹ میں امیر کبیر بننے والا تھا۔ اور میری قسمت بدلنے والی تھی خوشی کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ شہریار کا جیت جانا اس بات کا ثبوت تھا۔ کہ میں ان ہزارہا داناؤں سے زیادہ عقلمند تھا جنہوں نے اپنی تمام عمریں گھوڑ دوڑ کا مطالعہ کرنے میں صرف کر دیں۔ خوشی سے میرا دل بلیوں اچھلنے لگا اور میں دوبارہ اپنی نشست پر آ بیٹھا۔ یہودن خاتون بدستور میرے قریب موجود تھی۔

آخر گھوڑے میدان میں آئے۔ تمام گھوڑے ایک ایک کر کے ہمارے سامنے سے گزرنے لگے۔ تاکہ ہم ہر گھوڑے کو زیادہ قریب سے دیکھ سکیں۔ جب نمبر آٹھ سامنے آیا۔ تو میں نے اسے ایک نظر دیکھا گھوڑا سوار کے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ اس کی مستی اور بے صبری اس بات کی علامت تھی۔ کہ وہ سب دوسرے گھوڑوں کو نیچا دکھائیگا۔ میں نے نشستگاہ

پر ایک نظر ڈالی۔ شہریار نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا لیکن چہروں پر خوشی کے بجائے مایوسی کے آثار تھے۔ سب اس طرح بسورے جا رہے تھے۔ جیسے ابھی ابھی [illegible] ہو۔ البتہ جب نمبر اٹھارہ سامنے آیا تو نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تمام تماشائیوں نے تالیاں بجائیں۔ اور اسے قبل از وقت داد دی۔

تمام گھوڑے ہم سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر پہنچ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ انہیں وہاں سے دوڑ کر ہمارے سامنے آ کر رکنا تھا گھوڑوں کے قریب ایک موٹر بھی تھی۔ موٹر میں دو تین ماہروں کو گھوڑوں کے ساتھ ساتھ آنا تھا۔ تاکہ کوئی سوار رستہ میں شرارت نہ کرے۔ سب لوگ دم بخود تھے۔ نظریں ڈیڑھ میل دور گھوڑوں کی قطار پر جمی تھیں دل دھڑک رہے تھے گھوڑوں کی [illegible] میں پہنچ چکی تھیں۔ اور [illegible] کا سا سکوت تھا

گھنٹی بجی۔ گھوڑے حرکت میں آئے [illegible] نشست گاہ میں دوربینوں کی مدد سے گھوڑوں کے قدم گنے گئے میں نے دوربین سے دیکھا۔ کہ ہر سوار گھوڑے پر اتنا جھک رہا ہے کہ اس کی اپنی گردن اور گھوڑے کی گردن کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہا ہر سوار کی یہی کوشش تھی کہ اس کا گھوڑا ایک ہی جست میں ہو سکے تو کرۂ ارض کو [illegible] حقیقت یہ ہے کہ گھوڑے اس تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ کہ موٹر ان کے برابر نہ چل سکی اور پیچھے رہ گئی۔ میں نے دوربین سے کئی زاویے بنا کر گھوڑوں کو دیکھا شہریار کا کچھ پتہ نہ تھا۔ دو تین گھوڑے ابتدا ہی میں پیچھے رہ گئے تھے باقی سارے کے سارے اکٹھے چلے جا رہے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب گھوڑے اکٹھے ہی منزل مقصود پر پہنچیں گے ساتویں فرلانگ پر ایک گھوڑا آگے نکلا۔ میں نے ہمہ تن اضطراب بن کر دوربین کو گھمایا۔ میرے اندازہ کے مطابق یہی وہ مقام تھا۔ جہاں شہریار کو آگے بڑھنا تھا۔ مجھے سو فیصدی یقین تھا۔ کہ جو گھوڑا آگے بڑھا ہے وہ ضرور نمبر آٹھ ہے۔ میں ابھی اس کا نمبر پڑھنے نہیں پایا تھا کہ نشست گاہ سے یکایک شور بلند ہوا۔

"وہ مارا۔ وہ مارا۔ زندہ باد صندل زندہ باد نمبر اٹھارہ
بڑھے چلو شاباش صندل شاباش"

میں نے دیکھا کہ نمبر اٹھارہ بڑھتے چلا جا رہا تھا شہریار ابھی تک جوں کا توں تھا۔ گھوڑے ساتواں فرلانگ گزر کر دسویں فرلانگ کی حد میں داخل ہو رہے تھے۔ جوش میں آ کر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ بلند کر کے "صندل صندل" پکارنے لگے۔ مایوسی سے میرا دل بیٹھ گیا۔ میں [illegible] اپنے گرد گھومتی نظر آئی مجھے سانس لینا دشوار ہو گیا اب گھوڑے اور بھی قریب آ رہے تھے میں نے دیکھا کہ دوسرے درجہ کی نشست گاہ سے ایک شخص [illegible] کی ٹولی [illegible] جوش میں اٹھا [illegible] گھوڑوں کی [illegible] سے آگے [illegible] صندل کو داد دینے لگا۔ [illegible]

میں نے [illegible] اضطراب کی حالت میں پھر گھوڑوں پر نظر ڈالی۔ گھوڑے نویں فرلانگ پر پہنچے تھے۔ کہ یکایک نشست گاہ پر پھر موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی اور کسی طرف سے دلدوز آہیں سنائی دیں۔ ایک گھوڑا سب سے آگے بڑھا اور صندل کو دس قدم پیچھے چھوڑ گیا۔ یہ میرا شہریار تھا۔ نمبر آٹھ تھا۔ میری جان میں جان آئی [illegible] گھوڑا [illegible] اب صندل کا شہریار کے قریب پہنچ سکنا ناممکن تھا۔ یہ یقین ہوتے ہی کہ میرا شہریار میدان مار گیا میں نے غیر شعوری اور قطعاً غیر ارادی طور پر یہودی خاتون کو جھنجھوڑا اور ہکلاتے ہوئے کہا

"کیمرہ۔ فوٹو۔ فوٹو۔ شہریار۔ شہریار"

یہودی خاتون جیتنے والے گھوڑے کا فوکس لے رہی تھی۔ کیمرہ اس کے ہاتھ سے گر کر اس کی گود میں آ رہا۔ اس نے حقارت آمیز نظر سے میری طرف گھورا اور فوراً کیمرہ درست کر

موج و گرداب

بچپن کا وہ معصوم وہ معصوم زمانہ
احساس کے لمحات کو روندتا ہوا مبہم
اتنا بھی نہیں علم کہ کس سال میں گزرا
ہاں یاد ہے اک خواب کی مانند لڑکپن
اک درد ہوئے ربط خیالات میں گم تھا
احساس میں کھویا ہوا لیکن ذرا تھوڑا
معلوم نہیں ہوش میں آیا تھا کہ نہیں تھا
افسوس وہ افسون خیالات بھی ٹوٹا
اب ساتھ نظروں کے زمانہ ہی نیا ہے
رگ رگ میں ابھرتی ہوئی جذبات کی موجیں
سینے میں مچلتے ہیں تمناؤں کے دھارے
رہتے ہیں تصور میں نگاہوں کے فسانے
رگ رگ میں موجیں لہریں لیتی ہیں امنگیں
بیباک جوانی کی یہ بہکی ہوئی گھاتیں
ہر چہرۂ رخشاں کو نظر چوم رہی ہے
یہ میری جوانی کا نکھرتا ہوا عالم
بہتا ہوا جذبات کے طوفان کی رو میں

ماضی کے دھندلکوں کا وہ موہوم فسانہ
بے چین سا، بیتاب سا ہوتا ہوا مبہم
آرام میں بیتا کہ وہ جنجال میں گزرا
وہ سادہ ماحول کا ٹھہرا ہوا جوبن
موہوم امیدوں کے طلسمات میں گم تھا
نخوت میں سویا ہوا لیکن ذرا تھوڑا
یوں میرے ارادوں میں تخیل تھا کہ نہیں تھا
ہنستی ہوئی خوشیوں کا حسیں ہاتھ بھی چھوٹا
میرے دل وحشی کا زمانہ ہی نیا ہے
جذبات کی موجیں ہیں کہ برسات کی موجیں
نظروں سے برستے ہیں محبت کے شرارے
لب پر ہیں کسی شوخ کی الفت کے ترانے
کیا روح کو بے کل کئے دیتی ہیں امنگیں
ہنستے ہوئے دن ہیں تو مہکی ہوئی راتیں
میں جھوم رہا ہوں کہ فضا جھوم رہی ہے
مخمور فضاؤں میں بکھرتا ہوا عالم
کھویا ہوا سویا ہوا اپنی تگ و دو میں

معلوم نہیں کونسی منزل کو رواں ہے
اک برق کا سایہ ہے کہ پرواز کناں ہے

شوکت واسطی

بدصورت

افسانہ

از خدیجہ مستور لکھنوی

ہسپتال کی مسموم فضا میں میری کالی بلا معلوم ہوتی۔ مریض اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے لیکن وہ محبت سے [illegible] سر سہلاتی۔ دوا پلاتی اور زخم پر لگاتی ہوں [illegible] ی۔ مریض جب تک اس کے جینے کی کمٹ پ [illegible] معلوم کر لیتے کہ وہ گئی، آنکھیں نہ کھولتے

میری ہسپتال کی سب سے زیادہ بدصورت نرس تھی۔ اور شاید اس بدصورتی نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ دنیا کی رنگینیوں سے دامن بچا کر سسکتے بلکتے انسانوں کی خدمت کرکے زندگی کے دن کاٹ دے۔ وہ دنیا کی ستائی اور مردوں کی ٹھکرائی ہوئی تھی۔ اس کے سینے میں محبت سے لبریز دل تھا۔ لیکن کسی نے بھی اس کی قدر نہ کی تھی کسی نے بھی نہ چاہا۔ ہاں اس کی جوانی کو کتنوں ہی نے چاہا تھا۔ صرف ایک ایک بار، ہزاروں سہانے دکھا کر اپنا سا وعدہ کرکے اور پھر ٹھکرا دیتے کیونکہ وہ بدصورت تھی۔ ایک عرصے تک کسی کا بن جانے کی تمنا اسے ستاتی رہی لیکن تنہائیں بھی کبھی بری ہوا کرتی ہیں یہ تو سراب کی نذر ہوتی ہیں۔ جن کیلئے انسان ہمیشہ ترستا رہتا ہے۔ آخر میری تھک کر نرس بن گئی۔ لیکن یہاں بھی مریضوں کی محبت سے لبریز نگاہوں کا سامنا تھا اکثر منچلے مریض تکلیف کی حالت میں بھی نرسوں کے حسن سے آنکھیں سینکتے ہیں۔ اور موقعہ ملنے پر ہاتھ دبا دینے کو مائی باپ اکسیل سمجھتے ہیں۔ وہ میری کو دیکھ کر کہا کرتے کہ مریضوں کو قبل از وقت مار دینے کیلئے میری کو ہسپتال میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس نے اپنے متعلق یہ رائے سنی۔ تو اور بھی تندہی سے خدمت گزاری پر آمادہ ہو گئی۔ وہ مریضوں کی منتظر نگاہوں کا معاملہ کبھی نہ ختم ہونے والے جوش خدمت سے کرتی۔ کیونکہ اس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی ان کی خدمت سمجھا تھا۔ وہ ان مریضوں کا بہت خیال کرتی جو بھیانک مرض میں گرفتار پڑے ایڑیاں رگڑتے ہوئے اور بچوں کی طرح چلا چلا کر ہسپتال کو سر پر اٹھا لیتے۔ دوسری نرسیں نہیں ڈانٹتیں لیکن میری انہیں تسلی دیتی۔ ان کی دکھتی رگوں کو سہلاتی اور محبت کے لمحات میں جبکہ دوسری نرسیں اپنے دوستوں کیساتھ رنگ رلیاں منانے چلی جاتیں تو تنہائی میں بیٹھ کر وہ کسی جان بلب مریض کیلئے دعا کرتی ہوتی کتنی مہربان نرس تھی وہ، بالکل ماں کی طرح ————!

صبح ناشتے سے فارغ ہو کر میری نے کپڑے تبدیل کئے سفید لمبے کف پردوں جیسی فراک، کمر میں کسا ہوا سیاہ ربن اور سر پر لہراتا ہوا رومال۔ تقریباً میٹرس کی طرح ساری ان مریضوں کا مد بچھڑ لیسے لگی جن کی دیکھ بھال اس کے ذمے تھی اس کے وارڈ میں رات کئی نئے مریض آئے تھے۔ ان میں سے ایک دم توڑ رہا تھا۔ کیسی بے بسی کا عالم تھا۔ ڈاکٹر آخری وقت میں بھی اسے چین نہ لینے دیتے تھے۔ بلکہ انجکشن پہ انجکشن لگا کر اس ادھ موئے سے شاید کوئی نیا تجربہ حاصل کر رہے تھے۔ میری حسرت سے اس بے بس آدمی کو دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ کل کا خالی پلنگ آج کسی مریض کو اپنے بھیانک آغوش میں لئے ہوئے تھا۔ وہ ٹمپریچر لینے

کیلئے جھکی اور پھر ٹھٹھک کر پیچھے ہٹی۔ وہ سرتاپا لرز رہی تھی مریض نے اپنی ٹانگیں سمیٹتے ہوئے زور سے کراہا تو میری کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اور تب اسے دس سال پہلے کا البرٹ، میری کا محبوب آج اس کے سامنے پڑا تھا۔ پچکے ہوئے رخسار، زرد چہرہ اور بھینچے ہوئے ہونٹ۔ میری کا دل چاہا کہ وہاں سے بھاگ جائے لیکن کہاں؟ اس کی دنیا کتنی محدود تھی۔ اس نے اپنی حالت کو بمشکل سنبھالا اور البرٹ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بچوں کی طرح چلایا۔

"نرس کیا تم مجھے آپریشن روم میں لے جانے کو آئی ہو؟ اف نہیں یہ تکلیف نہ برداشت کر سکونگا۔ مجھے یوں ہی مر جانے دو" اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ میری کو نرس کے روپ میں نہ پہچان سکا تھا۔

"گھبراؤ مت۔ آپریشن کے بعد تم بالکل اچھے ہو جاؤ گے" نرس میری نے اپنی متغیر حالت کو چھپا کر کہا اور مڑ کر [illegible] دیکھا۔ "ایک سو چار" وہ اپنے محبوب کی تکلیف سے کانپ اٹھی وہ تمام دن مضمحل رہی اس لئے اس سے کئی نقصان ہوئے۔ آج نہ تو وہ دوسرے مریضوں کو تسلی دے سکی نہ اس دستوری سے ان کی خدمت کر سکی۔ اور شام کو جب وہ اپنی ڈیوٹی ختم کر کے گھر گئی تو بغیر کچھ کھائے پیئے بستر پر پڑ گئی

اسے اب سے دس سال قبل کا زمانہ یاد آگیا جبکہ وہ یہاں سے قریب کے ایک دیہات میں اپنی اندھی ماں کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ اس کے گھر کے بالکل مقابل البرٹ کا چھوٹا سا خوبصورت مکان تھا۔ البرٹ کہیں شہر میں ملازم تھا وہ ہر سنیچر کی شام کو سورج ڈوبتے ڈوبتے سائیکل پر سوار شہر سے آنے والی پکی سڑک پر آتا نظر آتا اور پھر تین راتیں اور ایک دن اپنے چھوٹے سے مکان میں تنہا بسر کر کے [illegible] قبل چلا آتا۔ گاؤں والے کہتے تھے۔ کہ اسے اپنے اس مکان سے بڑی محبت ہے۔ اور اس لئے یہاں آتا ہے۔

میری کو البرٹ سے نہ جانے کیوں [illegible] وہ اتوار کو گاؤں کے چھوٹے سے گرجے [illegible] آنے کے بعد بالا اپنے کمرے کی کھڑکی سے لگی البرٹ کو دیکھا کرتی۔ جو زیادہ تر کچھ لکھنے میں مصروف رہا کرتا تھا۔ جب کبھی وہ لکھتے لکھتے تھک جاتا تو کھڑکی کی سلاخوں سے سر لگا کر [illegible] ندی کو دیکھا کرتا۔ اور میری اسے دیکھا کرتی جسے سب دہریہ کہا کرتے تھے جو ہر اتوار کو موجود ہوتے ہوئے بھی کبھی گرجے میں نہ گیا تھا۔ میری نے آج تک کسی کو اس کے پاس آتے جاتے نہ دیکھا تھا وہ بالکل تنہا تھا۔ اسے [illegible] لہراتی ندی اور ہرے بھرے کھیت کے گاؤں میں کسی سے دلچسپی نہ تھی وہ کبھی کبھی کھڑکی سے چپکی ہوئی میری کو خالی خالی نظروں سے دیکھ لیا کرتا اور پھر شاید ان نظروں سے تھک کر کچھ لکھنے لگتا۔ اور میری پھر ایک لمحہ تھکے ہوئے [illegible] اسے دیکھا کرتی۔ بالکل گم سم۔ اتوار کا تمام دن وہ اسے یوں ہی کھڑے کھڑے دیکھا کرتی۔ یہاں تک کہ بھوک سے بے تاب ہو کر اس کی اندھی ماں چلا چلا کر کہنے لگتی۔ ارے میں اندھی [illegible] ہوں اس لئے میری مجھے خاطر میں نہیں لاتی۔ ہائے میں مر جاؤں تو اسے فرصت مل جائے۔ ایسی [illegible] ہو۔ پھر وہ دوڑ کر گھر پر [illegible] ہوئے اس سے معافی مانگنے لگتی۔ اور جب [illegible] کی صبح کو اٹھتی۔ تو البرٹ کے مکان میں قفل لٹکتا ہوتا۔ میری جلدی جلدی سے کھانا تیار کر کے گاؤں کے پرائمری سکول میں اپنی ڈیوٹی پر چلی جاتی۔ کہنے کو تو ڈیوٹی پر ہوتی۔ لیکن سکول کی [illegible] لڑکیاں آپس میں ہمیشہ کہا کرتیں۔ کہ میری استانی [illegible] کرتی ہیں۔ اور یہ سچ ہی تھا۔ کئی بار یہ شکایت [illegible] تک بھی پہنچتی اور اس سے سخت باز پرس ہوتی [illegible] معافی مانگنی پڑتی۔

ایک دن جبکہ وہ اسکول سے واپس آ رہی تھی تو
اس نے البرٹ کے مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا
کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ میری کا دل نہ جانے کیوں اس
[illegible]ل واقع سے پریشان ہوگیا۔ سوائے البرٹ کے
[illegible]ں ہوگا مگر وہ سنیچر کی شام کو آتا ہے۔ وہ
کشمکش [illegible] اس کے دروازے کے پاس کھڑی رہی
اور نیم وا دروازے [illegible] اندر کمرے تک دیکھنے کی کوشش
کرتی رہی لیکن اسے کچھ نہ دکھائی دیا۔ اور آخر وہ تھک کر
گھر میں آ گئی۔ بوڑھی ماں اس کے انتظار میں بڑبڑا رہی تھی میری
کے پاؤں کی چاپ سن کر کہنے لگی کہ میں مارے بھوک کے
مری جاتی ہوں۔ میری کا دل تو چاہا کہ وہ جا کے کھڑکی
میں کھڑے ہوکے انگیٹھی پر سر مارے لیکن فرض سے مجبور
ہو کر کھانا تیار کرنے لگی۔ اس دوران میں وہ کئی بار اٹھ اٹھ کر
کھڑکی تک آئی۔ کہ شاید البرٹ کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہو اور وہ
اسے ایک نظر دیکھ لے۔ لیکن کھڑکی جوں کی توں بند تھی
ماں کو کھانا کھلا کر وہ کھڑکی سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس
کی بے چین نظریں بند کھڑکی سے ٹکرا ٹکرا کر رہ جاتیں۔ یہاں تک
کہ شام کی دھندلے گاؤں کو گھیر لیا۔ کسان کھیتوں سے واپس
آگئے چرواہے اپنے ڈھوروں کو کھونٹوں سے باندھ کر مٹی کے ہول
کشوں میں اپنی تھکن کھونے لگے گھاس پھوس کے مکانوں
سے نکلتا ہوا دھواں اٹھنے لگا لیکن میری ویسی ہی کھڑی
کھڑکی کھلنے کا انتظار کرتی رہی۔ آخر اس نے [illegible] کی خاموشی
کو چیرتی ہوئی کراہنے کی آواز سنی۔ اس کے دل نے پکارا البرٹ
بیمار ہے۔ پھر وہ انتہائی خاموشی سے اپنے گھر سے نکل چوروں
کی طرح البرٹ کے گھر کے پاس پہنچی دروازہ ویسا ہی نیم وا تھا
جیسا اس نے سہ پہر کو اسکول سے واپس آتے ہوئے دیکھا تھا
وہ دھڑکتے ہوئے دل سے کمرے کی طرف چلی۔ کراہنے کی آواز
ویسی ہی آ رہی تھی۔ اور جب میری نے کمرے میں قدم رکھا
تو بالکل خاموشی طاری ہوگئی۔ اس کے سامنے البرٹ پڑا ہوا
تھا۔ بند آنکھیں خشک بھنچے ہوئے ہونٹ۔ اس نے بے اختیاری
طور پر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں دبایا۔ اور پھر تڑپ کر الگ
ہو گئی۔ البرٹ کو تیز بخار تھا۔ وہ بالکل آگ کی طرح جل رہا تھا
میری کو معلوم تھا کہ اگر بخار میں ٹھنڈے پانی کا کپڑا بھگو کر
پیشانی پر رکھا جائے۔ تو بخار دھیما ہو جاتا ہے۔ اس نے یہی
کیا کچھ دیر بعد بخار کم ہو گیا۔ اور البرٹ نے آنکھیں کھول دیں
میری کو دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا تم کون ہو؟
میری! اس کا دل اس غیر متوقع سوال سے ٹوٹ رہا تھا
لیکن اس نے خود کو تسلی دی کہ وہ اگر یہ سوال کرے تو تعجب کیا
ہے۔ وہ گاؤں میں کسی کو ملتا ہی نہیں۔
"تم یہاں کیسے آئیں؟" البرٹ نے دوبارہ سوال کیا۔
"میں تمہارے [illegible] میں نے تمہارے کراہنے کی آواز سنی چلی آئی"
میری نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
"بہت بہت شکریہ تمہارا" اس نے مطمئن ہو کر آنکھیں
بند کرلیں۔ اور میری اپنے گھر واپس آگئی۔ لیکن وہ جب تک
بیمار رہا وہ ہر روز اس کے پاس جاتی رہی۔ وہ اس کو اپنے ہاتھ
دوا پلاتی اس کے لئے کھانا تیار کرتی۔ اس کے کنگھی کرتی اور
سوچ کر بےحد خوش ہوتی۔ کہ وہ اپنے محبوب سے قریب ہے۔
ایک ہفتہ میں البرٹ بالکل تندرست ہو کر شہر چلا گیا چلتے
اس نے میری کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور میری کو جینے
کی دولت مل گئی وہ یہ سوچ سوچ کے خوش ہو رہی تھی۔ کہ
وہ جب سنیچر کو واپس آئے گا۔ اسے اپنے گھر بلا کر جانے کتنی
میٹھی باتیں کیا کرے گا کبھی وہ خود دوڑ کر اس کے گھر آیا کرے گا
اتوار کا انتظار میری اس طرح کر رہی تھی۔ جس طرح
بچے عید کا انتظار کرتے ہیں۔ آخر سنیچر کی شام کو البرٹ کے
میں روشنی ہوئی۔ اور میری رات گئے تک کھڑکی سے لگ
ہلکی روشنی سے آنکھیں سینکتی رہی۔
صبح جب وہ گرجے جا رہی تھی۔ تو البرٹ کے گھر کا
دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ دھوپ میں کرسی ڈالے

پڑھ رہا تھا۔ میری ایک لمحے کیلئے ٹھٹکی اور پر مسرت آواز میں چلائی۔

البرٹ ! اسے امید تھی۔ کہ اسے جواب نہایت گرم جوشی سے ملے گا۔ [illegible] خلاف توقع البرٹ نے کرسی سے اٹھ کر ایک نہایت خشک سا سلام کیا۔ اور پھر پڑھنے میں منہمک ہوگیا۔ میری کا دل ڈوبنے لگا وہ مشکل [illegible] اور پھر مدرسے گھر آ کر اس [illegible] کی شکایت کی

[illegible] جب کبھی البرٹ میری کو دیکھتا تو محض ایک خشک سے سلام کے بعد فوراً کسی اور طرف [illegible] [illegible] کہ میں نا میری [illegible] کہنے لگے۔

[illegible] میری [illegible] کے باوجود اسے چاہ رہی تھی وہ سوتے جاگتے اسی کے خواب دیکھا کرتی۔ اس کے محبوب نے اسے اپنی باتوں میں جکڑا [illegible] ہمیشہ کیلئے [illegible] میٹھے میٹھے خواب دیکھتے ہوئے [illegible] حال کہ وہ [illegible] ہے۔ وہ اب بھی اسی طرح [illegible] کو [illegible] کیا کرتی

ایک سہ پہر تمام گاؤں نے دیکھا۔ کہ البرٹ آیا۔ اس کے ساتھ [illegible] جیسی گھنگھریالے بالوں والی لڑکی بھی تھی۔ [illegible] سی ہوئی۔ البرٹ اسکی [illegible] ہاتھ ڈالے سے گھر کے مدرسے گیا۔ اور [illegible]

میری رات بھر اس لڑکی کے متعلق [illegible] مارے لڑکی اور البرٹ کے [illegible] کو چیرتے ہوئے [illegible]

صبح جب وہ کرما جانے کیلئے نکلی تو البرٹ نے اسے روک کر کہا۔ کہ " وہ مسز البرٹ سے ملے"

مسز برٹ ! یہ سن کر میری کو چکر آنے لگا۔ وہ معذرت کرکے اپنے گھر واپس آگئی۔ وہ تمام دن پڑی رویا کی۔ آج اسے معلوم ہوا۔ کہ دنیا کی تمام رنگینیاں اس کیلئے ختم ہوگئیں۔

انہی دنوں اس کی ماں مرگئی۔ اور غریب میری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی۔

وہ در و دیوار سے سر ٹکرا کر رویا کرتی۔ اسکول سے طبیعت اچاٹ ہوگئی۔ اس کے خلاف شکائتیں ہوئیں۔ کیونکہ وہ اپنی ڈیوٹی پر بھی روتی ہی رہتی۔

بڑی استانی نے رحم کھا کر اس کی [illegible] اس طرح وہ ملازمت سے [illegible] نکال دی جاتی

اب وہ اسکول سے آ کر بغیر کچھ کھائے پئے کھڑکی سے چمٹی رہتی۔ کیونکہ البرٹ شہر کی ملازمت چھوڑ کر مستقل طریقے سے [illegible] کے دہیں رہ پڑا تھا وہ دونوں روزانہ شام کو ندی کنارے تفریح کیلئے چلے جایا کرتے۔ پیچھے سے میری بھی وہاں پہنچ کر الگ کھڑی [illegible] انہیں خوش ہوتے دیکھ کر سوچا کرتی۔ کہ کاش اس کا محبوب اس کے دل کی تڑپ سے واقف ہوسکے۔

یوں ہی کافی عرصہ گزر گیا۔ گاؤں میں [illegible] ایک موس واقع ہوئی۔ میری لرز اٹھی۔ اس نے خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ البرٹ زندہ و سلامت رہے۔ اس کی دعا قبول ہوئی۔ [illegible] البرٹ کی بیوی ہیضہ کی نذر ہوگئی۔ اس کی موت سے میری کو گونہ مسرت ہوئی لیکن ساتھ ہی کیونکہ اب اسکا محبوب انتہائی غمگین تھا۔ کئی [illegible] گزر جاتے۔ وہ گھر سے نہ نکلتا اور نہ ہی کھڑکی کے پاس آتا۔ میری اسے دیکھنے کیلئے تڑپا کرتی یونہی کئی روز گزر گئے۔ اور ایک دن جب وہ اسکول سے واپس آئی۔ تو اسے معلوم ہوا۔ کہ البرٹ گاؤں چھوڑ گیا۔ کہاں گیا ؟ یہ کسی کو بھی نہ معلوم تھا۔ میری یہ سن کر اپنے ویران مکان میں مچل مچل کر روئی۔ لیکن کوئی اس کے آنسو پونچھنے والا بھی نہ تھا۔ [illegible] کا نہ تھا۔ وہ خود ہی روتی خود ہی آنسو پونچھتی۔

اسی زمانے میں جب وہ ایک مغموم زندگی گزار رہی تھی تو اس نے محسوس کیا۔ کہ گاؤں کے کچھ لوگ [illegible]

نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ان نگاہوں سے سہم کر رہ گئی۔ اور اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچنے لگی۔ لیکن اسکا کون تھا جو اس کی مدد کرتا۔ اسکا محبوب جسکی وہ اب تک پرستش کرتی [illegible] اسکا بیگانہ تھا۔ آخر ایک طوفانی رات میں اسے لوٹ [illegible] کے بعد کتنوں ہی نے اسے لوٹا۔ وہ اپنی بیکسی پر روتی اور کسی کا سہارا [illegible] چاہتی۔ لیکن اس بدصورت کو دن کی روشنی میں کون اپنے پہلو میں جگہ دیتا۔

آخر وہ تنگ آکر شہر بھاگ آئی۔ یہاں بھی وہ یونہی بھٹکتی پھری بڑی انتہائی کوشش کے بعد نرسنگ ٹریننگ کیلئے بھرتی کر لیا گیا اور ایک عرصہ بعد اسے کسی قدر سکون حاصل ہو گیا اب وہ کسی حد تک اپنے محبوب کو بھول گئی تھی اس محبوب کو جس نے اسے دنیا ترک کر دینے پر مجبور کر دیا تھا اسے مریضوں کی خدمت میں خاص لطف آتا وہ تڑپتے ہوئے بے بس مریضوں کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنے لگی۔ مریضوں کی آہیں اور سسکیاں اسکے دل میں محبت کے جذبات پیدا کر دیتیں۔ بے بس مریض اس کے بچے تھے اور وہ ان کی ہمدرد ماں۔ اب اس کی زندگی کا مقصد محبوب کے سینے میں سمانے کیلئے نہیں تھا بلکہ اپنے بچوں کی دیکھ بھال محبوب کے آغوش میں مچلنے والی دوسری حسین نرسیں تھیں جو ہر وقت بیکس مریضوں کی [illegible] دیتیں اور لطافت محور انسانوں کی خدمت کا ڈھونگ رچاتیں۔

لیکن آج میری جیسے اس دنیا میں تھی ہی نہیں آج اسکے سینے میں وہی دل مچل رہا تھا جو دس سال قبل البرٹ کو دیکھ کر ناچ اٹھتا تھا اسکا محبوب البرٹ دس سال بعد اس کے سامنے تھا۔ لیکن موت کی آغوش میں۔

کل دس بجے اسکا اپریشن ہوگا۔ وہ کیونکر دیکھ سکیگی!

میری رات بھر نہ سوئی اور تکیہ آنسوؤں سے بھگو لیا تڑکے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور گلاب کے پھولوں سے ایک گلدستہ تیار کر کے اپنی ڈیوٹی پر پہنچی۔ وہ آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ اس کا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا میری نے محبت سے اسکے بکھرے ہوئے بال درست کئے۔ البرٹ نے آنکھیں کھولیں اور اس نے پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔

میں تمہارا شکریہ لیکن یہ تو بتاؤ کہ جو انسان مٹی سے کھیلنے جا رہا ہو۔ یہ پھول اسے کیا اچھے لگیں گے؟

میری نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اسکا گلا بھر آیا تھا وہ آہستہ آہستہ اسکی پیشانی سہلانے لگی۔

دس بجے اُسے اپریشن روم میں لے جایا گیا۔ آپریشن ہوا میری اُسکی زندگی کی دعائیں مانگتی رہی

البرٹ سارا دن بے ہوش پڑا رہا۔ میری نے دستے کٹے پھول اسکے سرہانے رکھے۔ جو مرجھانے لگے میری گھڑی گھڑی کر اس کے پاس جاتی اسے دیکھتی اور کلیجہ مسوس کر ہٹ جاتی۔

میری نے اس بستر پر کتنے ہی انسانوں کو دم توڑتے دیکھا تھا لیکن آج اسکا محبوب بے ہوش پڑا موت اور زندگی کی لڑائی کا میدان بنا ہوا تھا۔

شام کو اُس کی ڈیوٹی ختم ہوئی۔ تو اُس نے ڈاکٹر سے التجا کی کہ آج رات اس کو ڈیوٹی پر رکھا جائے۔ لیکن درشت مزاج ڈاکٹر نے اسکی التجا ٹھکرا دی۔ کیونکہ میری کی آنکھیں کمزور تھیں اور رات کو اسے کم دکھائی دیتا تھا۔

اسی رات اسکا محبوب دوسری بدمزاج نرس کے رحم و کرم پر تھا۔ اور میری اپنے بستر پر پڑی کروٹیں بدل رہی تھی۔ نائیٹ ڈیوٹی کی نرس نے صبح چھ بجے ڈاکٹر کو اطلاع دی کہ بیڈ نمبر ۹ کا مریض مر گیا ہے اُسکے وارثوں کو اطلاع کر دی جائے۔

میری دس بج گئے اور ڈیوٹی پر نہ پہنچی۔ ایک نرس جھنجھلا کر اس کے کمرے کا رُخ کیا اور اسے جھنجھوڑ کر جگانا چاہا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت سے چیخ اٹھی۔ کہ میری کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور جسم سرد تھا۔

خدیجہ مستور لکھنوی

غزل

سرِ شورِ اثر ہے اور میں ہوں
اب اُنکا سنگِ در ہے اور میں ہوں
دلِ شوریدہ سر ہے اور میں ہوں
فغانِ نارسا ہے اور میں ہوں
قفس میں رہ کے بھی دل ہے چمن میں
غمِ برق و شرر ہے اور میں ہوں
دلِ وارفتہ میرِ کارواں ہے
فریبِ راہ بر ہے اور میں ہوں
شہیدِ صورت و صرفِ تجلّی
مرا ذوقِ نظر ہے اور میں ہوں
یہی شاید مآلِ آرزو ہے
نگاہ صرفِ در ہے اور میں ہوں
یہی کعبہ یہی جنت ہے میری
کسی کی رہگذر ہے اور میں ہوں

(راز مرادآبادی)

حشرِ جذبات

جو عالمِ محسوس سے بیگانہ بنا دے
ایسا تو مجھے جلوۂ جانانہ بنا دے
جلوہ وہ نظر آئے جو دیوانہ بنا دے
تصویر جو سنگِ درِ بتخانہ بنا دے
حاصل ہی نہیں جب مجھے اِدراک و بصیرت
اس روحِ حقیقت کو بھی افسانہ بنا دے
اب مجھ کو گوارہ نہیں مہجوریٔ جلوہ
تو کثرتِ انوار سے دیوانہ بنا دے
اس میں بھی ہے سرچشمۂ عرفان و حقیقت
ایمان کو تو واقفِ بتخانہ بنا دے
سمجھے بھی اگر حسن تو سمجھے نہ اسے کچھ
تو عشق کو افسانہ در افسانہ بنا دے
سرشارِ مئے حُسن تو میخانے میں ہوں میں
اب دیکھئے کیا لغزشِ مستانہ بنا دے
ایسی بھی نظر ڈال تو اے حُسنِ سراپا
اس دل کو دو عالم سے جو بیگانہ بنا دے
اس جلوۂ رنگیں کی تمنا تو ہے مجھ کو
لیکن وہ اگر ہوش سے بیگانہ بنا دے
قائل ہوں میں اس عشق کا دنیا میں جو ثاقبؔ
ہستی کے ہر اک ذرّے کو ویرانہ بنا دے

([illegible])

افسانہ

جدید تجربہ

محمد قمرالدین صاحب رام نگری

آج میں بہت خوش تھا کہ برسوں کے بعد طلوع آفتاب کا دلکش منظر دیکھ سکوں گا۔ اسی طرح ایک بار اور بھی اس حسرت انگیز منظر کے دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اس روز بھی آج ہی کی طرح قبل از وقت نیند کھل گئی تھی ورنہ میں تو آٹھ بجے سے پہلے بھول کر بھی بستر سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

گھر کے سب لوگ جاگ چکے تھے میں بھی اٹھ کر صحن کی طرف جانا چاہتا تھا کہ میری بیوی جی کی چھوٹی بہن مس اسوکہ پر نظر پڑی۔ وہ اخبار دیکھ رہی تھیں۔ میں چپ چاپ ان کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا ان کی نظر اشتہاری صفحے پر گڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولیں۔

"دیکھا بہنوئی جی آپ نے؟"

"کیا؟"

"یہ اشتہار۔ ذرا دیکھئے کیا لکھا ہے اس میں"

اس نے اخبار میری طرف بڑھا دیا میں پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"میں کئی روز سے کھو گیا ہوں۔ روزانہ صبح چھ بجے سے دن کے بارہ بجے تک اور سہ پہر کو تین بجے سے سات بجے تک وکٹوریہ میموریل کے آس پاس گھومتا رہتا ہوں۔ جن کا میں ہوں وہ مجھے بآسانی پا سکتے ہیں۔

نوبن"

آجکل اشتہار بازی کا زمانہ ہے۔ ایک سے ایک انوکھے اور عجیب و غریب اشتہارات نظر سے گزرتے رہتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا اشتہار میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ کسی نے محض تفریح کی تھی۔ جب بھی پیسہ خرچ کر کے ایسا تفریح حاصل کرنے والا معمولی آدمی نہیں ہو سکتا لہٰذا ایسے شخص کو چل کر دیکھ تو آنا چاہئے۔

چنانچہ میں وکٹوریہ میموریل گیا اور آنجناب کے دیدار سے مشرف ہوا۔ دبلے پتلے گورا رنگ ۲۵ کے قریب عمر دیکھنے میں تو واقعی حضرت مجنوں کے برادر کلاں معلوم ہوتے تھے لیکن گفتگو کے بعد پتہ چلا۔ خاصے ذی ہوش اور ذی فہم آدمی ہیں۔

میں نے سوال کیا۔ "کیا آپ ہی کا نام نوبن ہے؟"

انہوں نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "جی ہاں۔ لیکن آپ کون بزرگ ہیں میں آپ سے واقف نہیں"۔

میں نے کہا۔ "جی ہاں آپ یقیناً مجھ سے ناواقف ہوں گے۔ آج صبح اخبار میں آپ کا اشتہار دیکھا۔ آپ کو دیکھنے کیلئے آ گیا۔ میں نے ایسا ترقی پسند اشتہار آج تک نہیں دیکھا تھا۔ میں فسانہ نگار ہوں۔ اور ترقی پسند فسانہ نگار۔ میرا خیال ہے آپ ترقی پسند مشتہر ہیں۔ میں آپکی جدت طراری کی داد دیتا ہوں"۔

انہوں نے فرمایا۔ "جناب مجھے حیرت ہے۔ کہ آج اشتہار کو شائع ہوتے تیسرا روز ہے۔ اب تک کسی کی صورت نظر نہ آئی۔ . . "

میں نے کہا۔ تو یہ اشتہار محض تفریحی نہیں ہے بلکہ بضرورت شائع کیا جا رہا ہے"۔

"جی ہاں۔ اشتہار کو کسی تفریح سے کیا واسطہ، واقعی شدید ضرورت کے باعث مجھے اشتہار دینا پڑ رہا ہے"

"اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو چلئے باہر سیر کریں۔ آج چھٹی کا دن ہے۔ اطمینان سے آپ کی سرگذشت سنوں گا"

"مجھے کیا مضائقہ ہو سکتا ہے۔ آپ غور فرمائیے آپ کا تو کوئی حرج نہیں؟"

"جی قطعی نہیں۔"

وہ ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ میں انہیں ساتھ گھر لایا ناشتے چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا "اچھا اب آپ بتائیے کہ آپ کو یہ اشتہار دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی"

انہوں نے کہا "مگر پہلے آپ مجھ سے وعدہ کر دیجئے میں جانتا ہوں کہ میری باتوں پر اعتبار کرنا تو کجا ہر سننے والا میرا مذاق اڑائے گا اور مجھے پاگل بنانے لگے گا۔ میں تو صرف آپ کو ہی سرگذشت سنانا چاہتا ہوں کیونکہ جانتا ہوں آپ ایک ہمدرد انسان ہیں آپ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ میری حالت کس قدر قابل رحم ہے"

کچھ دیر چپ رہ کر وہ کہنے لگے "مجھے کلکتہ آئے ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں یہاں میرے ایک دوست رہتے ہیں جن کے ہاں قیام ہے۔ اس سے پہلے بھی کلکتہ آ چکا ہوں اور انہیں کے ہاں ٹھہرا کرتا ہوں۔

میں سیالدہ سٹیشن اتر کر سیدھے ان کے گھر چلا جایا کرتا ہوں اسکے سوا میں کسی راستے سے واقف نہیں مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس گلی کا کیا نام ہے اور نہ کبھی جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سٹیشن سے ملا ہوا مکان ہے گاڑی سے اترا ٹہلتا ہوا ان کے گھر پہنچ گیا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ مجھے روڈ اور لین کے نام پوچھنے اور یاد رکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ میرے میزبان کا نام ہری بابو ہے مجھے اس بار کلکتہ آئے ایک مہینے کے قریب ہو رہا ہے۔ لیکن میں گھر واپس نہ جا سکا۔ اسکی وجہ ہر کس و ناکس سے بیان کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن آپ سے تو بیان کرنا ہی پڑیگا۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ دوپہر کے وقت میں باہر والے کمرے میں بیٹھا تھا کہ سامنے والے مکان سے ایک حسین و جمیل دوشیزہ نکلی اور ہری بابو کے مکان میں گھس گئی شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ یا دانستہ میری پرواہ نہیں کی۔ آپ تو جانتے ہیں کہ آجکل کی لڑکیاں کتنی شوخ اور بے پرواہ ہوتی ہیں وہ دیکھ کر بھی دیکھنا نہیں چاہتیں۔ بہرحال حقیقت جو بھی ہو لیکن مجھے یہ میرے لئے ایک طرح کی خفت سی محسوس ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی واپس جانے لگی تو میں نے کہا "ذرا سنئے تو ——— آپ ہی سے کہہ رہا ہوں..."

وہ کچھ متعجب سی میری طرف دیکھنے لگی۔

میں نے کہا "معاف کیجئے میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں اندر جاتے وقت آپ نے مجھے دیکھا ہی نہیں یا"

اس نے جواب دیا "آپ میں دیکھنے لائق ایسی بات ہی کیا تھی جو میں آپ کو دیکھتی؟"

میں نے کہا "جی ہاں۔ آپ لوگ ہم مردوں کو جس نظر سے دیکھتی ہیں۔ اس میں ناواقف نہیں لیکن یہ آپ لوگوں کی..."

میرے فقرے کے پورا ہونے سے پہلے ہی وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ لیکن اس کے مسکرانے کا نتیجہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔ نہیں سے ——— خیر آپ سے اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہونگے......"

اس دوشیزہ کا نام چترا ہے۔ اس روز سے میں نے گھر سے نکلنا تک بند کر دیا۔ میں ہر وقت اس کے رنگین تصورات میں گم بیٹھا رہا۔ کاش! ایسی حالت میں تمام زندگی گذر جاتی لیکن انسان تو تمام آرزو کا مجسمہ ہے۔ میں نے سوچا۔ اگر چترا میری شریک زندگی بن جائے۔ تو میری زندگی کتنی [illegible]

چاہئے۔ چنانچہ میں نے ایک موزوں موقعہ تلاش کر کے چترا
کے سامنے شادی کی درخواست پیش کر دی جس کو اس نے
خندہ پیشانی سے منظور بھی کر لیا۔ لیکن نہیں ہوئی اس کے سرپرست
کی اجازت ضروری تھی

میں خود اس کے بہنوئی سے شادی کی درخواست کرنے کا
فیصلہ کر چکا تھا لیکن قسمت سازگار نہ تھی میرے اور
چترا کے درمیان ہری بابو ہمالہ بن کر کھڑے ہو گئے بات یہ
تھی کہ وہ خود اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کرنا چاہتے
تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک روز اپنی تجویز میرے سامنے پیش
بھی کر دی میں نے بھی بے مروت صاف صاف کہہ دیا
کہ جناب میں تو چترا سے محبت کرتا ہوں اس کے سوا میں
کسی اور کو شریک زندگی نہیں بنا سکتا اتفاق سے چترا بھی
پاس ہی کھڑی یہ سب باتیں سن رہی تھی

میرا جواب سن کر ہری بابو بھڑک اٹھے۔ اور غرا کر
کہنے لگے۔ "اگر یہ بات ہے تو تم اب اس گھر میں نہیں رہ
سکتے اور میں چترا کے بہنوئی سے بھی کہہ دوں گا کہ تم کس
قماش کے آدمی ہو۔"

ہری بابو کی دھمکی سن کر چترا کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ
منہ بنا کر کہنے لگی۔ "میں بالکل بے خطا ہوں شادی کرنا تو
دور کی بات ہے میں تو اس کی صورت سے بھی متنفر اور
بیزار ہوں۔"

چترا کی اس بات نے میرا دل توڑ دیا عورتیں بھی کتنی
مکار ہوتی ہیں۔ وہ مجھ سے محبت نہیں صرف محبت کا ڈرامہ
کھیل رہی تھی۔

میں نے کہا "چترا! واقعی تم مجھ سے نفرت کرتی ہو؟
اور تمہیں میری صورت تک سے نفرت ہے؟"

وہ سر جھکا کر بولی "ہاں میں تم سے نفرت کرتی ہوں"۔

چترا کے اس کورے جواب نے رہی سہی امیدوں کا بھی
خاتمہ کر دیا۔ میں وہاں سے منہ لٹکائے اپنے کمرے میں چلا گیا۔
اور سوچنے لگا۔ اگر واقعی چترا کو مجھ سے محبت نہیں تھی۔ اور
وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی تو پھر اس قدر محبت اور پیار کیوں جتایا
کرتی تھی؟ انتہا یہ کہ ایک روز اس نے میرے گلے میں مالا
پہنا دی تھی۔ اور کہا کہ آج سے تم میرے سوامی ہو۔ اب اس
سے زیادہ میں اس بارے میں آپ سے کیا کہوں"

چاہئے تو یہ تھا کہ جب چترا نے مجھ سے علانیہ اظہار
نفرت و بیزاری کر دیا، تو میں بھی اس سے متنفر اور بیزار ہو جاتا
لیکن اس کی پیاری پیاری صورت نے مجھ پر کچھ ایسا سحر کر
دیا تھا کہ میں اس کی محبت کو دل سے دور نہ کر سکا مجھے اس
کے بغیر زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی
زندگی سے "لیک" میں ڈوب مرنا بہتر ہے۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ مجھے "لیک" کا راستہ معلوم نہ تھا
اور اتنی مشہور جگہ کا لوگوں سے راستہ دریافت کرنا اپنی بے وقوفی
اور حماقت کا اپنی زبان سے اعلان کرنا تھا۔ لیکن لیک کے سوا
میرے لئے کوئی جائے سکون بھی نہ تھی۔ مجھ پر کیا موقوف
ہے۔ ہر مایوس قسمت کی آخری آرام گاہ لیک ہی کی آغوش سمجھی
جاتی ہے

میں رات کی تنہائی میں چپکے سے ہری بابو کے مکان
سے نکلا اور لیک کی تلاش میں چل کھڑا ہوا۔ ساری رات چلتے
چلتے پاؤں شل ہو گئے۔ لیکن لیک کی صورت نظر نہ آئی۔ اخیر
میں پہنچا بھی تو کہاں وکٹوریہ میموریل کے پاس۔ یہ پہلا موقعہ
تھا۔ کہ میں نے اس یادگار کو دیکھا۔ لیکن اس کی تصویریں اخبارات
و رسائل میں بارہا نظر سے گزر چکی تھیں اس لئے مجھے اس کے
پہچاننے میں دقت نہ ہوئی۔ میں ایک درخت کے نیچے دم
لینے کیلئے بیٹھ گیا۔

یہاں مجھے ایک بار پھر اطمینان سے اپنے معاشقے
کے مسئلے پر غور کرنے کا موقع ملا، اور غور و فکر کے بعد میں جس
نتیجے پر پہنچا۔ وہ یہ تھا۔ کہ مجھے ایک بار تنہائی میں چترا سے
ملنا چاہئے۔ میں نے بڑی غلطی کی جو اس سے تنہائی میں گفتگو

کئے بغیر لیک میں ڈوب مرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا ہو۔ وہ میری مالو کے ڈر سے کہہ دیا ہو۔ اور وہ دل سے میری پوجا کرتی ہو"

لیکن اب اس سے ملاقات کی صورت کوئی نہ تھی۔ میں مس مالو کے مکان کی گلی کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ پھر وکٹوریہ میموریل سے مل کر اس کے گھر تک پہنچانے کیلئے اتنی ہی بے گردہ جگر کاٹنے لگا۔ دوڑتے ہوئے ڈرتا تھا۔ کہ کہیں ھرگز نہ ہو جاؤں۔

وکٹوریہ میموریل کے پاس گھومتے ہوئے مجھے ایک اخبار کا دھیان آگیا۔ میں نے سوچا کہ اس میں اشتہار دے دوں۔ اگر ... ہر ... مال جانا ہے اگر چترا کو مجھ سے محبت ہے۔ تو وہ اشتہار دیکھ کر ضرور مجھ سے ملنے کی کوشش کریگی۔ لیکن آج مہینوں گزر گئے۔ اس کا پتہ نہیں۔ اب مجھے اپنے فیصلے پر عمل کرنا پڑیگا اور لیک میں ڈوب کر اپنی مضطرب روح کو تسکین دینی پڑیگی"۔

آخری الفاظ کہتے کہتے نوین کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ مجھ پر بھی اس کی دردناک اور یاس انگیز حالت کا بہت اثر ہوا۔

میں نے پوچھا۔ "تو آپ کا آخری فیصلہ یہی ہے؟"

وہ بولا "جی ہاں لیکن اس سے پہلے میں چترا سے مل کر اس کا آخری جواب لینا چاہتا ہوں۔ پھر تو ایک روز لیک میں ڈوب کر ہی اس بے مالک زندگی کا خاتمہ کرنا ہی ہے"

میں نے کہا "آپ اپنی محبت میں بالکل سچے ہیں۔ مجھ پر آپ کی سرگذشت کا بہت اثر ہوا۔ میں آپ کی ہر امکانی امداد کیلئے تیار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی چترا آپ سے محبت کرتی ہے۔ اور وہ آپ کو ضرور مل جائیگی۔"

اس نے آنکھوں سے آنسو بھر کر کہا۔ "آپ ہی جیسے نیکدل اور شریف انسانوں کی بدولت زمین و آسمان قائم ہیں ورنہ دنیا میں تو ایسا مکر و فریب پھیلا ہوا ہے۔ اور ایسی بے وفائی بے مروتی اور غداری عام ہو رہی ہے کہ ایک ہی دن میں زمین و آسمان زیر و زبر ہو جائیں"۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک ایسی صورت پیش آئی۔ کہ میں نقش حیرت بن کر رہ گیا۔ ہم دونوں کھانے بیٹھے۔ وہ اشوکا کھلانے آئی۔ اس کی نظر جیسے ہی نوین پر پڑی۔ وہ بے ساختہ پکار اٹھی۔ "ارے نوین مالو آپ؟ ..."

ادھر نوین کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ "اے چترا! تم یہاں کہاں؟"

اتنے ہی میں سارا معمہ میری سمجھ میں آگیا۔ میری شریمتی جی کی چھوٹی بہن مس اشوکا ہی چودھویں صدی کے مجنون نوین مالو کی لیلیٰ تھیں۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس قحط اور گرانی کے زمانے میں بغیر جہیز کے چھوٹی سالی کیلئے گریجویٹ بر مل گیا۔

میں نے اشوکا سے پوچھا۔ "تم ان کو جانتی ہو؟"

وہ سر جھکا کر شرمیلی آواز سے بولی۔ "ہاں"

مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے اسوقت فیصلہ کر لیا کہ میں نوین کی شادی اشوکا سے کرونگا۔ ورنہ یہ جناب یقیناً لیک میں ڈوب مریں گے اور خواہ مخواہ ان کی خودکشی کا گناہ میرے نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا۔

* * * * *

شادی کے بعد میں نے ایک روز سنا۔ اشوکا نوین سے کہہ رہی تھی۔ کیا تمہیں اشوکا نام پسند نہیں۔ جو مجھے اب تک چترا ہی کے نام سے پکارے جاتے ہو——؟

کہو ہم دونوں کی ترکیب کیسی کامیاب رہی! اگر سیدھے سیدھے بہنوئی جی سے کہا جاتا۔ تو بہت ممکن تھا۔ کہ وہ انکار کر دیتے۔ لیکن ہم نے وہ کھیل کھیلا کہ بہنوئی جی خوشی سے شادی کر دینے پر رضامند ہو گئے۔ آجکل ہماری لیک کی پہلی بنچ پر ایک نیا جوڑا آکر بیٹھنے لگا ہے۔ کہو تو ...

اپنی ترکیب بتادوں؟

اس کے بعد نوین اور چترا میں کیا باتیں ہوئیں میں سن نہ سکا۔ لیکن مجھے آنا تو پتہ چل گیا کہ دونوں نے مل کر مجھکو خاصا بیوقوف بنایا۔

نوین کے متعلق مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ کلکتہ ہی کا باشندہ ہے۔ آنرز تو فرسٹ کالج میں پڑھتا ہے۔ باپ ریٹائرڈ جج ہیں۔ خاصی حیثیت ہے۔ دریافت کرنے پر یہ بھی معلوم ہوا کہ ہری ماما بھی ڈرامے کے ایک فرضی رکن ہیں۔ درحقیقت میرے مکان کے آس پاس اس نام کا کوئی شخص موجود نہیں۔

(ہندی سے ترجمہ)

غزل

تخیل لاجرم تھرّا رہا ہے
بہت نازک زمانہ آرہا ہے
مری حالت دگرگوں ہو رہی ہے
کوئی محفل سے اٹھ کر جا رہا ہے
وہ باز آجائینگے جور و جفا سے
دلِ نافہم دھوکا کھا گیا ہے
شبِ تاریک کی تنہائیوں میں
تصوّر ہے کہ دل بہلا رہا ہے
کوئی اشعارِ مضطرؔ گنگنا کر
مرے جذبات کو تڑپا رہا ہے

(آغا مضطر کاشمیری)

غزل

از جناب ذوالفقار علی نسیم بی اے خصیمدار کشمیر

جوانی میں جنوں کی فتنہ سامانی نہیں جاتی
نہیں جاتی ہی یہ جبتک کہ دیوانی نہیں جاتی
یہ بستی دل کی ہی ظالم یہ بستے بستے بستی ہے
اگر ویران ہو جائے تو ویرانی نہیں جاتی
شکستِ وعدۂ دیدار خوباں کی کسک دل سے
چلی جاتی تو ہے لیکن بآسانی نہیں جاتی
زمینِ دل باندازِ چمن پیدا کرے کوئی،
فراوانیٔ گل سے تنگ دامانی نہیں جاتی
ہمارے حسن کی شاہنشہی قائم خدا رکھے
ملخ کی میہمانی سے سلیمانی نہیں جاتی

افسانہ

ریل کے مسافر

جب سے اس دل کی دنیا میں ہلچل اور اضطراب بڑھا ہے۔ اب کہیں قرار ہی نہیں ملتا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوسری جگہ سے تیسری جگہ آج یہاں تو کل وہاں۔ لیکن جس کی تلاش اور جستجو ہے وہ اب کہاں سکون کہیں نہیں۔ یہ دل دھوکے کھا رہا ہے۔ ناداں مانتا ہی نہیں کیوں مانے۔ منانے والا بھی تو ہو!

نئی دلی میں چند ہی دن رہنے کے بعد اپنے دوست کے شدید اصرار کے باوجود وہ رخصت ہو ہی گیا۔ نئی دلی پاکیزہ و صاف سڑکیں، پاکیزہ و صاف شہر جھلمل جھلمل کرتی ہوئی سیدھی سڑکوں پر دوستی کی لشکتی ہوئی نگاہیں نمبر ۱ ہیلی روڈ کی ماڈل [illegible] جدید عورت اپنے تمام آلات [illegible] ریاستوں سے آراستہ [illegible] اور حملہ آور۔ اف یہ ان سے بالکل [illegible] اور [illegible] انہیں خیالات میں گم وہ اسٹیشن پہنچ گیا۔ قلی نے [illegible] سامان لیا ٹانگہ والا سے رخصت ہو کر وہ ٹکٹ گھر آیا۔ [illegible] ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آیا گاڑی تیار ہوتی تھی۔ [illegible] ڈبہ میں داخل ہوا۔ ایک متجسس نظر ڈالی بیچ کی ایک سیٹ خالی تھی اسی پر قلی نے بیجا کر بستر بچھایا سامان اوپر لٹکا دیا آجکل کا زمانہ تو تھا نہیں کہ دو گھنٹے پہلے جانے کے باوجود بھی براہ کھڑکی داخلہ ہو۔ بیٹھنا اور سامان وغیرہ لگانا تو بڑی بات ہے اس نے تھیلے سے ایک کتاب نکالی۔ اور تکیہ کے کنارے ٹیک لگا کر اطمینان سے بیٹھا۔ گویا ایک گھر بس گیا۔ مسافر

کا اور گھر [illegible] گیا اس مختصر سے ڈبہ میں چند ہی مسافر تھے۔ جن میں تین عورتیں، ایک ادھیڑ عمر غالباً ماں، دو نوجوان لڑکیاں جو برابر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ کھڑکی کی جانب ماں اور چھوٹی لڑکی۔ بیچ کی سیٹ پر برابر ہی دوسری لڑکی، تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا۔ کہ اس کی آمد باعث مسرت ہوئی۔ اور وہ شاید کسی اچھے ہم سفر کی تلاش میں تھیں۔

اس کی خصوصیت تھی کہ اس کے چہرہ کی دلکش بے بسی، اس کی آنکھوں کی دلربا مایوسی ایسی تھی۔ کہ لوگ دیکھ کر اسے ہمدردی اور محبت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور خصوصاً عورتیں تو بے انتہا متاثر اور متوجہ ہوتیں ورنہ اس کی صورت میں کوئی خاص حسن و کشش نہ تھی یہی یہاں بھی ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اس نئے مسافر سے مانوس ہو گئیں۔

بڑی بی (گو وہ بوڑھی تو نہیں تھیں۔ لیکن دو نوجوان لڑکیوں کی ماں تو تھیں ہی) نے پوچھا آپ حیدر آباد جا رہے ہیں۔ میاں صاحبزادے؟

اس نے مسکرا کر کہا۔ اس لئے کہ آپ تشریف لے جا رہی ہیں۔

ماں۔ تم تو کافی ذہین معلوم ہوتے ہو۔ آخر کہاں کا ارادہ ہے۔

وہ۔ میں راستہ ہی میں اتر جاؤں گا۔

ماں۔ تو بتانے میں حرج ہی کیا ہے۔ چھوٹی لڑکی نے کہا۔ امی آپ اصرار کیوں کر رہی ہیں۔ اس کی پیشانی [illegible]

تھی۔ لیکن بڑی لڑکی، ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ بے انتہا شائق ہے۔ اس کی منزل کے پتہ لگنے کی۔

اس نے کہا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ اور نہ چھپانا ہی مقصود ہے۔ میں جھانسی جا رہا ہوں۔

تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ برسات کا موسم تھا۔ گاڑی میں کافی اُمس تھی۔ مسافر پریشان سے بیٹھے جھل رہے تھے۔ اور گردنیں کھڑکی سے نکال نکال کر ہوا لے رہے تھے۔ لڑکیاں بھی سخت بے چین تھیں۔ چھوٹی لڑکی نے پریشان ہو کر پانی مانگا کہ ماں نے ... جسم سے اس کو۔ اس نے اپنے ... برف کا ... جسے سب نے پیا۔ چہرہ کھل اٹھا گو ... پانی ... لباس اور جسم ... سے

تھوڑی دیر بعد گاڑی کی دو تین سیٹیاں پھر آہستہ آہستہ حرکت، پلیٹ فارم چھوٹنے لگا۔ خوانچے والے چھوٹے بھونکانے والے چھوٹے قلی چھوٹے ... چھوٹے۔ دراصل سب چھوٹے۔ گاڑی اس ... ہوئی کھڑکھڑ کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ ... میں ہوا آئی۔ راحت اور اطمینان ہوا۔

وہ حسن حیرت کھیا تھا۔ گھبرایا تھا۔ ... اسی سے ساتھ پڑا تھا۔ ابھی وہ ... اتفاق کو بھولا بھی نہ تھا کہ یہاں پھر ... اس لڑکی ... نگاہیں۔ پیغام خاموشی ... کیا کہے کیا جواب دے۔ لیکن آہ وہ تو اب لاچار ہو چکا ہے۔ دل میں اہلیت ہی نہیں ہے یہ کیا ضرور کہ جب بھی دو نوجوان لڑکے اور لڑکی ملیں اور ملاقات ہو تو انجام کار ایک ہی ہو۔ بس دل چھد جائے۔ حواس معطل ہو جائیں۔ آہیں، فریادیں، وصال یا خودکشی یا کچھ بھی نہیں بس جنون اور پاگل پن۔ خالص اور بے غرض دوست تو بن سکتے ہیں۔ جس میں کتنی پاکیزگی اور لطافت ہے۔ اور دوام و ہمیشگی، یہ بیچاری لڑکی کیا جانے کہ جس کو وہ دیکھ رہی ہے۔ جس سے قریب آ رہی ہے۔ جسکو بازیِ عشق میں اپنا ساتھی بنا رہی ہے۔ وہ اس کھیل میں بازی ہار چکا تھا۔ وہ اس کھیل سے نفرت کر چکا تھا۔ پھر وہ ایسا کھیل دوبارہ کیوں کھیلے جس میں سب کچھ کھو بیٹھا ... دل ... سکون و قرار۔ مگر ایک نوجوان لڑکی ... دل جسم میں سنسناتا دوڑتا ہوا جوانی کا خون۔ ایک نوجوان ... کے چیلسازی ... وہ کھو کر معاف کیسے ... چالاک تیرانداز لیکن کبھی کبھی نادر ... چوک ... جانے یہ بھی چوک جائے ...

میل پوری ... فاصلے کر رہی ہے۔ ... تاریک ... قلعہ کے پہلو ... گیا ... چھوٹے ... جا رہے ہیں ... چھپ گیا۔ رات ... چلی جا رہی ہے۔ موسم ... ہوا جا رہا ہے۔ مسافر بھی سب سو گئے ہیں۔ ایک موٹا تازہ مسافر مسلسل خراٹے لے رہا ہے۔ خر خر ... خدا کی یاد ... والے جھکے میں بھی ... آدمی ... ہیں۔ دوسرے بھی قیامت برپا کیے رہتے ہیں۔ گاڑی گھم گھم کرتی تاریکی کے خلا میں گھستی چلی جا رہی ہے ... لٹکتے ہوئے ... اور ... آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موٹا تازہ والا آدمی ایک دیپے کو دھکے دے رہا ہے۔

وہ اور ... گول آنکھوں والی لڑکی دو الگ الگ برتھوں پر نیم دراز مصروف گفتگو ہیں۔ دو نوجوان ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک ستم زدہ آوارہ گرد بے چین اور مضطرب۔ دوسری نوجوان، حسینہ، بھولی ناتجربہ کار مگر عورت۔ وہ کہتا ہے آپ بار بار وطن کیوں پوچھ رہی ہیں۔ ارادہ سفر بھی کچھ یوں ہی سا ہے۔

لڑکی۔ آپ بہت غمزدہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ بہت شریف ہیں آپ مجھے اپنا کچھ حال بتائیے نا؟

وہ۔ کیا بتاؤں۔ کس کو سنائیں حال دل زار اے ادا۔ آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی۔ آپ تصور غم سن کر کیا کریں گی ہم۔ آپ کا ساتھ ہی کیا ہے۔ مسافرت کی دوستی اور ملاقات ہی کیا۔

لڑکی۔ آپ کیسی ہی بے اعتنائی اور رکھائی سے گفتگو کریں۔ مگر مجھے آپ سے ساتھ ہمدردی ہوتی ہی جاتی ہے۔ کاش کہ میں آپ کی مدد کر سکتی۔ آپ کی صورت کتنی غمزدہ ہے۔ آپ کتنے غریب ہیں۔ آج زندگی میں پہلی بار میں ایک غمزدہ سے گفتگو کرنے میں ایک طرح کا سکون اور اطمینان پا رہی ہوں۔

وہ۔ آپ کی اس خوش بیانی کا شکریہ۔ ہاں میں غمزدہ ہوں۔ آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔ دل کی چوٹیں ابھری آ رہی ہیں۔ اور یہ چوٹیں ایسی ہیں کہ آپ کی یہ ساری صباحتیں بھی ان کو اچھا نہیں کر سکتیں۔

لڑکی آبدیدہ ہو گئی۔ کاش کہ وہ اس کیلئے کچھ کر سکتی۔ اس کیلئے وہ سکون بن سکتی۔ یہ عجیب انسان ہے۔

اس نے کہا ہوا ٹھنڈی ہوتی جا رہی ہے۔ کتنی خوشگوار سردی ہے۔ لڑکی نے اپنی رنگین چادر اس پر ڈال دی۔ اس نے شکریہ کیساتھ قبول کیا۔

اب صبح کے آثار قریب ہیں۔ دونوں خاموش حسیات و خیال کی دنیا میں گم۔ اس کے دل میں اضطراب ہے۔ میرے بھی کیا نصیب ہیں کہ خوشیں گلے کا سامان ہو ہی جاتا ہے۔ یہ لڑکی بھی کیا کہتی ہوگی۔ کہ یہ کس قسم کا انسان ہے۔ کیا کٹھور مرد تو ایسے نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ خود اس فکر میں رہتے ہیں۔ کہ کوئی نوجوان لڑکی ان کو طلب کرے۔ اور وہ اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔ اور یہ عجیب مرد ہے۔ انسانی فطرت اسی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جسے وہ نہیں پا سکتا۔ یہ بھی مجھے ... سکیگا۔ اس کو کتنا تلخ تجربہ ہوا۔ ایک صنف کے متعلق۔

منزل قریب آگئی۔ صبح کی دلفریب روشنی میں زمین کے ابھرے ہوئے نقوش ریل کے دونوں طرف نظر آنے لگے۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں دونوں طرف کھڑی پڑی تھیں۔ اب تھانسی قریب ہے۔ لڑکی غمزدہ سی نظر آنے لگی۔ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔ تو کیا واقعی آپ اتر جائیں گے؟ آپ سے بڑی ڈھارس تھی۔ بڑے اطمینان سے یہاں تک سفر ختم ہوا۔

اس نے سامان درست کرتے ہوئے جواب دیا۔ ہاں کیا کروں مجبوری ہے۔ آپ میری باتوں سے بیزار تو ہوگی۔ لیکن آپ مجھے معاف کر دیں گی۔ اس نے اپنے کو بہت ضبط کرتے ہوئے کہا۔

(اتنے میں لڑکی کی والدہ بھی اٹھ گئیں) اوہ بیٹے اب تم اتر جاؤ گے۔ کیا تم رات بھر جاگتے رہے؟ لڑکی نے جواب دیا۔ انہوں نے ہماری وجہ سے بڑی تکلیف اٹھائی۔ یہ رات بھر جاگتے رہے۔

اب سٹیشن آگیا۔ گاڑی رکی۔ آہستہ سے بڑے ضبط کے ساتھ وہ رخصت ہوا۔ اس کی آنکھیں نمناک تھیں۔ اور لڑکی - - - ؟

راہی

چینی فلسفہ

آپ مجھ سے قرض لینا چاہتے ہیں۔ میں نہیں دیتا۔ یا دینا نہیں چاہتا۔ میرے انکار پر آپ کو تکلیف ہوتی ہے

قرض لیجئے۔ میں قرض دے دیتا ہوں آپ لے کر چپ سادھ لیتے ہیں۔ قرض ادا نہیں کرتے۔ آپ کی اس روش سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ تکلیف مجھے کیوں ہو۔ آپ ہی کو کیوں نہ ہو ✦

روس کی ایک جمہوری حکومت

وینڈل ولکی امیدوار صدارت جمہوریہ امریکہ کا

مقالہ

اب سے تقریباً پچاس سال قبل [illegible] میں روس کے متعلق فارسی زبان میں ایک مبسوط و پرمغز مقالہ لکھا گیا تھا۔ اسمیں مقبوضات روس بالخصوص ایشیائی ترکستان وہاں کے باشندوں کی طرز معاشرت نسل و قومیت اور مملکت روسیہ کی اسوقت تک کی وسعت و پھیلاؤ جسطرح ظہور میں آئی تھی، اسکی ایک مجمل تاریخ دی تھی۔ ہندوستان کی بھی دو مشہور شخصیتیں مولینا عبیداللہ سندھی اور پنڈت جواہرلال نہرو بھی روس کی سیاحت کر چکے ہیں مگر افسوس کہ ان حضرات نے روس کے متعلق اپنی معلومات سے اہل ملک کو اس مدت پر کسی جامع و سیر حاصل تصنیف تو ایک طرف اس موضوع پر کوئی چھوٹا سا رسالہ بھی شائع نہیں کیا۔ یہ حضرات کچھ ایسے صم بکم ثابت ہوئے کہ انکی سیاحت روس کا اہل ملک کیلئے عدم وجود برابر ہے۔ برخلاف اس کے دیگر ممالک کے سیاح کسی ملک میں جاتے ہیں تو اپنے مختصر دوروں ہی میں کافی سے زیادہ معلومات حاصل کرکے اپنے اہل وطن اور باقی تمام دنیا کو اس سے روشناس کرتے ہیں۔

سوویٹ روس کے متعلق اس کی حدود سے باہر کی دنیا [illegible] کے حالات سے ناآشنا رہی ہے۔ مگر جب سے روسیوں نے جرمنوں کے [illegible] کا سرتوڑ جواب دنیا کے سامنے دیکر انہیں سینکڑوں میل پیچھے دھکیل دیا ہے۔ دنیا ان کی اس حیرت انگیز قوت اور تنظیم سے متاثر ہوکر وہاں کے حالات معلوم کرنے کی خاص طور پر متمنی ہے۔ چنانچہ گذشتہ سال مسٹر وینڈل ولکی (جو جمہوریہ امریکہ کے آئندہ انتخاب صدارت کیلئے امیدوار کی حیثیت سے موجودہ صدر روزولٹ کے طاقتور حریف ہیں) نے جب سیاحت عالم کی۔ تو چونکہ گوش ہوش اور دیدہ بینا رکھتے تھے روس بھی پہنچے تو انہوں نے وہاں کے عوام و خواص سے جو کچھ سنا اور آنکھوں سے اسکی تصدیق کی۔ اور سب کو انہوں نے اپنی کتاب One World (ایک دنیا) میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مسٹر وینڈل ولکی نے سائبیریا روسیہ کی ایک جمہوریت "یاکٹسک" کے جو پرمعلومات حالات قلمبند کئے ہیں۔ ان کے بعض اقتباسات کا ترجمہ ہم قارئین نیرنگ خیال کی دلچسپی و اضافہ معلومات کیلئے پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

آجکل لوگوں کے دلوں میں بیشمار سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ روسی شہریوں کی بہبود و ترقی کیلئے کمیونسٹ پارٹی (حزب الاشتراکیین) کیا خدمت انجام دیتی ہے کیا [illegible]

کے باشندے شکم سیر ہو کر روٹی کھاتے ہیں۔ تن پوشی کا معقول انتظام ہے؟ ان لوگوں کا جنگ کی نسبت کیا خیال ہے؟ روس نے فی الجماعت کی حیثیت میں اپنے ذرائع آمدنی میں کس درجہ ترقی کی ہے؟ ان سوالات کے جوابات سہل اور آسان نہیں بات یہ ہے۔ کہ سوویٹ یونین کوئی چھوٹا سا تو علاقہ ہے نہیں کہ یک نظر اس کا مشاہدہ ہو سکے۔ ایک ہی نوعیت کی کیفیت پائی جاتی ہو۔ یہ ایک وسیع و عریض علاقہ ہے۔ اتنا بڑا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کناڈا اور وسطی امریکہ سب کے سب مل کر بھی اس کے برابر نہیں ہوتے۔ جو بات اس وسیع سرزمین ملک کے ایک حصہ کیلئے کہنی صحیح ہو۔ ممکن ہے کہ وہاں اس کے کسی دوسرے حصہ کیلئے صحیح نہ ہو۔ تاہم جمہوریہ سائبیریا "یاکتسک" میں مذکورہ بالا سوالات میں سے چند ایک کے جو جوابات مجھے ملے ان کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

میں یاکتسک کی ماضی کے متعلق جو کچھ پڑھا تھا۔ اس کے حال سے مجھے انقلاب روس کے متعلق زیادہ معلومات فراہم ہوئیں۔ میں نے جو کچھ وہاں دیکھا اس سے میری تسلی نہیں ہو گئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے امریکی نظام حکومت کا پہلے سے زیادہ قائل اور پہلے سے زیادہ اسکی تائید و حمایت میں کام کرنے کا مشتاق ہو گیا۔ اسکے علاوہ ایک بات اور بھی میرے دل میں جاگزیں ہوئی۔ وہ یہ کہ میں نے روسیوں کو سمجھ رکھا ہے۔ وہ فطرتاً ایسے سخت آدمی نہیں کہ اہل امریکہ کے ساتھ مل کر کام نہ کر سکیں۔ میرا اس بات کا بھی مجھے یقین ہو گیا۔ کہ جنگ کے بعد دنیا اپنی امن و خوشحالی کیلئے اس بات کی محتاج ہو گی۔ کہ امریکہ اور روس دوش بدوش کام کریں۔

یاکتسک کی قدیم تاریخ۔ اول یاکتسک کی گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالیئے۔ یہاں کے باشندے وسطی ایشیا کی ایک قوم تھے۔ جو چنگیز خانی عہد میں مغلوں کے دباؤ سے شمال کی طرف آ نکلے تھے۔ ان میں سے بہت سے تو ایسے تھے جو پوستینوں کی تلاش میں ادھر ادھر چکر لگاتے رہتے تھے۔ بہت سے ایسے تھے۔ جو طبع زرخیز زمین کے کسی نہ کسی حصہ پر قابض ہو گئے تھے۔ یہ لوگ جھونپڑیوں میں یا نیچی چھتوں والے مکانوں میں رہتے تھے۔ جو کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوتے دھوئیں سے گھر کی چھت اور دیواریں اٹی اور جالوں سے پٹی رہتیں۔ بیماریوں اور آئے دن کے قحطوں نے بھی انکو بدحال کر دیا تھا۔ جو قوم کبھی بڑی طاقتور اور سخت دل تھی۔ وہ اب کمزور اور نازک دل بن گئی تھی۔

روسی آہستہ خرامی سے ملک میں داخل ہوئے۔ اور ماضی قریب تک، وہ ایسی بڑی تعداد میں نہ تھے۔ زاران روس کے عہد میں یاکتسک سپ دق اور آتشک جیسے امراض جرائم کیلئے مشہور تھا۔ مجرم اور سیاسی قیدی یہیں بھیجے جاتے تھے۔ الیگزینڈر پشکن بھی جلا وطن کر کے یہیں بھیجا گیا تھا۔ جن لوگوں نے یہاں کی تلخ زندگی کا مزا چکھا تھا۔ وہ یاکتسک کو "قید خانہ" کہہ کر پکارتے تھے۔

یکم ستمبر کو ہمارا جنگی طیارہ بمبار لبریٹر جمہوریہ یاکتسک کے صدر مقام پر جو اسی نام (یاکتسک) سے مشہور ہے اترا تھا۔ اسوقت یہاں کا فضائی مستقر برف میں ملفوف تھا۔ فضا سے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ علاقہ تو بڑا ہے۔ مگر زرخیزی سے تہی دامن۔ سڑکیں بہت کم ہیں۔ میلوں برف پٹی پڑی ہے اور درخت چلے گئے ہیں۔ جوں ہی ہمارا طیارہ زمین پر اترا۔ تو فضائی مستقر کے سرے پر جو چند آدمی کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی بڑھ کر ہماری طرف آیا۔ اور ہمیں خطاب کر کے بولا۔ میرا نام مورڈاف ہے۔ اشتراکی جمہوریہ شورائیہ یاکتسک کی مجلس خدام خلق کا میں صدر ہوں۔ کامریڈ سٹالن کی طرف سے مجھے ہدایات ملی ہیں۔ کہ جب آپ یہاں تشریف لائیں۔ تو میں آپ کی خاطر تواضع کروں۔ آپ جو چیز دیکھنا چاہیں آپ کو دکھاؤں۔ اور آپ جو پوچھنا چاہیں۔ اس کا جواب دوں۔ میں آپکا خیر مقدم کرتا ہوں۔"

یہ تقریر تو مختصر تھی۔ مگر اس میں اُسے جو کچھ بھی کہنا تھا اس نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ ہوائی اڈے میں ایک درجن بھی آدمی نہ تھے۔ یہی ایک شخص تھا جو کسی غیر ملکی سیاح کا خیر مقدم کرنے والے بڑی خود بینے ہوئے گارڈ آف آنر کی رہنمائی کرتا تھا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کو بتایا کہ ہم وہاں صرف چند گھنٹے ٹھہریں گے۔ کیونکہ اپنے آئندہ ایک ہزار میل کے سفر کو ہم اسی دن پورا کر لینا چاہتے تھے۔ اور اس دن کا بقیہ حصہ سفر میں گزاریں گے۔

اس نے جواب دیا۔ "مسٹر ونکی آپ نہ تو آج اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہیں۔ اور غالباً کل بھی روانہ نہ ہو سکیں گے کیونکہ موسم ٹھیک نہیں۔ اور مجھے ہدایات ہی یہ ہیں کہ جب موسم یقینی طور پر ٹھیک ہو۔ کہ آپ کو دوسرے مقام پر جہاں اترنا ہو۔ آپ بحفاظت و سلامتی اور بسہولت روانہ ہوں۔ اگر میں ایسا کرنے سے قاصر رہا تو میں اپنے منصب سے معطل کر دیا جاؤں گا"۔

ہم فضائی مستقر سے شہر کو ایک سواری میں روانہ ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچے تو مورڈماف سے دریافت کیا:۔

"مسٹر ونکی آپ یاکتسک میں کیا دیکھنا چاہتے ہیں"؟

"آپ کے یہاں کوئی لائبریری ہے؟" میں نے سوال کیا

"ہاں کیوں نہیں ہماری ایک لائبریری ہے۔

ہم سیدھے اس کی طرف ہوئے۔ لائبریری کی عمارت تھی تو پرانی، مگر خوب ہوادار اور روشن، صاف ستھری، لائبریری کا عملہ بھی بہت مکمل تھا۔ اس پچاس ہزار کی آبادی والے شہر کیلئے کوئی ½ ۵ لاکھ کتب کا ذخیرہ لائبریری میں موجود تھا۔ لائبریری کے ریکارڈ سے معلوم ہوا کہ گذشتہ ۹ ماہ کے اندر ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں لائبریری سے نکلوا کر مطالعہ میں آئی تھیں۔ جرائد و رسائل اور ریفرنس کی کتابیں کھلی الماریوں میں رکھی گئی تھیں۔ معلوم ہوتا [illegible] لائبریری کا انتظام بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی سے انصرام پا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ لائبریری ایسی شاندار تھی۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا شہر بھی ایسی لائبریری رکھنے پر فخر کر سکتا ہے

ہمیں سائبیرین طرز کا کھانا پیش کیا گیا ہماری میز پہ حسب دل کھانے چنے گئے

بھنا ہوا سور کا گوشت، سموسے، انڈے۔ پنیر، سور نہ۔ مرغی کے چوزے ٹماٹر اور بھی کئی قسم کا کھانا اور شراب، کھانا افراط میں ایک سے ایک زیادہ تھا۔ چونکہ یہ بہت سرد ملک ہے۔ اسلئے واڈکا اور گرم چائے کا سارے دن دور چلتا رہتا ہے۔

مقامی تفریح گاہوں کے متعلق میں نے پوچھا۔

"آپ کے یہاں کوئی تھیٹر بھی ہے، جواب ملا کہ "ہاں ہے"۔ شام کو تھیٹر گئے۔ مورڈماف نے مجھے بتایا۔ کہ ۹ بجے رات کے کھیل شروع ہوتا ہے۔ ڈنر کے بعد ہم نے واڈکا پیا۔ کچھ باتیں کرتے رہے۔ مجھے یکایک خیال آیا۔ کہ ۹ سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔

کھیل شروع ہونے کا آپ نے کیا وقت فرمایا تھا؟ میں نے دریافت کیا۔

"مسٹر ونکی"۔ اس نے جواب دیا۔ "کھیل اس وقت شروع ہوگا۔ جب میں وہاں پہنچ جاؤنگا"۔ اور ایسا ہی ہوا۔

ہم آدھ گھنٹے دیر سے تماشہ گاہ میں پہنچے۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے لینن گراڈ کی ایک کمپنی دورہ کرتی ہوئی وہاں اتری تھی۔ ڈانسنگ بہت شاندار تھی۔ اسٹیج بھی اچھا تھا۔ اور گانے بھی اچھے تھے۔

مگر تھیٹر میں جانے سے پہلے شام کو ہم ضلع کا عجائب گھر دیکھ چکے تھے۔ یہاں ہم نے جنگ عظیم کی یاد تازہ کرانے والی بعض چیزیں دیکھیں۔ دیواروں پر لٹکتے آویزاں تھے۔ جن مقامات پر جرمنوں نے تباہی مچائی۔ اور جون ۱۹۴۱ء کو وہاں کے تمام سکول، ہسپتال، مویشیوں کی تجارت اور عام پرچون تجارت سب کچھ بند ہو گئے تھے۔ باقیماندہ سکول اور

ہسپتالوں وغیرہ میں جو اضافہ ہوا ہے۔ وہ سب ان نقشوں میں ظاہر کیا گیا تھا۔ میرے ہر سوال کے جواب میں موروثاف افسوس کیساتھ یہ لفظ کہتے ہے۔ کہ اگر جرمنوں نے ہماری تمام انتظامی سکیموں کو عارضی طور پر ختم نہ کر دیا ہوتا۔ تو اب تک کیا کچھ نہ ہو گیا ہوتا۔

موروثاف نے مجھے اصلی سونے کے ٹوبے دکھائے جو آجکل یاکتسک کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اسکے بعد میں ملائم سونے کے بھی موتے دکھائے گئے۔ یہ دوسرے درجہ سب سے بیش قیمت پیداوار ہے۔ دوران گفتگو میں موروثاف نے مجھے بتایا۔ کہ یاکتسک کے تمام شکاری جب سرخ فوج میں بھرتی ہوجاتے ہیں۔ تو جسطرح منتقد پرندے اپنے جھنڈ میں دوسرے پرندوں سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح یاکتسک والوں کی کوریں [illegible] ہی ہوتی ہیں۔

اگرچہ یاکتسک محاذ جنگ سے تین ہزار میل دور ہے۔ ہم وہاں بھی حالات جنگ سے پورے طور پر آگاہ تھے۔ یاکتسک میں ہم نے ایسے سیدھے سادے آدمی دیکھے۔ جنہوں نے اپنی عمر میں کبھی کسی جرمن کو دیکھا تک نہ تھا۔ اور کوہ یورال کے مغرب میں کبھی سفر نہیں کیا تھا۔ لیکن یہی مادر وطن کے تحفظ سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ کہ جنگ کے متعلق بڑے ذوق و شوق سے گفتگو کرتے ہیں۔

میں نے موروثاف سے دریافت کیا۔ کہ آپ عوام کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں "مسٹر ویکی"! اس نے جواب دیا۔ اس کا جواب تو بالکل معمولی ہے۔ ۱۹۱۷ء سے پہلے یاکتسک کے باشندے صرف ۲ فیصدی تعلیم یافتہ تھے ۹۸ فیصدی نہ لکھ سکتے تھے۔ نہ پڑھ سکتے تھے۔ مگر اب تعلیمی اعداد و شمار بالکل اس کی ضد ہیں۔ یعنی ۹۸ فیصدی آبادی تعلیم یافتہ ہے۔

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے موروثاف نے تبسم زیر لب کہا۔ "اب مجھے ماسکو سے ایک تازہ ترین حکم ملا ہے کہ جسکا منشا ہے۔ کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے باقیماندہ ۲ فیصدی جہالت کا بھی خاتمہ کر دوں"۔

موروثاف نے بڑے فخر کیساتھ یاکتسک [illegible] کا [illegible] مجھے [illegible] دکھلایا۔ تھیٹر کی عمارت پختہ کنکریٹ سے بنی ہوئی تھی۔ اور کنکریٹ کی یہ ایک ہی عمارت نہ تھی بلکہ ایسی اور بھی بہت سی تھیں۔ اس عمارت کو دکھانے سے موروثاف کا مقصد یہ تھا۔ کہ قدیم زمانہ سے جو یہ خیال چلا آتا ہے۔ کہ ہمیشہ برف سے ڈھکی ہوئی سطح پر کوئی پختہ عمارت نہیں بن سکتی۔ اس کی تردید کی جائے۔

شہر کی سب سے بڑی عمارت مقامی کمیونسٹ پارٹی کا صدر دفتر تھا۔ جب میں پہلے اس بات پر غور کیا کرتا۔ کہ کمیونسٹ پارٹی کے بیس لاکھ ممبر (جنکی روس میں کل تعداد بھی ہے) کس طرح بیس کروڑ آدمیوں کے دل میں اپنے خیالات بٹھاتے اور ان پر کسطرح کنٹرول رکھتے ہیں۔ تو میں حیران ہو کر رہ جاتا تھا۔ مگر یہاں یاکتسک میں پہنچ کر میری سمجھ میں آگیا۔ کہ کمیونسٹ باقی بیس کروڑ کی آبادی کو کیونکر قابو میں رکھتے ہیں۔ اور اس پر حکومت کرتے ہیں۔

شہر میں کمیونسٹ پارٹی کے سوا اور کوئی منظم پارٹی نہ تھی۔ نہ کوئی گرجا اور نہ کوئی لاج یاکتسک میں کمیونسٹ عنصر باقی آبادی کے مقابلہ میں اتنا ہے جتنا آٹے میں نمک۔ یاکتسک کی پچاس ہزار کی آبادی میں ٹھیک ۲½ فیصدی کمیونسٹ بستے ہیں۔ یہ کمیونسٹ شہر کے واحد اہم کلب کے ممبر ہیں۔ تعداد میں کل ۱۲۵۰ ہیں۔ انہی میں سے فیکٹریوں کے ڈائرکٹر بھی ہیں۔ اور انہی میں سرکاری افسر بھی ہیں۔ اکثر ڈپٹی ڈائرکٹر ہیں۔ بہت سے سکولوں کے سپرنٹنڈنٹ اور ٹیچر ہیں۔ اور انہی میں سے لائبریریوں کے نگران کار بھی۔ بالفاظ دیگر یاکتسک میں مثل روس کے دوسرے علاقوں کے بہترین تعلیم یافتہ مہذب ترین اور قابل ترین افراد کمیونسٹ پارٹی کے ممبر [illegible]

اور یہی تھی پنج پارٹی کی قوت کا سرچشمہ ہے۔ میں حیران رہ [illegible] دل میں سوال کرتا تھا۔ اسکا جواب یہی تھا۔ [illegible] یہاں کمیونسٹ کلبوں کی رکنیت کی بڑی احتیاط [illegible] کی جاتی ہے۔ مثلاً فرض کیجئے۔ کہ پارٹی کا [illegible] دوست کو پارٹی کی رکنیت کیلئے پیش کرنا چاہتا ہے۔ مگر ایسا کرنے سے پہلے وہ اس بات کا پورا پورا احساس کریگا۔ کہ اسکا دوست اشتراکی خیالات میں پختہ ہے۔ کیونکہ اگر کہیں اسکے دوست نے پارٹی کو دھوکا دیا۔ تو اسکا خمیازہ نہ صرف اسکے دوست کو بھگتنا پڑیگا بلکہ خود اس کو بھی کیونکہ وہاں ایک ایسے ناپسندیدہ شخص کو پارٹی میں شریک ہونیکا موجب بنا۔

موروشات بھاری بھرکم لمبے قد آدمی تھا۔ گول ہنس مکھ چہرہ اور داڑھی مونچھوں کی ہو تو بالکل "فارغ البال" تھا وہ دریائے والگا کے کنارے کے شہر یاراؤف میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک مزدور خاندان کا چشم و چراغ ہے وہ سٹالن گراڈ کے ایک مشینی کارخانے میں کام سیکھتا تھا جو کہ بہت ذہین اور تیز تھا۔ اس کے خاص تعلیم کیلئے اس کارخانے سے اٹھالیا گیا۔ وہاں اول سکول میں، پھر یونیورسٹی میں، اسکے بعد سرخ پروفیسروں کے انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم پاتا رہا سرخ پروفیسروں کا انسٹی ٹیوٹ کیا ہے؟ یہ ماسکو کی ایک بڑی درسگاہ ہے۔ جہاں پر گریجویٹوں کو سوشل سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دو سال ہی ہوئے۔ کہ پاکٹسک کی مجلس خدام خلق کا وہ قائد بنا کر بھیجا گیا۔ اسوقت اسکی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ اس کی تمام تر تعلیم ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد کی ہے۔ سوویٹ روس کی ایک سب سے بڑی جمہوریت کا رتق و فتق اس شخص کے سپرد ہے۔ اور یہ جمہوریت رقبہ میں فرانس سے پانچ گنا ہے۔

جب میں پاکٹسک کی اقتصادی ترقیوں کے متعلق باضابطہ دریافت کیا۔ کہ وہ انہیں تفصیل کیساتھ بیان کرے۔ موروشات نے جواب دیا۔ "مسٹر دکی ہم نے پاکٹسک کی خود مختار سوویٹ اشتراکی جمہوریہ سنہ ۱۹۲۲ء میں قائم کی تھی۔ اس وقت سے ابتک ہم نے اس جمہوریت کے میزانیہ کو اتنی گنا کر دیا ہے۔ اس سرزمین پر بسنے والے ہر شخص کا دل اور اس کی شکم پری اس کی گواہ ہے پہلے پاکٹسک نقشے میں برف سے ڈھکا ہوا ایک خطہ سے زیادہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر اس جیسے ہی ہمارے معاون طلائے آسا کثیر سونا نکالا گیا ہے۔ کہ خود اس کے دوسرے معاون سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ تیسرے نمبر پر ہے یہ کہہ کر اس نے اعداد و شمار کا میرے سامنے ڈھیر لگا دیا کہ فلاں مقام سے اتنا اور فلاں مقام سے اتنا سونا برآمد ہوا اور پاکٹسک کی کانوں سے اتنا۔ بیس سال کے اندر ہم نے پاکٹسک دس کھرب روبل (روسی سکہ) لگایا ہے۔

آگے چل کر موروشات نے کہا۔ کہ "اس جنگ کے ختم ہونے پر آپ امریکہ والوں کو لکڑی کی ضرورت ہوگی اور ہمیں ہر قسم کی مشین کی۔ جب بحر منجمد شمالی کا راستہ کھلا ہو۔ تو ہم آپ سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ آپ تشریف لائیں۔ اور ہم سے لکڑی لیں۔ ہم بڑی خوشی سے آپ کیلئے اپنے جنگل صاف کر دیں گے۔

سونا اور پوستینیں قیمتی مال ہیں۔ تاریخ کے آغاز سے بغیر سڑکوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ ان کو منتقل کیا جاتا رہا ہے۔ مگر سوویٹ گورنمنٹ کی زیر سرپرستی پاکٹسک میں تحقیقاتی دوڑ نے ہیرے کرمیاندی۔ نکل، تانبہ اور سیسہ کے ذخائر کی عظیم الشان دولت کا سراغ معلوم کیا ہے۔ اسی سرزمین میں پٹرول کے چشمے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان چیزوں کے متعلق تفصیلی اعداد و شمار فوجی رازوں میں داخل ہیں۔ پھر بھی موروشاف نے اتنا بتایا کہ ۱۹۴۲ء کے ختم ہونے سے پہلے پہلا اتنا تیل ہوگا کہ ہم تجارتی طور پر باہر بھیج سکیں گے۔ مچھلی شعبہ اور نمک ملک کی بڑی بھاری پیداوار ہے۔ اور آمدنی کا ذریعہ ہیں۔

زراعت کے اندر پاکٹسک نے سال میں گیہوں کی ایک [illegible] زیادہ فصلیں اگانے کے نئے امکانات کا انکشاف کیا ہے۔ [illegible] اگنے کا موسم ہے تو مختصر، مگر اس دوران میں زمین کے [illegible]

کی سطح پانی سے لبریز ہوتی ہے اور موسم گرما میں سورج تمام دن اور تقریباً تمام رات سطح کو گرماتا رہتا ہے

اکثر دیمیتر فارم ــــــ ماہ ستمبر میں ۹۷ فیصدی فصلوں کی پیداوار اٹھالی جاتی ہے جمہوریہ یاکتسک میں نقل وحرکت کا خاص ذریعہ بارہ سنگا ہے مگر اب سیکڑوں ٹریکٹر بھی ہیں اور بہت سو سالہ کسان ٹیکر (بار برداری کی موٹر والی گاڑیاں) بھی "۔

مسٹر ولکی نے دریائے لینا کے شمال میں واقع ۱۶۰ اور ۱۷۰ کے درمیان بالشویسٹ ماہرین کی ایک مختصر جماعت جس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے عزم مصمم کئے ہوئے ہے کہ تندرہ کے اس علاقہ کو گل و گلزار بنا دیا جائے اور اس سے پیداوار حاصل کی جائے

یہ لوگ اور دوسرے اسی قسم کے جو ہم تر تیکے کے کارخانوں شہروں کی ملوں اور سونے کے مہاجانوں کی تیاری کی فیکٹریوں کو چلا رہے ہیں یہ محض حصول زر کی خواہش سے کچھ خدمت خلق پر تمغوں اور انعامات کی لالچ سے اور کچھ حکومت کی سزا کے خوف سے ایسا کرتے ہیں کام کے لئے نقد معاوضہ امریکہ کی نسبت کم ہے مگر معاری اور ادنی اجرتوں کی کا فرق مجھے بہت زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ تمغوں کا عطیہ روس میں امریکہ سے زیادہ عام ہے۔ میرے خیال میں ان کاموں کی ترغیب میں سزا کا خوف سب سے زیادہ کام کرتا ہے مگر ان کی ترغیب و تحریص کا باعث کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیں شک نہیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں کام کرنے کا جوش اور خود اعتمادی بہت ترقی کر گئی ہے۔ سوویٹ یونین کے کسی حصے کی جو کوئی بھی سیاحت کرتا ہوگا۔ وہ ضرور اس کی لامذہبیت کو ناپسند کرتا اور اس کے اشتراکی نظریوں سے پریشان ہوتا ہوگا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ان لوگوں سے مل کر اور گفتگو کرنیکے بعد یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ موجودہ دور کی ایک موثر ترین اور مکمل ترین سوسائٹی کی تخلیق بھی انہی لوگوں کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے۔

روس امریکہ کا حد سے زیادہ شائق ہے۔ ہمیں بھی روس کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اب بھی اور جنگ کے بعد کی دنیا میں ان دو طاقتور سوسائٹیوں (روسی و امریکی) کے اشتراک عمل کی کوئی راہ نکالنی پڑیگی۔ جنگ جیتنے میں روس نے عظیم الشان خدمات انجام دے [illegible]۔ اسکی بنا پر جنگ کے بعد اسکو نظرانداز نہیں کیا جا سکے گا۔۔

(ترجمہ)

ممتاز حور حوی ؛

مصنفین کے اندازِ بیان

بعض مصنفین کا اسلوب بیان تو صاف ستھرا اور الفاظ بھی زرق برق ہوتے ہیں مگر مطلب خبط اور مہمل ہوتا ہے۔ بعض مصنف اپنے بیان کی تائید میں دلائل تو پیش کر سکتے ہیں، مگر ایسے کہ انہیں سمجھنا کارے دارد۔ برخلاف اس کے کچھ مصنف ایسے ہیں کہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ تو سمجھ میں آتا ہے مگر وہ بیان تہی مغز اور بے دلیل ہوتا ہے۔ بعض بحر تخیل میں ایسا گہرا غوطہ لگاتے ہیں کہ پھر ابھرتے ہی نہیں اور بعض اتنی بلندی پر پرواز کرتے ہیں کہ نظر نہیں آتے لہٰذا ہمیں اس امر کی کوشش کرنی چاہیئے کہ جو مسائل دقیق ہیں انہیں اسطرح بیان کیا جائے کہ ان کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ جو مضامین چیستان اور حیرت میں ڈالنے والے ہوں ان کو عام فہم اور سلیس بنائیں۔ اور جو زیادہ عمیق ہوں ان اوپری سطح پہ لے آئیں ؛

(کانٹ)

ٹھوکر

(افسانہ)

"زندگی چند خوشگوار قہقہوں اور ان گنت آنسوؤں کے مجموعہ کا نام ہے"۔ اس نے کہا۔ دو ننھے آنسو رخساروں کو چومتے ہوئے اس کی آغوش میں گم ہو گئے۔ کسی نے کہا بیوقوف تو ان بیش بہا موتیوں کو اس طرح لٹا رہا ہے۔ زندگی صرف قہقہوں کا نام ہے۔ اگر زندہ رہنا چاہتا ہے تو مسکرا، ہنس، قہقہے لگا۔ دنیا ایک سراب ہے تو تو بھی معمہ بن جا۔ دنیا میں ترقی کا راز ہی یہ ہے۔

وہ مسکرایا۔ میں غلطی پر تھا۔ میرے عالم تخیل کی وہ معصوم دنیا جس میں انسانیت، محبت، ہمدردی و راستبازی آباد تھیں۔ وہاں انسانیت کا خون۔ محبت کی توہین۔ ہمدردی کی تحقیر۔ نیکی کی شکست اور راستبازی کی دھول اڑتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے (Life of Living) اس نے کہا اور مسکراتا ہوا چل دیا۔

(۲)

وہ حسین تھا۔ اور نوجوان۔ اس کی بڑی بڑی سرمگیں آنکھوں میں ایک خاص کشش پنہاں تھی۔ چہرے پر رنج و ملال کے آثار نے اسے اور بھی جاذب نظر بنا دیا تھا۔ اس نے زندگی کی پندرہ سالیں یتیم خانہ کے تاریک گوشوں میں طے کی تھیں۔ اس کی خاموشی اور تنہا پسندی نے اس کے ساتھیوں کو مژدہ ترقی سنایا۔ وہ اس کی بنائی ہوئی چیزوں سے انعامات اور منتظمین کی خوشنودی مزاج حاصل کرتے۔ وہ دیکھتا اور خاموش رہتا۔ اس کو بچپن ہی سے تعلیم اور مصوری کا شوق تھا۔ چنانچہ اس نے صنعتی تعلیم کے علاوہ میٹرک کا امتحان بھی دیدیا۔ وہ نتیجہ کا منتظر تھا اور مستقبل کی خیال آرائی میں گم۔ وہ بھی آزاد زندگی کا خواہاں تھا۔ نتیجہ امتحان کے فوراً بعد اس نے اپنے گہوارہ کو خیرباد کہا۔ اس نے سوچا میٹرک پاس کر لیا ہے۔ فن بھی ہاتھ میں ہے کیوں نہ شرافت اور آزادی کے ساتھ زندگی گزار دوں۔ وہ تمام دنیا کو اپنا ہی جیسا سمجھتا تھا۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر دنیا میں قدم رکھا۔ اس کا مطمح نظر راستبازی اور سچائی کے ساتھ خدمت خلق تھا۔ لیکن اس نے جتنے قدم اٹھائے اس فریبی دنیا نے اس کو اتنے ہی پیچھے ہٹا دیا۔ وہ لڑکھڑاتا لیکن سنبھل جاتا۔ وہ صبح کو بھٹکتا لیکن شام کو واپس آ جاتا۔ حقیقی معنوں میں اسے دنیا میں قدم رکھے ہوئے کچھ ہی دن گزرے ہوں گے کہ اس پر دنیا کی حقیقت کا راز کھلنے لگا۔ اس کے طلسمی پردے چاک ہوتے ہوئے نظر آنے۔ اس نے کتاب دنیا کا مطالعہ شروع کیا۔

(Might is right) مائیٹ اِز رائیٹ۔

اس کتاب کی پہلی سرخی تھی۔ جس کا ہر ہر لفظ زہر ہلاہل میں بجھا ہوا تھا۔ جس کی ہر ہر بوند انسانیت کا خون کر سکتی تھی اس کتاب میں اس نے ایسی ایسی خونیں داستانیں پڑھیں جن کو پڑھ کر اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔ اس نے دیکھا دنیا عیاشوں کی ہمدم۔ دولتمندوں کی عیش پرستی کا اڈا۔ دولت کی غلام غریبوں کے خون کی پیاسی۔ اور راستبازی کی جانی دشمن نظر آئی۔ جس میں ترقی کا راز خوشامد۔ حق تلفی۔ دوستی کی آڑ میں دشمنی اور

خود غرضی تھا۔ جہاں عیاری کا مہذب نام۔ پالیسی اور دولت کا غرور پُر اثر حکومت کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ بھی خاک سے تخلیق کیا ہوا انسان تھا۔ کب تک سنبھلتا آخر ٹھوکر کھائی اور دنیا رنگ و بو میں ایک نئے رنگ سے داخل ہوا۔ سنسان جنگل میں ایک خشک درخت کے نیچے ان الفاظ کے ساتھ "زندگی زندہ دلی کا نام ہے" ایک زبردست قہقہہ جنگل کے سکوت کو توڑتا ہوا فلک سے جا ٹکرایا۔ دنیا خوش تھی۔ تھمانے یہ بری لی۔ نیکی کو شکست فاش ہوئی

(۳)

برسات کی ایک پُر فضا شام تھی۔ سورج اپنی دن بھر کی ناکام کوششوں کے بعد مغرب میں منہ چھپانا چاہتا تھا۔ کالے کالے بادل اپنی فتح پر نازاں آسمان پر محوِ خرام تھے خنک ہوا فضا میں تیر رہی تھی۔ مال روڈ کے ایک پر رونق حصہ پر ایک شاندار موٹر کے پاس ایک خوبصورت نوجوان بوسیدہ لباس میں خاموش کھڑا تھا۔ "ارے نوجوان میں نے تم کو کئی مرتبہ ادھر پھرتے دیکھا تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو۔ تم نے یہ آوارہ گردی آخر کیوں اختیار کر رکھی ہے۔ تمہیں کچھ کام بھی آتا ہے"

جی ہاں میں نے فن نگاری سیکھا ہے۔ مگر مصوری سے زیادہ شوق ہے۔"

"مصوری بھائی واہ۔ تم بھی عجیب آدمی ہو"۔ ایک بھدے جسم کے رئیس نے موٹر سے اترتے ہوئے کہا۔ "ارے بیوقوف تو تم اپنے فن سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے ... تم دولت حسن سے مالا مال ہو۔ عزت۔ دولت جسن سب کچھ خرید سکتے ہو۔ چلو میرے ساتھ۔ روپیہ جسقدر چاہو مجھ سے لو ..... مصوری کی کشش سے حسین و رنگین تتلیاں خود ہی کھنچیں گی۔ تم انہیں اپنے حسن کے جال میں پھانسو۔ پھر روپیہ ...... روپیہ تمہارا غلام ہے .... میرے گھر روپیہ کی کھیتی ہوتی ہے ..... چلو ...... ارے رکتے ہو .. . تم نادان ہو لڑکے .... دنیا اسی کا نام ہے . ....

(۴)

لاہور کی سالانہ نمائش میں آرٹ گیلری پر بہت ہجوم ہے۔ صدہا تصاویر دعوت نظارہ دے رہی تھیں مگر سب سے زیادہ جاذب نظر تصویر ایک نئے مصور تنویر کی ہے . تصویر میں دو راستے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک نہایت سیدھا راستہ ہے۔ جو چند خشک درختوں کے بیچ سے گذرتا ہے۔ اور بہت دور جاکر اختتام پر کچھ سرسبز درخت نظر آتے ہیں۔ چند مرجھائے ہوئے پھول اور لاتعداد خشک پتے اس راستہ کی زینت ہیں۔ ... دوسرا راستہ بہت ہی خوبصورت باغ سے گزرتا ہے۔ جسمیں قسم قسم کے رنگین پھول سبزہ اور سرسبز کنج دکھائی دیتے ہیں۔ ایک کنج کے نزدیک چند حسین لڑکیاں کھڑی ہیں۔ ایک نوجوان دونوں راستوں کے نقطۂ اتصال پر کھڑا ہے۔ اسکا رُخ سیدھے راستہ کی طرف ہے۔ لیکن قریب کے گلاب کی خاردار ٹہنی اُس کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ نوجوان کا چہرہ لڑکیوں کی طرف ہے۔ تصویر کے نیچے لکھا ہے۔. ... "جانا ہی پڑا"

لوگ تصویر کی تعریف کر رہے تھے۔ ایک فقیر یہ کہتا ہوا گزرتا ہے۔ تصویر کی تعریف تو کر رہے ہو۔ اس کو سمجھنے کی بھی کوشش کرو

(۵)

تنویر کے نگار خانے میں ایک حسین دوشیزہ کسی خیال میں گم ایک قیمتی صوفہ پر متمکن ہے۔

"معاف کرنا رابعہ۔ تم کو انتظار کی تکلیف برداشت کرنی پڑی"۔ تنویر نے داخل ہوتے ہوئے کہا۔

رابعہ: "انتظار کی تلخی میں بھی ایک شیرینی

تنویر۔ اصل یہ بات ہے رابعہ .. .. یہ دنیا فانی ہے جس کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ کہیں ہماری محبت بھی۔ رابعہ منہ پر ہاتھ رکھدیتی ہے۔

رابعہ۔ ایسا نہ کہو تنویر ..... عورت صرف ایک مرتبہ محبت کرتی ہے پیارے۔ میری طرف دیکھو۔ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں.. .. تم میرا دل نہ دکھاؤ۔ ایسا منحوس خیال ہی کیوں دل میں لاتے ہو۔

تنویر۔ اپنی غیر متوقع کامیابی پر معنی خیز ہنسی ہنستا ہے۔

(۶)

رات سیاہ رات کسی حسین دوشیزہ کی کالی زلفوں کے مانند سیاہ۔ گناہوں کی دنیا سائے مت ڈالے دکھانے کو تیار تھی۔ سنسان اور پرسکوت فضا اپنے اندر تمام معصیتیں اور آلودگیاں سمیٹے دولت اور شباب کو دعوت عمل دے رہی تھی۔ تنویر رابعہ کو لئے موٹر سے اترا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر چلے ہونگے۔ کہ دو مضبوط نوجوانوں نے تنویر کو مارنا شروع کیا۔ رابعہ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر بیہوش ہو گئی۔ تنویر تو گھر پہنچا دیا گیا۔ اور رابعہ.. . ... معصوم رابعہ اس دولتمند بھیڑیئے کی ہوس رانی کا شکار ہوئی ..... بیچاری رابعہ تجھے دھوکہ دیا گیا۔ . . . . . یہ کوئی نئی بات نہیں ...... دولت ہمیشہ اس قسم کے سودے کیا کرتی ہے۔

(۷)

دوسرے روز رابعہ ملول و مضمحل تنویر کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ تنویر یہ کہتا ہوا داخل ہوتا ہے "رابعہ مجھے تعجب ہے۔ کہ اب تم میرے پاس کیوں آئی ہو۔ کیا تم اپنے گرم گرم آنسوؤں اور پُر درد آہوں سے اپنی پارسائی کا ثبوت دینا چاہتی ہو۔ رابعہ میں نادان نہیں..... تم جا سکتی ہو۔ ...... میں تمہارے حسن سے نہیں دوشیزگی سے محبت کرتا تھا میری محبت اب کراہیت میں بدل گئی ....

(۸)

رابعہ مجبوراً وہیں دکھائی دیتی ہے۔ جہاں رنگینیوں اور دلفریبیوں کا بازار لگتا ہے۔ جہاں حسن اور جوانی کے سودے چکائے جاتے ہیں۔

(۹)

رات وہ رات ..... جبکہ ماہِ عالمتاب اپنی پوری ضوفشانی کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا۔ تنویر کسی خیال میں غرق ایک صاف چٹان پر بیٹھا ہے . .

"میرے پاس دولت عزت شہرت کسی کی کمی نہیں۔ رابعہ حمیدہ۔ اروما۔ ایلن اور کئی حسین لڑکیوں نے مجھ سے محبت کی۔ مجھے خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن کیوں میرا دل کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ کیوں مری روح میرے جسم سے بیزار ہو کر نکل جانا چاہتی ہے۔ . . . .

. اے خوبصورت چاند۔ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے۔ جہاں کی زمیں میں یہ سناٹا۔ جہاں کے آسمان میں یہ تاریکی۔ جہاں کی فضا میں یہ ہیبت۔ جہاں کے نشیب و فراز میں یہ بے لطفی نہ ہو . میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ جہاں کے ذرّے ذرّے میں دلکشی۔ پتے پتے میں تازگی۔ جہاں کی بلندی و پستی میں ایک دلربائی ہو . مگر میں تنہا نہیں جانا چاہتا۔ . . آہ صبیحہ تو نے، مجھ پر جادو کر دیا۔ میں تجھے بھی دھوکا دینا چاہتا تھا۔ . . کاش! میں اس سندر جال میں نہ پھنسا ہوتا۔ . . حسین تو سب ہی تھیں۔ سب نے مجھ سے سچی محبت کی . مگر. . . تجھے دھوکا نہیں دے سکتا.......... شاید اس لئے کہ تو میرے لئے ایک نیا پیغام زندگی لائی ہے۔

(۱۰)

باغ کے ایک خاموش گوشے میں تنویر صبیحہ کا انتظار کر رہا تھا........ "آج میں سب کچھ کہدوں گا۔ میں

جب تک اسے دھوکا دیتا رہا۔ میں ہرگز اس کے قابل نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کاش ۔ میں صبیحہ سے آزاد محبت کر سکتا۔ صبیحہ کنج سے نکل کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھدیتی ہے۔

تنویر گھبرا کر۔ صبیحہ مجھے نہ چھوؤ میں پاپی ہوں۔ فریبی ہوں۔ دوشیزگی کا دشمن ہوں۔ ۔ ۔ صبیحہ تم جاؤ۔ میں تمہارے قابل نہیں۔ میں نے تمہیں دھوکا دیا۔

صبیحہ ۔ تنویر تمہیں کیا ہو گیا۔ کیا تم مجھے چھوڑ کر جانا چاہتے ہو۔ میری آرزوؤں کا خون کر کے ـــــ کیا تمہاری محبت کے وہ سریلے گیت سب جھوٹے تھے؟

تنویر ۔ صبیحہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ معصوم محبت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے تو دور رہنا چاہتا ہوں۔ کہ کہیں میری معصیت تمہارے دامن کو نہ چوم سکے۔ صبیحہ تم مجھے بھول جانے کی کوشش کرو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں چلا جاؤنگا۔ ۔ ۔ بہت جلد۔ کسی نامعلوم مقام پر۔ صبیحہ میری زندگی گناہوں کا افسانہ ہے ۔ ۔ ۔ یہ ڈپا معصیت کو ذبح کر کے اسکے خون سے سینچا گیا ۔ ۔ تم چلی جاؤ صبیحہ ۔ ۔ ۔ ۔ کہیں اس کے چھینٹے تمہارے دامن کو داغدار نہ کر دیں۔

صبیحہ ۔ تنویر۔ یہ کیا کہہ رہے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدارا میرے حال پر رحم کرو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہاری ہوں اور تمہاری ہو کر رہونگی۔ اگر صبح کا بھولا مسافر شام کو واپس آجائے۔ تو وہ بھولا نہیں کہلاتا۔ تم آئندہ کیلئے توبہ کر لو۔ اگر ایسے نہیں تو میرے لئے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ مجھے کچھ تو بتاؤ۔

تنویر ۔ صبیحہ تم میری سوداد زندگی سُننا چاہتی ہو اچھا سنو شاید اسی کو سن کر مجھ سے نفرت کرنے لگو۔ میں یتیم خانہ میں پلا تھا۔ مجھے اپنے حسب نسب کے متعلق کچھ علم نہیں۔ میں تلاش معاش میں جیسے تیسے کر رہا تھا۔ مجھے ایک دولتمند بڈھا ملا۔ اُس نے مجھے خرید لیا۔ اپنا آلہ کار بنانے کے لئے اپنی دولت اور میرے حسن سے ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے اس نے بڑی بڑی قیمتوں پر مجھ سے حسین تتلیاں خریدیں۔ جن کو میں نے اپنے حسن کے جال میں پھانسا ـــــ آج میرے پاس جو کچھ ہے سب اسی کی بدولت۔ میری رگ رگ میں معصوم دوشیزاؤں کا خون تڑپ رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ میرا ریشہ ریشہ آلودگی سے پرورش پا رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ سن لیا صبیحہ اب جاؤ۔ میں بھی جاتا ہوں۔

صبیحہ ۔ (روتے ہوئے) تنویر میں تمہیں اس تاریک غار سے نکال لونگی۔ اگر تم چاہو۔

تنویر ۔ صبیحہ تم بہت نازک ہو۔ مجھے اس غار سے نہیں کھینچ سکتیں۔ میرا جسم گناہوں سے بھاری ہے۔

صبیحہ ۔ کچھ بھی ہو تنویر میں نہیں جاؤنگی۔ میں تمہیں چاہتی ہوں۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ خواہ جان ہی کیوں نہ جائے۔ تنویر صبیحہ کو آغوش محبت میں لیکر پیار کرتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا مقدس بوسہ تھا۔

تنویر ۔ صبیحہ۔ تم نے مجھے نئی زندگی عطا کی۔ تم میرے لئے شمع ہدایت بنیں۔ میں تمہاری پرستش کروں گا۔

صبیحہ سر دردتی۔ تنویر زرد پتیاں۔ دونوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ چاند مسکرا رہا تھا۔ ستارے مسکرا رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ فطرت بھی اس کھیل سے محظوظ ہو رہی تھی۔ تنویر کے نگار خانے میں صبیحہ اور تنویر خوش خوش بیٹھے ہیں۔

صبیحہ ۔ (ہنستے ہوئے) تنویر مگر تم نے اس خوشنما بنیئے کا نام بھی نہیں بتایا۔

تنویر - جھنڈ صبیحہ اب میں اس مردود کا نام بھی نہیں لینا چاہتا۔

صبیحہ - نہیں تو اس سے ان معصوم لڑکیوں کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔ جو اس کی حیوانیت کی شکار ہوئیں تم کو بتانا ہی ہوگا۔

تنویر - صبیحہ میں اس سے انتقام نہیں لینا چاہتا کیا۔ اس لئے کہ اسی کے بدولت میں نے تمہیں پایا ہے (ہنستے ہوئے) لیکن میں تمہیں اس سے ملا ہی کیوں نہ دوں۔

صبیحہ - (مسکراتے ہوئے) مجھے بھی دھوکا دینا چاہتے ہو

تنویر - ہاں - اور خود کو بھی -

(۱۲)

تنویر اور صبیحہ انہیں گناہ آلود چٹانوں پر پھر رہے تھے۔ جن سے ٹکرا ٹکرا کر کتنی ا - بے بس اور باریک چیخیں فضا میں گم ہو گئی تھیں۔ جہاں آج سے پہلے کئی بار دولت انسانیت کے خون سے ہولی کھیل چکی تھی۔ جہاں کئی مرتبہ معصوم التجائیں کرخت قہقہوں سے ٹھکرا دی گئی تھی۔ آج ہوا میں عطر بیز باد نسیم محو خرام تھی۔ کائنات خاموش اور فضا پُر سکوت تھی۔ صبیحہ کی چیخ نے تار سکوت توڑا ـــــ

چٹان کی آڑ سے دو منسوط نوجوانوں نے تنویر پر حملہ کیا۔ دوسری طرف سے سیٹھ صاحب نے نکل کر صبیحہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔" اے حسین چڑیا۔ اُس کو بھول جا۔ وفادار چھوکرا میرے ٹکڑوں پر پلا ہے۔ ایں۔ کون۔ صبیحہ۔ میری بیٹی! میری بیٹی!! چھوڑ دو ظالموں اس کو . . . میں پاپی ہوں۔ عجلت میں بھاگنا چاہتا ہے۔ مگر ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر پہاڑ سے نیچے گر جاتا ہے۔

(۱۳)

لاہور کی سالانہ نمائش اپنے اندر تمام رنگینیاں اور دلفریبیاں لئے ہوئے ہے۔ آرٹ گیلری پر بہت ہجوم ہے۔ وہاں دو تصویریں بہت نمایاں ہیں۔ ایک تو وہی ہے۔ جو گذشتہ نمائش میں انعام حاصل کر چکی تھی۔ دوسری اسی مصور کے زود قلم کا نتیجہ ہے۔ تصاویر دونوں قریب قریب ایک ہی سی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ اُس نوجوان کے ساتھ ایک دوشیزہ ہے۔ دونوں کا رُخ سنسان اور سیدھے راستہ کی جانب ہے۔ تصویر کے نیچے لکھا ہے" ٹھوکر کے بعد"

(مصباح الحسن صدیقی)

محمد ندیم کا نام اب تعارف کا محتاج نہیں۔ ملک کے ادبی حلقوں میں آپ متعارف ہیں اور متعدد افسانے پبلک کی نظر سے گذر کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں زیر نظر آپ کا ایک ناول ہے۔ جو مزاح کی دلچسپیوں سے لبریز ہے۔ ناول اتنا دلچسپ ہے۔ کہ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑنا محال ہے۔ مگر ہم تو یہاں تک کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپکا ناول آپ کے افسانوں کے مجموعہ سے زیادہ قابل قدر ہے اگر حسن صاحب آئندہ ناول نویسی پر زیادہ توجہ دیں۔ تو ادب کی ایک گراں پایہ خدمت ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اچھے ناولوں کی ملک میں بڑی مانگ ہے۔

کھنڈر مصنف جناب طاہر میر صاحب حجم ۱۴۵ صفحات قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔

ملنے کا پتہ۔ دار الشعر اندرون بھاٹی گیٹ لاہور۔

زیر نظر مجموعہ میں آٹھ دلکش افسانے ہیں۔ جناب طاہر میر نے رومان کے ساتھ ساتھ منظر کشی اور ادب کی رنگینی سے انہیں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ طاہر میر کے افسانوں کا یہ مجموعہ ملک کے ادبی حلقوں میں عزت و احترام سے دیکھا جائیگا اور پبلک میں ایسے افسانوں کی مانگ یقیناً بڑھے گی ؏

مداوا از قلم فرقت بی اے حجم ۲۵۴ صفحات قیمت مجلد للعہ ر۔ علاوہ محصولڈاک

ملنے کا پتہ۔ یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ۔

آزاد شاعری، مہمل اور لغو گو شاعروں کے رطب و یابس کے خلاف زیر نظر کتاب میں دلکش انداز میں جہاد کیا گیا ہے یہ طنز ادبی اور علمی چاشنی رکھتا ہے۔ پیروڈی کا رنگ بھی قابل تعریف ہے۔ اس کتاب میں ملک کے ایک درجن سے زائد ادیبوں کے افکار بھی قابل مطالعہ ہیں ؏



محکوم ملک کے لئے تین تحفے

جن ملکوں پر جاپانی قابض ہیں وہاں اُن کے مظالم کے واقعات جن سے ہم کو [illegible] اسی کی ایک تازہ مثال [illegible] کے شہر [illegible] چند [illegible] کو [illegible] کسی خطا کے سزا [illegible] پھر ان کے [illegible] ہے۔

آپ کو یہ وحشت [illegible] [illegible] ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

فتح مندیوں کے زوال پر جا سے اُس کے اصل کو سامنے رکھیے کیونکہ یہ وحشی قوم ظالم ہی ہے شہوت پرست اور [illegible] ہے اُس کا ایمان ہے کہ اُن کی نسل سب سے اعلیٰ و افضل ہے [illegible] حق حاصل ہے اور اسے یہ بھی حق ہے کہ وہ حکومت کرے اور دوسروں کو غلام بنائے۔

ایسی قوم سے ہندوستانیوں کا بچاؤ نہیں ہو سکتا [illegible] ہی [illegible] جب [illegible] جائے۔ ہندوستان [illegible] دنیا کو صرف اسی طریقے سے [illegible] خطرے سے نجات مل سکتی ہے۔

مغل لائن لمیٹڈ

معمولی وقفہ کے بعد جہاز بمبئی اور کراچی سے روانہ ہوتے ہیں۔ عدن، پورٹ سوڈان، جدہ، سویز
کی سمت

مسافروں اور کارگو (مال) سروسز کیلئے بمبئی اور کراچی سے جہازات عدن۔ پورٹ سوڈان
جدہ اور سویز کیطرف روانہ ہوتے ہیں! نیز بمبئی اور کراچی سے پورٹ لوئیس اور مارشس کیطرف بھی

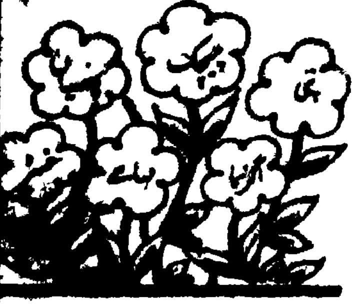
جہازوں کی تمام سرویس اور انکی روانگی کی تاریخیں

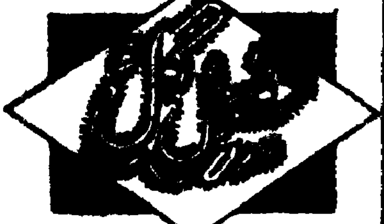
بغیر کسی اطلاع کے منسوخ ہوسکتی ہیں

مکمل حالات کیلئے لکھئے

ٹرنر مارسین اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶ بینک سٹریٹ۔ بمبئی





یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ بہار کو فصل گل کہتے ہیں لیکن کیا
آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کیسا گل کھلاتی ہے آپ نے دیا
بھی گل کا یہ ساتھی دیکھیے۔ یہ موسم ماہ فروری سے ۱۵ اپریل تک رہتا ہے اور اپنے ساتھ خسرہ، خارش، چیچک
جس، مہاسے، منتراحوں کا کار، حلق کا درد، سر کی پھنسیاں، پھوڑے، کھجلیاں، اکھیاں، داد اور
خاص کی بلائیں ساتھ لاتا ہے۔ گویا یہ فصل گل ہی نہیں بلکہ فصل خار بھی ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کانٹوں
سے بچ سکیں تو بہار کے پھولوں کا لطف اٹھائیے ورنہ بہار کا موسم گزر بھی جائے گا اور کانٹوں ہی کا
لے رہیے گا۔ یہ موسم جس قدر پُرلطف ہے اتنا ہی خطرناک بھی ہے۔ اپنے آپ کو اور سب گھر والوں کو
تندرست رکھنے کے لیے آج ہی سے صافی کا استعمال شروع کر دیجیے۔

صافی بہار کی سب بیماریوں کا شافی علاج ہے۔ آپ آج ہی منگائیے۔

قیمت فی شیشی (۱۰ خوراکیں) صرف دس آنے۔ پرچہ ترکیب دوا کے ہمراہ ہے۔

دواخانہ کے رسالہ ہمدرد بہار مفت
طلب فرمائیے +

ہمدرد دواخانہ، لال کنواں، دہلی

قرآن مجید بخطِ اردو

با اعراب مترجم

جن بھائیوں نے آج تک قرآن مجید اردو زبان میں نہیں پڑھا اور وہ اردو پڑھ سکتے ہیں۔ ان کیلئے "عربی زبان بھی اردو" میں کر دی گئی ہے نصف سطر عربی بخط اردو۔ نصف سطر سلیس با محاورہ ترجمہ۔ دو سطری اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر شاہ رفیع الدین صاحب۔ دونوں ترجموں کے سلیس کردہ حکیم سید یٰسین صاحب۔ دو ترسالہ۔ ہدیہ صرف آٹھ روپے اسلامی جنتری چھ آنہ کے ٹکٹ بھیجکر اور فہرست کتب کا رڈ آنے پر مفت

ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار
لاہور

حکیم خواجہ محمد رضوان احمد پروفیسر طبیہ کالج دہلی کی تصنیفات

<u>دہلی کے صحیح مرکبات</u> ۔ حجم تین سو صفحات۔ اسمیں طب یونانی کے وہ تمام صحیح مرکبات جو دہلی کے نامور مطبوں میں تیار ہو کر امراض کے دفعیہ میں عدیم النظیر کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ ان کے صحیح نسخوں اور ترکیب تیاری ادویات، عرق، شربت، معجون، سفوف، کشتہ جات ضمادات، طلا وغیرہ ہر چیز وضاحت سے پیش کی گئی ہے۔

قیمت صرف اڑھائی روپے۔

<u>دہلی کا صحیح مطب</u> ۔ دہلی کے معمولات ہندوستان کے ہر گوشہ میں بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مفید و مجرب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن انکی افادی صورت اسوقت نمایاں ہوتی ہے جبکہ وہ صحیح اوزان سے بنائے جائیں۔ یہ خصوصیت آپکو اس کتاب میں ملیگی۔ قیمت صرف چار روپے

مکتبہ دار التالیفات اجمل روڈ قطب دہلی

بمبئی کا شاہکار

لمیٹڈ

فیشن

ہدایات

(قیدی کے خالق) ایف حسنین

گیت و غزلیات
علامہ آرزو
لکھنوی

رائل سینما امرتسر میں ٹھی کامیابی

کانپور، دہلی، آگرہ، لکھنؤ، کراچی اور کوئٹہ کی پبلک اور پریس کا متفقہ

فیصلہ سال رواں کا حیرت انگیز اور انوکھا شاہکار ہے

موسیقی
شانتی کمار

اداکاران

G. L. No. 1703.

The Co-operative Capital Printing Press, Ltd., Watan Buildings, Lahore.

نیرنگ خیال

اس نمبر کے لکھنے والے:

عبدالرشید طارق ایم اے
شکیل بدایونی بی اے
[illegible] عنبر [illegible]کوٹی
انجم نعمانی ایم اے
فیض جھنجھانوی
سروش عسکری بی اے

ہندوستان بھر کے علمی ادبی رسائل میں یگانہ صفت ماہنامہ

نیرنگ خیال لاہور

ادارۂ تحریر
چیف ایڈیٹر حکیم یوسف حسن
مدیر اوّل حضرت سہا مجددی
مدیر معاون اصغر عثمانی

چندہ
سالانہ چندہ چھ روپے سالانہ
بیرون سالانہ چار روپے
سالانہ مجلد دس روپے
فی پرچہ آٹھ آنے

نمبر ۴ — بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء — جلد ۱۴

فہرست مضامین

شذرات

کاغذ کے متعلق حکومت ہند کا نیا اعلان

حکومت ہند کے ایک آرڈیننس کی رو سے اب اخبارات کے مالکوں کو جنہیں کاغذ کا کوٹہ ملا ہوا ہے سوائے نیوز پرنٹ (اخباری سیاہ کاغذ) کے استعمال کے باقی ہر قسم کے کاغذ کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ اب ہم نیرنگ خیال کے ٹائیٹل کیلئے معمولی سفید یا آرٹ پیپر وغیرہ استعمال نہیں کر سکتے۔ نہ ہی تصاویر چھاپ سکتے ہیں۔ اخباری برادری نے اس حکم کے خلاف اپیل کی ہے۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے جب تک اس اپیل کا نتیجہ نہ نکلے ٹائیٹل پر معمولی اخباری کاغذ ہی لگایا جائیگا۔

محکمہ ڈاک میں چوروں کی کثرت

معزز معاصر ریاست لکھتا ہے:۔

"اچھے اور قیمتی اخبارات کیلئے یہ ایک مستقل مصیبت ہے کہ اس کے پرچوں کی کافی تعداد راستہ میں گم ہو جاتی ہے اور یہ شکایت صرف اردو کے اخبارات کو ہی نہیں بلکہ انگریزی کے اعلیٰ رسائل بھی کافی تعداد میں گم ہوتے ہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں۔ کہ ہر پرچہ بذریعہ رجسٹری بھیجا جائے اور اخبار کی ایک اشاعت سینکڑوں ہاتھوں سے ہو کر منزل مقصود تک پہنچتی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ ان سینکڑوں میں کون کون ایماندار ہیں اور کون کون چور۔ چنانچہ پچھلے کئی برس میں دفتر ریاست سے شکایتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چٹھی رسانوں کی گرفتاریاں ہوئیں۔ اور تحقیقات کیلئے افسر مقرر ہوئے۔ مگر پرچے گم ہونے کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوا"

یہ شکایت معاصر ریاست کو ہی نہیں بلکہ نیرنگ خیال بھی برسوں سے اس بیماری میں مبتلا ہے۔ اور اس کا علاج ہمارے پاس اسکے سوا کچھ نہیں۔ کہ ایک سو اندر پرچے ہر ماہ خریداروں کو شکایت آنے پر دوبارہ مفت بھجوا دیئے جائیں گویا ہر ماہ پچاس روپے کا مستقل خسارہ برداشت کر رہے ہیں اس تہذیب و تمدن کے زمانہ میں اخبارات اور رسائل چرانے کا [illegible] صحت کو [illegible] اس قسم کے دل آزار حرکت [illegible] گھناتے اور حیرت پاتا ہے۔ کہ اس مذموم کاروبار کو ختم کرکے کوئی اور کام کریں۔ جو کمائی ہاتھ آئے۔ رسالہ چھپنے اور بھیجنے پر بھی جب ہر ماہ سو دو سو خریداروں کو نہ ملے۔ تو ہمارے دفتر کو کسی پریشانی ہوتی ہوگی اس سلسلہ میں ہمارے خریدار بھی پوری پوری توجہ کریں۔

رسالہ ہر ماہ کی آخری تاریخ کو پوسٹ ہوتا ہے۔ اسلئے دوسرے ماہ کی دس تاریخ تک عدم رسیدگی کی شکایت پہنچانی چاہئے۔۔

اردو کی ترقی اور مسلمانوں کی پست خیالی

لاہور میں اردو کانفرنس کا اجلاس بلایا گیا تھا۔ تاکہ پنجاب میں اردو سے جو برا سلوک ہو رہا ہے۔ اور اردو زبان کو جو نقصان یہاں پہنچ رہا ہے۔ اسکی تلافی کی فکر کی جائے اس کانفرنس کی صدارت کیلئے سر ظفر اللہ خاں جج فیڈرل کورٹ کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جو ہر لحاظ سے موزوں ترین

مسلمانوں نیز ہندوؤں کی ایک خاصی تعداد اس بات کے حق میں ہے۔ کہ اردو زبان ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے۔ اور اس پر تمام قوموں کے یکساں حقوق ہیں لیکن مسٹر فضل اللہ کی صدارت کے معاملہ وہ مسلمان خود ہی نفرت [illegible]ایا کا جواز بے موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت بھی [illegible] میں کود پڑے۔ اور ایک مرزائی کے صدر بنانے پر اعتراض [illegible] جڑ دیا۔ احمدیوں سے مسلمانوں کا اختلاف ضرور ہے۔ اور عقائد میں جو فرق ہے۔ اس لحاظ سے یہ بھی اسلام کا ایک فرقہ ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں فرقہ بندی کا بہت رواج ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ہر معاملہ میں اپنے اس اختلاف کو فتنہ و فساد کا ذریعہ بنائیں۔

اردو کانفرنس کا صدر کوئی ہمدرد اردو، ہندو سکھ یا عیسائی تو ہو سکتا ہے اور اکثر اجلاس ان کی صدارت میں ہو چکے ہیں مگر ایک احمدی کی زیر صدارت اردو کانفرنس کا اجلاس ہونے پر مسلمانوں کا مذہبی تعصب زوروں سے موجزن نظر آنے لگتا ہے۔ مخالفت کا بھی کوئی ڈھنگ یا وقت ہونا چاہیئے۔ بے جا اور بے وقت اس کی نمائش نقصان رساں ہوتی ہے۔ کاش کہ ہندوستان کے مسلمان ایک ہونا اور ایک رہنا سیکھیں اور اپنی قوتیں ایک دوسرے کی تخریب میں صرف نہ کریں۔

ایک کامیاب اور باکمال شاعر

جناب انجم رومانی ایم اے کا ایک طنزیہ مضمون ہے جسکی زد ہم پر بھی پڑتی ہے۔ اسمیں ایک فرضی شاعر کے کمالات فن پر طنز آمیز پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ترقی پسند ادب کی حمایت بھی ہے۔ اور پرانے شعرا کا مضحکہ بھی اڑایا گیا ہے۔ اس کا جواب کسی آئندہ اشاعت میں پیش کیا جائے گا۔

ارمغان حجاز

نیرنگ خیال کے قدیمی محسن حضرت محمود نظامی بی اے نے یہ مقالہ ہمیں اشاعت کیلئے مرحمت فرمایا تھا۔ یہ مقالہ جناب عبدالرشید صاحب طارق ایم اے نے ایک مجلس میں پڑھا تھا۔ اور آج تک کہیں شائع نہیں ہوا ہم اس قیمتی مقالہ کی اشاعت کیلئے حضرت محمود نظامی صاحب کے مشکور ہیں۔

برادری لوہاراں و ترکھاناں کا شاندار اجلاس

اس مہینے لاہور میں لوہاراں و ترکھاناں کی برادری کا اجلاس بڑی شان و شوکت ہوا ہے۔ ابتدائے آفرینش میں تین پیشے سب سے قدم ہیں۔ کساں، کمہار اور پارچہ باف۔ لیکن یہ تینوں بھی اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ جب تک ترکھان اور لوہار امداد نہ دیں۔ ہل کرگہ اور دیگر آلات کی تیاری کیلئے ترکھان اور لوہار کی ضرورت ہے۔ اور آج تک ان دونوں صنعتوں نے جو ترقی کی ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ دنیا کی تمام ترقی اور تمدن کا دار مدار ترکھان اور لوہار کی کوششوں پر منحصر ہے۔ ترکھان اور لوہار کوئی ذات نہیں بلکہ ایک شریف پیشہ کا نام ہے۔ سید۔ قریشی۔ مغل پٹھان۔ راجپوت اور شیخ وغیرہ سبھی ذاتوں کے آدمی ان دو پیشوں میں موجود ہیں۔ ہمیں اپنے ان صنعتی بھائیوں سے ہمدردی ہے۔ اور ہم ان کی ترقی کیلئے صدق دل سے دعا کرتے ہیں۔

دارالبلاغ میو روڈ لاہور ایک ایسا ادارہ ہے۔ جو اچھے مصنفین کی کتابیں بہترین گیٹ اپ کیساتھ پیش کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں دو کتابیں حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ جتنی باتیں اور دیدہ زیب نظارے اور دونوں ہر لحاظ سے قابل تعریف ہیں مفصل ریویو آئندہ۔

ادارہ

ارمغانِ حجاز

(از عبدالرشید طارق ایم اے)

ارمغانِ حجاز دو حصوں پر مشتمل ہے فارسی کا حصہ زیادہ ہے اور حقیقت میں حجاز کا تحفہ یہی حصہ ہے اردو کا حصہ تھوڑا ہے اور اس کا لطف ضمیمے کا سا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اگرچہ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی وفات کے کچھ اوپر سات ماہ کے بعد شائع ہوئی ہے اس کی تدوین اور ترتیب خود انہی کے ہاتھوں سر انجام پا چکی تھی چونکہ اردو کا حصہ صرف ستر صفحات پر مشتمل ہے اس لیے سب سے پہلے اسی کے متعلق کچھ کہونگا۔

اگرچہ ڈاکٹر صاحب زبان اردو کے ماہر سمجھے جاتے تھے لیکن خضرِ راہ طلوعِ اسلام وغیرہ سے لطف اندوز ہونے والے اس زبان کی ادبی صلاحیتوں اور شاعرانہ دلاویزی سے یکسر بدظن نہیں تھے۔ اور انہیں یقین تھا کہ گیسوئے اردو کی [illegible] اور الجھنوں کا احساس خود بخود ڈاکٹر صاحب کو اس کے سنوارنے اور سلجھانے کے در پے کر دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بانگِ درا کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بالِ جبریل میں زبانِ اردو کی طرف رجوع کیا۔ یہ رجحان ضربِ کلیم میں بھی قائم رہا۔ اور اب ان کی آخری تصنیف میں بھی خاصہ نمایاں ہے۔ بانگِ درا اور بالِ جبریل نے باوجود بعدِ زمانی کے اشتراک دکھایا۔ [illegible] دیتا تھا کہ بالِ جبریل اور ضربِ کلیم میں جو اول الذکر سے صرف ایک ہی سال بعد شائع ہوئی۔ بالِ جبریل کی زبان عموماً بانگِ درا سے زیادہ زوردار زیادہ بلیغ اور رواں ہے۔ اور اس میں تخیل کے ساتھ جذبات کا جو امتزاج ہے۔ وہ بانگِ درا میں کم ملتا ہے۔

اس میں زبان کی عظمت، الفاظ کی دلنشینی اور موزونی فطرت اور محسوسات کی اعلیٰ شاعری اور جذبات کی آتش [illegible] لیے انتہائی عروج پر ہے۔ اور تقریباً ہر شعر شاعر کے خون کا قطرہ ہے۔ ضربِ کلیم میں یہ خصوصیات نسبتاً کم ہو گئی ہیں۔ بلکہ اسکے اثرات خود بالِ جبریل میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ ان کی مینائے غزل میں جو ذرا سی مے آتشیں باقی تھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے حرام کہنے سے انہوں نے اس سے بھی پرہیز اختیار کرنے کی ٹھان لی[1] ضربِ کلیم میں سوز اور درد صرف دو تین نظموں سے جھلکتا ہے۔ اور میرے خیال میں ایک چھوٹا سا قطعہ جسمیں "نگاہ" پر زور دیا گیا ہے۔

بہار و قافلۂ لالہ ہائے صحرائی!
شباب و مستی و ذوقِ سرود و رعنائی
اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی
یہ بحر، یہ فلکِ نیلگوں کی پہنائی
سفرِ عروسِ قمر کا عماری شب میں
طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ مینائی

---

[1] میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ وہ بھی ہے حرام اے ساقی

نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی

اعلیٰ درجے کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے برعکس ارمغانِ حجاز کے حصہ اردو کا دامن ان خوبیوں سے خالی ہے ایک آدھ شعر ہی اس قسم کا مل جائیگا۔ جیسے کہ ؎

ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے

لیکن آپ کو ایسے اشعار کہیں نظر آئیں گے جن پر بانگِ درا کا کچھ حصہ اور بالِ جبریل کا بیشتر حصہ مشتمل پڑا ہے۔*

شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا برگِ نخیل دھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

کتنے مصور اشعار ہیں۔ اسی طرح ساقی نامے کا آغاز، مسجدِ قرطبہ، ذوق و شوق۔ طارق کی دعا اور صفحہ ۱۴۳ ۴۵۔ ۱۴۴ پہ جو نظمیں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جو نسے صفحہ پہ آپ کی نظریں پڑ جائیں۔ صوت۔ احساس اور خیال کا مرقع پیش کرینگی۔

آخر اس فرقِ عظیم کا سبب؟ کیا واقعی ڈاکٹر صاحب کی شاعرانہ قوت پر پیرانہ سالی کے خزاں آفریں اثرات گھر کر رہے تھے (جیسا کہ پچھلے دنوں ایک نکتہ چیں نے ضربِ کلیم پہ تحریری تنقید کرتے ہوئے لکھا) یا کیا بس مضمون خود طرزِ تحریر اور زبان کا انتخاب کر لیتا ہے؟ پیرانہ سالی تو میرے خیال میں محض ایک بہانہ تھا جسکی آڑ میں مخالفین ڈاکٹر صاحب کی ذات اور اُن کے کمال پر کیچڑ اچھالنے کا وطیرہ اختیار سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں ضربِ کلیم اور اس کے ساتھ ہی ارمغان کے حصہ اردو میں وہ پہلا سا جوش خروش۔ آگ۔ جذبہ۔ درد و کرب بظاہر بھڑکتا نظر نہیں آتا مگر اس سے کتاب کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ہمیں شاعر کے ایک دوسرے پہلو سے روشناس کراتی ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس آگ پر ایک ہلکا سا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور خیالات کو سادہ اور غیر جذباتی الفاظ کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ اس کے مضامین کی نوعیت ہی ایسی ہے۔ کہ وہ جذباتی اور آتشیں الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی اس کیلئے جچے تلے اور متین فقرے ہی موزوں ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ کتاب میں صحائفِ امید کے علاوہ لمبی لمبی نظمیں نہیں زندگی کے جمالیاتی نظریے اور فنونِ لطیفہ کی تشریح آپ گرما گرم اشعار میں نہیں کر سکتے اس کے علاوہ ان دو آخری اردو تصانیف کی سب سے نمایاں خصوصیت طعن اور طنز کا عنصر ہے۔ اور اس کے لئے لازمی ہے۔ کہ دل ٹھنڈا اور ادراک تیز ہو۔ کہ وہ اسی صورت میں موثر ہو سکتا ہے۔

ارمغانِ حجاز میں سب سے لمبی نظم ابلیس کی مجلسِ شوریٰ ہے۔ جو تمثیل کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اس انداز کی ابتدا پیامِ مشرق میں ہوئی۔ اور وہاں بھی ابلیس کا پارٹ نمایاں تھا۔ جاوید نامہ بہت زیادہ وسیع پیمانے پر ایک ایسی تمثیل ہے۔ جسکے لئے سب پہنائیاں تنگ ہیں۔ سوائے دل اور دماغ کے۔ اور وہ سوائے وحدتِ اثر (Unity of effect.)

کے زمان و مکان کی وحدتوں سے بیگانہ ہے۔ بالِ جبریل اور ضربِ کلیم بھی تمثیل نگاری سے خالی نہیں۔ اور اگر آپ

* ان نظموں کا حوالہ خصوصاً اسلئے دیا گیا ہے۔ کہ ان کے قوافی اور [illegible] شمار کئے جاتے ہیں۔

خود سے دیکھیں، تو آپ کو مجلس شوریٰ کے ماخذ اس نظم میں نظر آئیں گے۔ جیسے ابلیس اپنے سیاسی فرزندوں کے نام فرمان جاری کرتا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کا سردار اپنے ابلیسی نظام کی پختگی اور مضبوطی پہ نازاں ہے اور دعویٰ جو اس کی بربادی پہ آمادہ ہے چیلنج کر کے کہتا ہے

کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سرنگوں؟

اس کے مشیروں کو اس کی پختہ سامانی اور سرمست قوتوں کا اعتراف ہے مگر اس کے ساتھ ہی مستقبل کے شکوک بھی رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملوکیت کے ابلیسی سسٹم کو اشتراکیت جیسے ذہنی تصورات اور اشتراکیت آئیڈیل نظام کی بدترین دشمن ہے۔ لیکن ابلیس ان کے شبہات ترک کر دیتا ہے۔ ایسے کہ جمہوریت روح سلطانی کا لباس ہے۔ اشتراکیت کی کوئی فرد کسی صورت بھی اس کے نظام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہاں البتہ ایک خطرہ ہے جس کا خیال بھی اسے تلملائے رکھتا ہے۔ یہ خطرہ اسلام کی اور مسلمان کی بیداری خودی میں مضمر ہے اور اس خطرے کے ازالے کی تدبیر اس کے ذہن میں موجود ہے جس پر عمل پیرا ہونے کے احکام وہ اپنے فرزندوں کو دیتا ہے۔

اس تخیل کے دو حصے ہیں۔ ملوکیت اور سلطانی جمہور کی پردہ داری جو عصر حاضر میں سیاسی کاروبار ہے۔ اشتراکیت کی بے بسی اور ان کے مقابلے میں اسلام کی عظمت اور قہرمانی

دیو استبداد کی جمہوری قبا کا راز اور اس پہ آزادی

کی سلم پری کا دعویٰ، سرمایہ و محنت کی آویزش، اسلام کی بے پناہ قوت اور اس کے عالمگیر اصول بالکل پرانی باتیں ہیں۔ پھر ان کے اعادہ کی ضرورت؟ شاعری میں اول تو اس کا اعتراض ہی بجا ہے۔ کیا غزلیہ شاعری میں صدیوں کے پامال اور گھسے پٹے ہوئے مضامین کو از سر نو نہیں باندھا جاتا؟ دوسرے یوں بھی دنیا میں کوئی ایسا نیا خیال ہے جو پہلے بیان نہ ہوا ہو اور پھر شاعر ایک ہی مضمون کو مختلف طریقوں میں ادا کرتا رہا ہے۔ اور کرتا رہیگا۔ ان کو کیوں گوارا کر لیا جاتا ہے؟

اقبال کی شاعری عاشقانہ شاعری نہیں بلکہ اخلاقی اور حکیمانہ شاعری ہے اس کا مقصد اولیٰ محض اظہار احساسات اور جذبات نہیں بلکہ رمز محبت میں درس حریت دینا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ شفیق معلم ضروری نکات کو بار بار اور دہرا دہرا کر ذہن نشین کرتے ہیں مگر یہاں اس مقصد کے علاوہ اعادہ میں ایک دوسرا مقصد کارفرما ہے۔ وہ مقصد جس نے ٹامس ہارڈی کو چاند سے دو باتیں کرنے پہ مجبور کیا۔

"What have you [illegible] at moon,
in your time,
Now long past your pr[illegible]
"Oh, I have looked at, often
looked at sweet sublime
sore things, shudderful night
and noon in my time."
"What have you mused on, moon,
in your day,
so aloof, so far away?"
"O, I have mused on, often mused

۱ ضرب کلیم ص ۱۴۵

on growth, decay,
Nations alive, dead, mad
ashoon in my day"

"Have you much wondered, moon,
Of your rounds
Self wrapt, beyond earth's
bounds?

Yes, I have wondered, often
wondered at the sounds
Reaching me of the human tune
my rounds"

"What do you think of it, moon,
As you go?
Is life [illegible]"

O I think of it, often think of it
As a show
God ought surely to shut up soon,
As I go."

آپ دیکھیں گے کہ یہاں اس نے چاند کی بے تعلقی اور دوری اور اس وجہ سے اس کی [illegible] دور ہے اسلئے اسکی شہادت [illegible] ڈاکٹر صاحب نے زبورِ عجم میں اس سے بھی زیادہ جسارت آمیز قدم اٹھایا ہے۔ وہاں پر وہ خود بخود خدا کے حضور میں دنیا والوں کی کم ہمتی اور زبوں حالی کا نقشہ پیش کرکے التجا کرتا ہے کہ ؎

در قفسِ نیلگوں اور [illegible]
رشتۂ ما نوریاں [illegible]
چشم بیدارم کبود و کور بہ
اے خدا ایں خاکداں بے نور بہ

اس معاملے میں بھی جانبداری یا بے جا عقیدت و محبت کا شائبہ نہیں ہوسکتا۔ چند گویا پڑی بے تکلفیاں [illegible] یہی بات اس تخیل میں موجود ہے۔ چاند کی طرح ابلیس بھی دنیا اور اس کے مکینوں سے دور ہے۔ غیر بھی اور غیر جانبدار ہے۔ تاہم اس کا تعلق دنیا اور دنیا والوں سے [illegible] بہت گہرا ہے بلکہ ایک لحاظ سے اگر دنیا کا باعث اسے کہا جائے تو [illegible] دنیا کے نشیب و فراز دیکھے ہیں [illegible] میں حصہ بھی لیا ہے۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے ؎

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو بتو
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

[illegible] حقیقت کا اظہار اس کی زبان سے ہوگا۔ وہ یقیناً قابلِ قبول ہے حتیٰ کہ یہ وہ ہمیں غور و فکر کے نتیجے وہ نتیجے ہیں اور اس کی شہادت [illegible] ہے

اس تخیل سے [illegible] کی وضاحت ہو گئی ہے۔ پچھلے دنوں یہ خیال بہت تقویت پکڑ گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا رجحان کلی طور پر اشتراکیت کے حق میں ہو گیا ہے۔ اس خیال کو [illegible] زمانہ حاضرہ سے ہوئی۔ وہ شاید درخورِ اعتنا نہ ہوتی تاہم اس میں بھی انہوں نے سرمایہ داری کی مخالفت اور محنت کی اعانت کی تھی۔ ملوکیت کو ڈانٹا اور جمہوریت کو سراہا تھا لیکن اس خیال نے بالِ جبریل کی اس نظم سے تقویت پائی جو فرمانِ خداوندی سے مشہور ہے۔ اس نظم کو ہر اشتراکی اور نیم اشتراکی اخبار اور رسالے نے شائع کیا۔ اور سب نے یہی سمجھا کہ بس اقبال اب احمر کا علمبردار بن

گیا ہے۔ چنانچہ اس تمثیل میں ابلیس کا یوں اعلان کر دیا۔

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو

اگر کوئی "شرارت" صحیح معنوں میں اس کی سطوت، اور اس کے نظام کو پامال کر سکتی ہے تو وہ اشتراکیت نہیں۔ بلکہ تجدیدِ اسلام ہے جس سے ابلیس کی جمعیت نوح کی کا سب نشتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

اس نظم سے دوسرے درجے پر جو نظم سر راس مسعود مرحوم کا مرثیہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے متعدد مرثیے کہے۔ جن سے بعض بہت طویل ہیں لیکن سرِ دست حال میں ان کے اختصار سے اور ڈاکٹر صاحب کے منفرد جذبات و ممات کے لحاظ سے سب سے بہترین ہے۔ جس کی مثال اردو یا فارسی ادبیات میں نہیں۔ انگریزی میں ہی مل سکتی ہے۔ اگر مرثیے کا کمال اشک آوری ہے تو پھر انیس کے مراثی کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ مگر جیسے کہ آپ جانتے ہیں۔ یہ کوئی بڑا کمال نہیں۔ رونے سے سوا اس کے کہ ہمارے جذباتِ یاس و اندوہ کی غیر ضروری زیادتی نکلتی ہے اور کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ اس سے نہ تو ہمیں کوئی سبق ملتا ہے اور نہ ([illegible]) جمالیاتی سرور حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مرثیوں کو پڑھ جائیے۔ کیا کوئی ان کے پڑھ لینے سے غمگین ہو جاتا ہے؟ کیا ہمیں احساسِ غم ہوتا ہے؟ کیا خود شاعر کے دل میں ذاتی نقصان کا احساس شدید تر جزن تھا؟ زیادہ سے زیادہ احساسِ الم و حزن ہو سکتا ہے۔ البتہ "والدہ مرحومہ کی یاد میں" یہ احساس ضرور ذاتی نقصانِ عظیم کا تھا (خیال رہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیگم کی وفات کا اظہار نہیں کیا حالانکہ وہاں اس احساس کی نوعیت بہت شدید تھی) لیکن ان سب میں موت کی تلخی کم ہو گئی ہے اور احساس کی شدت یاد کی نرمی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ شاعر اب فرد اور دوست یا عاشق نہیں رہا۔ بلکہ محض فن کار رہ گیا ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ اس کا غم اب ذاتی نہیں رہا۔ یہ تو اس کے خلوص پر حملہ ہوگا۔ البتہ اب غم کی نوعیت ایسے بے حال نہیں بنا سکتی۔ وہ اب بے غم عشرت جیسے کہ ہم۔ چونکہ وہ فن کار ہے جو ہم نہیں۔ یہ غم اس کے ہاتھ میں ایک قسم کا مصالحہ ہے جس سے وہ کوئی مجسمہ ڈھال دیتا ہے۔ یہ غم جس کا احساس اسے اندر سکون کی حالت میں ہوتا ہے یوں صورت پذیر ہو۔ ہمیں احساسِ غم کی بجائے ایک اعلیٰ قسم کے سکون کا احساس دلاتا ہے۔ ہم اس میں حسن و زیبائی دیکھتے ہیں۔ جو پیدا تو غم سے ہوئی۔ مگر بذات خود غم و اندوہ نہیں۔ اور شاعری کا مآل یہی ہے۔

کیٹس کا کہنا ہے کہ شاعری جو ہمارے دل اور دماغ پر بزور قبضہ کرنا چاہے کوئی شاعری نہیں۔ اصل شاعری وہ ہے جو خود ہمارے ہی جذبات و احساسات کی بازگشت ہو۔ جسے پڑھ کر یا سن کر ہم چلا اٹھیں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اگر شاعر ہم میں اس نوع کا لطیف استعجاب اور نشاط آمیز حیرت پیدا کر سکتا ہے۔ تو وہ بڑا شاعر ہے

مسعود مرحوم کے مرثیے میں بہ حیثیت سب سے بڑھ کر ہے۔ سات سات شعروں کے صرف تین بند ہیں۔ مگر دیکھیے ان کیس اشعار میں شاعر نے کتنی منزلیں طے کر لی ہیں یہاں صرف پہلا اور آخری شعر پڑھتا ہوں اسی سے اندازہ لگا سکیں گے۔

یہ فلک [illegible] یہ آسماں کبود
کسے خبر کہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود

خود آگہاں کہ ازیں خاکداں برون جستند
طلسم مہر و سپہر و ستارہ بشکستند

عالم برزخ میں بھی [illegible] حیات [illegible]
کی وضاحت کی ہے [illegible] میں عالم [illegible]
سے ایک سوال پوچھا گیا ہے جس کا ایک جواب یہ ہے
کس [illegible] تمام [illegible]
[illegible] یہ ارگراں ہے تو کہ میں؟
اور معلوم ہو جاتا ہے کہ عالم برزخ کی آخر نظم میں "زمین" اسی کا جواب دیتی ہے جس کہ ایک مردہ صد سالہ لذت حشر سے محروم قبر کی تاریکیوں کو [illegible] رہا ہے اور یہ جواب کے بعد بھی [illegible] سے بیزار ہیں۔

آہ یہ مرگِ دوام، آہ یہ رزمِ حیات
ختم بھی ہوگی کبھی کشمکشِ کائنات
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارف و عامی تمام بندۂ لات و منات
خوار ہوا کس قدر آدمِ یزداں صفات
قلب و نظر پر گراں ایسے جہاں کا ثبات
کیوں نہیں ہوتی سحر حضرتِ انساں کی رات؟

اس کی لے دھیمی اور نرم ہے۔ مگر جوش اور درد سے
بھرپور ہے۔
محراب گل افغان کے افکار، اور بڈھے بلوچ کی نصیحت ایک ہی سیاق کے ٹکڑے ہیں۔ آزاد کو آزادی کی نصیحت مگر ملا زادہ ضیغم کی سیاق مختلف ہے یہ علامہ شاعر کی غلام لوگوں کو تلقین ہے۔ وہاں آزادی کی حفاظت کا تذکرہ ہے یہاں آزادی کی حسرت اور [illegible] کی خوش نصیبی اور آفاق گیری کی داستان ہے۔ "ابلیس" میں کوہستانی وقار، شکوہ اور جدت کا عکس نمایاں ہے "ابلیس" کی زبان میں درد [illegible] ہے اور اس کے استعارے اور تشبیہات میں عجیب معنویت پنہاں ہے مثلاً

شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
صور کا غوغا حلال، حشر کی لذت حرام

یا

ہمارے [illegible]
[illegible] سوچتا ہے دل [illegible]

ضمیرِ مغرب ہے تاجرانہ، ضمیرِ مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ

غرض حصہ اردو اختلاف کے ساتھ انہی باتوں کا درس دیتا ہے۔ جس کو ایک غلام قوم اور خصوصاً غلام مسلمانوں کو ضرورت ہے اور اس کا انجام بھی اسی تڑپ میں ہوتا ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب کی زندگی کی نمایاں خصوصیت رہی یعنی حقیقت اشیا کے کنہ تک پہنچنے کی تڑپ اور انسانی شرف و نجات کا یقین جو اس آخری شعر سے عیاں ہے

اگر مقصودِ کل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے؟
مرے ہنگامہ ہائے نو بہ نو کی انتہا کیا ہے؟

ارمغان کا حصہ فارسی عشق و مستی کی دنیا میں ایک بالکل نایاب چیز ہے۔ اور اصل میں اسی حصے کا نام ا۔

در مغانِ حجاز ہے۔ جیسا کہ میں ابتدا میں کہہ چکا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ حرمین کی زیارت نصیب ہو۔ بطحا، یثرب، حجاز کے الفاظ ہر وقت اُن کی زبان پر رہتے تھے۔ مدینہ و نجف کی خاک فروغ سیما سے مسعود ان کی آنکھ کا سرمہ تھی۔ ریگِ حجاز میں موت زندگی کی سُرخروئی کا عنوان تھی۔ یہ تڑپ آخر ایام میں ناقابل برداشت ہو گئی جب میں انہیں گذشتہ نومبر ۱۹۳۷ء میں ملا۔ تو فرمانے لگے اب سے حج کا پختہ ارادہ ہے کسی دوست [illegible] آرام [illegible] چنانچہ سفر کی تیاری شروع تھی [illegible] جیسے کہ چودھری محمد حسین صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا [illegible] سے اس بارے میں خط و کتابت بھی ہو رہی تھی جس طرح حج کی تکمیل کی تکمیل آنے والے [illegible] کی تیاریاں کرتا ہے۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] دلچسپیاں [illegible] سیر و تفریح [illegible] دلکش تصورات سے خیال کی [illegible] لیتا ہے اسی طرح ایک حساس [illegible]

([illegible]) عاشق [illegible] وصال [illegible] سے قبل [illegible] ہمکناری سے لطف اندوز ہوتا ہے مگر بعض وقات [illegible] خیالی ہمکناری حسیات [illegible] میں [illegible] ہوتی ہے۔ کہ حقیقت [illegible] بلکہ حقیقت کی جگہ لے لیتا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عاشق [illegible] گو [illegible] خیالی ہمکناری کی تلاطم انگیزی [illegible] ہی میں بے قرار رہتا ہے۔ [illegible] وصال مر جاتی ہے۔

رسول پاک صلعم سے ڈاکٹر صاحب کا عشق کوئی مخفی چیز نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

اے مقام و منزل ہر راہرو ‏ جذب تو اندر دل ہر رہرو
گرد تو گردد حریم کائنات ‏ از تو خواہم یک نگاہ التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی ‏ کشتی و دریا و طوفانم توئی

"پس چہ باید کرد"

اس لئے اُن کی خواہش وصال کی بے تابی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے [illegible] اگرچہ [illegible] نہیں تھا۔ اور سفر کی تیاری بھی شروع تھی، مگر عشق نا صبوری ہزار رسنگ است۔ اس ناصبوری کی حالت میں اُنہوں نے والہانہ طور پر خیال و شعر کے [illegible] سے حجاز کا سفر شروع کیا۔ اور دیار حبیب میں پہنچ گئے اگرچہ جسمانی طور پر وہ اس سعادت عظمٰی سے محروم رہے [illegible] روح نے اپنا سفر ختم کیا اور [illegible] تمام دنیاوی [illegible] اور بالآخر [illegible] جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا۔

لیکن اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یہ "مجبوری" بھی ڈاکٹر صاحب کی [illegible] اور اعتقاد [illegible] سے [illegible] ہیں

[illegible] ‏ [illegible]
[illegible] ‏ [illegible]

"جاوید نامہ"

گرمیٔ آرزو فراق ‏ شورش ہائے و ہو فراق
موج کی جستجو فراق ‏ قطرہ کی آبرو فراق

"بال جبریل"

اس لئے ضروری ہے کہ عشق کی پائندگی اور زندگی [illegible] خلش اور تڑپ کیلئے وہ اس موت سے بچ جائیں۔ جسکا دوسرا نام وصال ہے۔

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو ہجر میں لذت طلب

"بال جبریل"

؎ [illegible] کی کتاب موسومہ [illegible] میں اس حقیقت افسانوی رنگ میں دکھایا گیا ہے۔

یہ مسئلہ کوئی افلاطونی نہیں۔ نہ ہی مایوس کن بلکہ ہمت افزا فلسفہ عاشق کا نظریہ ہے جسکی کوتاہ دستی عبارت ہے آزادی محرومی ہے۔ اور جس کی نگاہ کی رسائی محمل تک ہے جو شاعر صاحب کی خود نگہداری اور انفرادیت کی وصال میں بھی انہوں نے آنکھ اٹھا کر جلوہ دوست دیکھا۔ در حقیقت میں لوگوں کیلئے خود نما بن گئے۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ اپنی لذت طلب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ بہر حال روحانی اور خیالی سفر کی بدولت انکی دیوان خواہش پوری ہوگئی میں قرب حبیب اور طلب و فراق کی مسلسل حالت۔

اب اس سفر نامے کی رسید پر غور کیجیے حضورِ حق حضورِ رسالت حضورِ ملت حضورِ عالم انسانی اور یاراں طریق

زائرین حرمین کعبۃ اللہ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینۃ النبی کی زیارت کیلئے روانہ ہوتے ہیں وہاں سے سعادت اندوز ہو کر اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں شاعر کی راہ سفر حضورِ حق اور حضورِ رسالت میں شکایتوں، معاملوں اور التجاؤں کے بعد وہاں سے تحائف لے کر ملت کے حضور جاتے ہیں جو کہ امت کے حضور جاتے ہیں ... دستور کی مصداق ہے۔ اس لئے تمام عالم انسانی پر اپنے افکار کی بارش کرتے ہیں۔ اور وہ پیامات دیتے ہیں جو بارگاہ ایزدی اور نبوت سے انہیں ملے ہیں اور پھر یاراں طریق سے کہتے ہیں کہ آؤ میرے درد دل سے ... دنیا کو زندگی بخشو

بیا تا کار این امت بسازیم ... قمار زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر ... کہ دل در سینۂ ملا گدازیم

زجانم نعرۂ اللہ ھو ریخت ... چو گرد از رخت ہستی چار سو ریخت

مگر از دست من ساز کہ نالید ... ز سوز خود چون انگم فرو ریخت

حضورِ حق میں شاعر کا انداز تخاطب زیادہ تر شوخیانہ (......) صاف ستھرا اور الزام تراشی (Accommodation) جو رنگ حرم اور بال جبریل میں عام ہے۔ اور دوسری تصانیف میں بھی دکھائی دیتی ہے یہاں کم ہے البتہ یہاں میں ملامت، متانت اور حضورِ حق کا شعور پیدا ہوتا ہے رمز و کنایہ ایک دو مقام پر زیادہ تیز اور نوکدار ہے مثلاً

مرا گوئی کہ از شیطاں حذر کن
بگو با من کہ او پروردۂ کیست
مریدے ... نیست
اور
کہ بردن را حال ما حرمست
... تراشیدۂ ...
ولیکن از ... نیست

تاہم اگر غور سے دیکھا جائے تو سرگرانی در صلح جوئی کی آمیزش عام طور پر پھر آتی ہے اور جہاں کہیں خدا کے حضور راہ راست تلخ نوائی کا موقعہ یا امکان پیدا ہوتا ہے۔ وہ لفظ ہتھیار پھینک کر الگ ہو جاتے ہیں ورنہ کام دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں یا جگہ دیتے ہیں۔

شب ... آرا ... ستم ... ہیں
جو ... گردش جو دکا ستم ہیں
حکایت از معامل ہائے ... نیست
ولیکن از ... ستم ہیں

ط ... جہاں ... گو ... مداری ۔
آت ... تصہ، ساحی ۔
مال ۔ جداوند صدائی ... میرے سینے میں باقی نہیں ہے، ۔
باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا ہوں۔ دوالِ آرام جاں کی یہاں ... میرا
پیام ہے، محاورہ میں خدا اور انسان ۔
بانگ درا شکوہ ۔ سیاسی شرط ... ستم ...

اور ساتھ ہی اس کی رضاجوئی غلامی اور بندگی کا اقرار کرتے ہیں۔ البتہ اس اطاعت کیشی اور بندگی کے عوض اپنی شخصیت کو مسخ کرنے سے انکاری ہیں۔ اپنی انفرادیت کو خدا کی رضا کیلئے بھی ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے۔ اور صاف کہہ دیتے ہیں:-

ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی
خرے را اسپ تازی کرد، نگوئم

خدا سے اپنے لئے بہت سی دعائیں مانگی ہیں۔ ایک یہ کہ میری شرابِ نغمہ کو تنک جام اور خام کار لوگوں سے بچائے رکھ۔ تاکہ یہ آتش ہر خاشاک کو نہیں جلا کر نہ رکھ دے۔ دوسرے یہ کہ مجھے جاوداں بنا دے۔ اور میری شام کے چہرے کو جاوید کی صبح سے آراستہ کر دے۔ تیسری دعا میں بحید خشوع اور بے حد زاری پائی جاتی ہے۔ میں اسی کے الفاظ پڑھتا ہوں۔

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ[2] مارا
حسابِ من ز چشمِ او نہاں گیر

اس دعاؤں کے علاوہ امت اور اس کے فقیہوں کی کم سوادی اور بے یقینی کا رونا رویا ہے۔ مسلمان خصوصاً ہندی مسلمان کی محکومی اور خود فروشی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ اور التجا کی ہے۔ کہ ان کے شب و روز کو بدل دے۔ اور ان میں ایک ایسی ذات پیدا کر دے جس کی تسکین صرف ایک ہی جہان سے نہ ہو جائے۔ بلکہ دونوں جہانوں کو اپنے کندھوں پہ اٹھا لے۔ جس امت کی شان یہ ہو:-

دگر قومے کہ ذکرِ لا الٰہ ست
برآرد از دلِ شب صبح گاہست
شناسد منزلش را آفتابے

کہ ریگِ کہکشاں روبد ز راہش

خدا کی بارگاہ سے وہ جلدی ہی، بلکہ زبردستی، بھاگ نکلتے ہیں۔ یہاں تو وہ محض رسمی طور پر آئے تھے وہ بھی اس لیے کہ رسول[1] کا حکم تھا۔ وگرنہ ان کا مقصود مقصودِ حقیقی تو وہ بارگاہ اور ادب گاہ ہے جو عرش سے بھی نازک تر ہے اور جہاں جنید اور بایزید بھی ہوش گم کر کے آتے ہیں۔ چنانچہ اقبال بھی خدا کو یہ کہہ کر نکل جاتے ہیں:-

تو اینجا باش و با خاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

حضور رسالت[م] میں گفتگو کے انداز میں بڑی نمایاں اور محسوس تبدیلی آگئی ہے۔ حضور حق میں اگر رمز، طنز اور کنایہ ہے۔ تو اس میں سے ہر چیز یہاں ناپید ہے۔ ادب ضرور ہے مگر رسمی ادب نہیں۔ بلکہ وہ ادب جو محبت کے قرینوں میں پہلا قرینہ ہے۔ ادب جو انتہائی عشق اور فریفتگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جس سے عاشق حریمِ دوست میں دم بخود کھڑا رہتا ہے۔ اور جب منہ کھولتا ہے۔ تو اپنی بے بسی کے اظہار کیلئے اور نگاہِ التفات کی تمنا لے کر۔ وہ ذوق و شوق، وہ جذب و مستی، وہ سوز اور درد جو حضور رسالت کے ہر لفظ سے پیدا ہے حضورِ حق میں مفقود ہے۔ اس آتش و گرمی[2] کا اس خطے میں گذر نہیں۔ اقبال نے خدا کو کہیں بھی[1] ان الفاظ یا اس انداز

ص[2] سوائے ایک مقام پہ۔ جاوید نامہ میں شاید مناجات کے دوران میں فرمایا ہے جلوہ داری دریغ از من مدار۔
از ریاں یک شعاعِ آفتاب ۔ کم نمی گردد متاعِ آفتاب
مگر یہاں بھی سوز نہیں، صرف التجا ہے۔
جہانِ شوق را پروردگار است

ط[1] دراں دنیا کہ او را ساحلے نیست — دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست
تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم — وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست
ارمغان ص۱۲

میں مخاطب نہیں جنھیں انہوں نے حضور رسالتمآب کو
کہا ہے مثلاً:-

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

(بال جبریل)

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی — کشتی و دریا و طوفانم توئی
آہوئے زار و زبون و ناتوان — کس بفتراکم نہ بست اے شہسوار
اے پناہ من حریم کوئے تو — من بامیدے رمیدم سوئے تو
اے وجود تو جہان را نو بہار
پرتو خود را دریغ از من مدار

([illegible] ۶۵)

ان کے دل کی کیفیت آغاز شعر سے ہی ظاہر ہے اور
ذہنی حالت پہلے ہی قطعے سے واضح ہو جاتی ہے جبکہ
پیش آہنگ منزل سے آگے نکل جاتا ہے۔ اور وہ چلا کے
کارواں وہیں رکو اگر پیچھے گاڑ دیتے ہیں اور ساتھ خرد کی
بجائے زمام کا دل کے ہاتھ دیتے ہیں اس دل کی بات
کہتے ہیں۔ کہ میں سے ٹھہر اور گلشن میں لے گیا سکی خیاباں
کی آب و ہوا سے راس نہ آئی اور یہ لالہ صحرا مست افسردہ
ہو گیا۔ مگر جب اسے صحرا میں لے کے پہنچا تو وہاں اور بھی
افسردہ ہو گیا ندی کا کنارہ بھی اسے پسند نہ آیا دریا کا
کوئی گوشہ اسے نہ بھایا مگر ایک مقام تھا۔ جہاں اس کی بیتابی
کا علاج تھا جہاں اسے صبر و قرار اور سکون میسر ہو سکتا
تھا۔ اور یہ مقام خود اسی کا نشیمن تھا۔ جہاں آخر کار میں
اس بڑھاپے میں اسے لے گیا:-

بایں پیری رہ یثرب گرفتم — نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام — کشاید پر بہ فکر آشیانہ

اس کے بعد کے بند اس سرور اور خوشی اور سرمستی
کو بڑی کامیابی سے واضح کرتے ہیں۔ جو اس سفر سے
ان کو حاصل ہوئی۔

اس کافر ہندی* کا ذوق و شوق زیارت دیکھنے کے
قابل ہے۔ اس کے سر پہ ہی نہیں۔ بلکہ اس کے دل میں بھی
صلوٰۃ و درود کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سرمستی اور سرخوشی
کے عالم میں انہیں ہر کوئی سرکار دوعالم کے عشق میں خود چور
نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ ناقہ بھی انہی کی طرح مسلم دل میں
[illegible] اس کی موج نگاہ سے [illegible] ہی
[illegible] جو ان کا [illegible] ان کی
[illegible] جو دل [illegible] کیلئے جذبات اور خیال کی ہے
[illegible] سمجھتے ہیں [illegible] کرتے ہیں۔

[illegible] آہنگ عرب
[illegible]
[illegible]
[illegible] قافلہ [illegible]

[illegible] ناقہ اور صحرا کی طرف سے یہاں ہیں راہی کو اپنی خستگی اور
بیماری، ناتوانی و پیری کا احساس ستاتا ہے۔ اونٹنی کی
بے ڈھنگی اور ہچکولے کھاتی ہوئی چال تو تندرست سے تندرست
انسان کی جان [illegible] کو خطرے میں ڈال سکتی
ہے۔ لہذا انہیں اس سے درخواست کرتے ہیں کہ خرام میں
نرمی پیدا کرے۔

سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو — کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است

اور پھر۔

قدم مستانہ زد چندان کہ گوئی — بپایش ریگ این صحرا حریر است

زندگی مستعار کا بھروسہ نہیں کیا معلوم اس کا
سلسلہ کس لحظہ ٹوٹ جائے۔ اور حریم دوست تک رسائی
نہ ہو سکے وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگتے ہیں۔ کہ کبھی

---

* کافر ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق
لب پہ صلوٰۃ و درود، دل میں صلوٰۃ و درود
(بال جبریل)

طرح منزل پہ سلامت پہنچ جائیں :-

رہے پیچ و تاب خستہ دار   چراغش مردہ و تب در بیان است

لیکن اس غم پنہاں کی موجودگی میں ایک اور تڑپ بھی قلب کے اندر کام کر رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وصال جلد از جلد ہو۔ اور ان کی جلوس و ان کی یکسر ختم ہو جائے۔ اس لئے وہ اپنے غم کو نشاط آمیز بنانا چاہتے ہیں۔ اور یوں [illegible] فرماتے ہیں :

غم را بہ نشاط [illegible]   [illegible] عاش [illegible]

[illegible]   [illegible]

یہاں تک کہ جدائی بالکل نہیں رہتی۔ وہ حضور رسالت میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور حضور آئمہ رحمت میں اپنا دل نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ اور جراحت ہائے پنہانی کیلئے [illegible] طلب کرتے ہیں۔ [illegible] مسلمان کی بیماری [illegible] ہیں۔ اس امت کی بے نامی۔ بے نظامی اور حرت [illegible] کی کج خرامی کا افسوس۔ بڑے درد سے [illegible] کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ یہ قوم [illegible] جہاد کے ولولے سے بالکل تہی دامن ہے۔ اسے موت کا خوف ہر دم بے چین کئے دیتا ہے۔ اس کی آرزو میں [illegible] ہیں۔ وہ باہم دست گریباں رہتی ہے [illegible] سے [illegible] ذوق سے خالی، [illegible] ہے۔ مگر نگلے ہوئے نوالوں [illegible] کیلئے [illegible] کو خاکبازی کا درس دیا جاتا ہے اس قوم کے شاعروں کی نوا بے جی سے [illegible] میں نے ان کی اصلاح و درستی کی کوشش کی۔ انہیں سمجھایا [illegible] گرے سود، میں چاہتا ہوں۔ کہ یہاں آپ انہیں کے الفاظ سنیں :-

بآں رازے کہ گفتم پے نبردند
ز شاخ نخل من خرما نخوردند
من اے میر امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

نہ شعر است ایں کہ بر وے دل نہادم
گرہ از رشتۂ معنی کشادم
بامیدے کہ اکسیرے زند عشق
مس ایں مفلساں را تاب دادم

تو گفتی از حیات جاوداں گوے
بگوش مردہ پیغام جاں گوے
ولے گویند ایں ناحق شناساں
کہ تاریخ وفات ایں و آں گوے

یہ ظالم میری جو نعت [illegible] کو خوش الحانی سے تعبیر کر کے اس سے حظ اٹھاتے رہے۔ اور یہ نہ سوچا۔ کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اب [illegible] کہو۔ میں کدھر جاؤں۔ میرے سوا میرا کوئی ہم درد و غمگسار نہیں۔ سوا اپنا افسانہ غم اور کس سے کہوں۔ کیونکہ [illegible] سینے میں لغز ترے اور کوئی نہیں اگرچہ میں نے اسی قوم کو رمز حیات سے آگاہ کیا۔ اور اس پر فرداد کی کار [illegible] کیا وہ نہ سمجھی [illegible] اس لئے :-

[illegible] ساماں [illegible]   [illegible] ایں عجمی را

دور [illegible] کا مسلمان بے سرو ساماں تو ہے۔ لیکن ضمیر او ضمیر بادشاہے است۔ اور اس میں بادشاہی کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر حضور اسے اس کا مقام دوبارہ بخش دیں۔

اس کے بعد اپنی تنہائی اور خلوت گزینی کا حال بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ میں فرنگی بتکدے میں کھو گیا۔ اور وہاں سے اگر کچھ حاصل کیا۔ تو درد سر کے سوا اور کچھ نہ تھا صوفی اور ملا کی محفل بھی مجھے سخت ناپسند تھی۔ اور

میں ہمیشہ ان سے دُور رہتا تھا گویا مشرق اور مغرب ہر جگہ میں اجنبی ہی رہا۔ اور مجھے کوئی یارِ محرم نصیب نہ ہوا۔ البتہ احساسِ غربت کو فریب دینے کیلئے اپنا غم اپنے دل ہی سے بیان کیا کرتا۔ میں اگرچہ ختم ہو گیا ہوں۔ لیکن میرے سینے میں آہِ سحر کی آگ ابھی تک باقی ہے۔ اور میرا [illegible] باوجود پیری کے ابھی تک وہ جوان ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس بے اخلاص اور بے سوز عصر میں یہ آگ رکھنے کا کیا راز ہے؟ [illegible] علمِ حاضر کا سحر لوٹا ہے۔ اور [illegible] یہ سب تیرے ہی [illegible] میں نگاہ پیدا کی اور [illegible] سے مسرور کیا۔ [illegible] قوم کے شعور کی [illegible] اس میں زندگی کی [illegible] کر اور [illegible]

بدہ اورا جوانِ پاکبازے   سرورش از شرابِ خانہ سازے
قوی بازوئے او مانندِ حیدر   دل او از دو گیتی بے نیازے

ص۲

اس کے بعد پھر گریز کر کے چند [illegible] اپنی کیفیات بیان کر کے یہ التجا کرتے ہیں:

ہمیں یک آرزو دارم کہ جاوید   ز عشقِ تو بگیرد رنگ و بوئے

اپنے لئے [illegible] مسلمان بچوں کیلئے دستِ بدعا ہیں۔

بدہ دستے ز پا افتادگاں را   [illegible] دلِ دادگاں را
ازاں آتش کہ جانِ من برفروخت   نصیبے دہ مسلماں زادگاں را

حضورِ رسالت کے آخر میں سلطان عبدالعزیز کو جو حجاز کے فرمانروا ہونے کی حیثیت سے حرمین کا محافظ ہے خطاب کر کے فرنگی صنم کی آئینہ رُوئی اور مکاری سے بچنے کی تلقین کی۔ فرمایا ہے:

ترا اندر بیابانے مقام است   کہ شامش چوں سحر آئینہ فام است
بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر   طنابِ دیگراں بستن حرام است

اس تمام تفصیل سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ اگرچہ ظاہری ہیئت میں ارمغانِ حجاز "حجاز کے تحفے" قطعات پر مشتمل ہے۔ جو جُدا جُدا دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ سب ایک ہی رشتے میں منسلک تسبیح کے دانوں کی طرح ہیں۔ یہی تسلسل حضورِ ملت اور حضورِ عالمِ انسانی میں بھی موجود ہے۔

[illegible] "انا الحق" کا [illegible] اقبال کے نزدیک اس نعرے میں کوئی بُری بات نہیں۔ البتہ [illegible] فرد کیلئے موت ہے لیکن قوم کیلئے حیات:

انا الحق جز مقامِ کبریا نیست   سزائے او چلیپا ہست یا نیست؟
اگر فردے بگوید سرزنش بہ   اگر قومے بگوید ناروا نیست

"انا الحق" کے الفاظ کے ساتھ ہی پڑھنے والے کی توجہ کئی صدیاں پیچھے ہٹ کر دورِ سلاطین کے اس زمانے پر جا پہنچتی ہے جب کہ منصور حلاج کو اس نعرہ کی پاداش میں سرِ دار لٹکا دیا گیا تھا دل میں ایک شبہ سا پیدا ہوتا ہے کہ جس جرم کی پاداش میں ایک فرد کو ایسی شدید سزا ملی۔ ڈاکٹر صاحب اسے ایک قوم کیلئے بُرا نہیں بلکہ اچھا سمجھتے ہیں۔ مگر یہ شبہ عموماً اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ منصور کے ہمعصر ملاؤں اور فقیہوں کی طرح ہماری نظریں بھی تنگ ہیں۔ اور ہم "حق" کے صحیح مفہوم اور اس کی معنوی

وسعت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور "حق" کو عین ذات خداوندی تسلیم کر لیتے ہیں۔ جو کہ سراسر زیادتی ہے۔ اس علاج کو اس تنگ نظری اور مذہبی Convention کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ قرآن پاک میں "حق" کا لفظ کئی جگہ مستعمل ہے۔ اور ان سے مراد کسی صفت سے ہو یا اور غیرہ کی ہو۔ خدا کی صفت حق کا موت سے متصف ہو [illegible] کا ساتھ ہے۔ [illegible] قوم کی سدق [illegible] قرآن کو حق [illegible] صفات موجود ہیں ظاہر ہے [illegible] ہے کہ [illegible] ماسے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] صفات موجود ہیں۔ اس سے ولی [illegible] "انا الحق" کا دعویٰ [illegible] اور اگر وہ ایسا دعویٰ کرے تو اسے سزا اس لیے [illegible] جائے گی کہ ایسے دعوے سے عوام میں غلط فہمی پھیلنے کا احتمال ہے۔ [illegible] غلط فہمی جس کا نتیجہ فساد اور [illegible] ہے کہ [illegible] کا اندیشہ ہے۔ اس کے برعکس [illegible] قوم [illegible] کسی ہی بد عقیدہ کیوں نہ ہو [illegible] کا روشن [illegible] عکس بھی [illegible] خدا کے [illegible] "حق" تو وہی ہے جسے وہ خود پسند کرے [illegible] وہی قوم اپنے لیے "حق" کا لفظ استعمال کر سکتی ہے۔ جو خدا کے نزدیک محبوب ہو۔ یہ قوم اسلام ہی ہو سکتی ہے جو آج زمین و آسمان کی وسعتوں میں [illegible] کو بھی گرفتار کر لیتی ہے بلکہ مرکز پہ ہمیشہ نگاہ رکھتی ہے۔ اور یہی ہو [illegible]

کہ اس کا آغاز اور اس کا عروج کس تصور سے وابستہ ہے۔ چنانچہ جس قوم کیلئے نعرہ "انا الحق" سازگار ہے۔ اسکی تعریف انہوں نے یوں کی ہے۔ کہ ایک تو اس پر خواب و خستگی حرام ہے۔ اور دوسرے وہ خلاق ہے۔ اور یہی دونوں صفتیں اس کی پائیداری اور ابدی بقا کا راز ہے:۔

میان امتاں والا مقام است
کہ آں امت دوگیتی را امام است
نیاساید ز کار آفریدن
کہ خواب و خستگی بر وے حرام است

[illegible]
خوشش آں امتے کز جان و تن است
کہ تشریح "انا الحق" ہمت او
بے ہر گل کہ میکوید دلیل است

[illegible] کی اس معنوی وسعت کو مزید واضح کرنے کیلئے اور یہ بتانے کیلئے کہ "انا الحق" کہنے سے مراد ذات خداوندی کی ہمسری یا خود خدا بن جانے کی خواہش نہیں [illegible] کو اخیر میں اس بات پر [illegible] کہ اگر نعرہ انا الحق سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہو۔ تو دل کو [illegible] یاد سے غافل نہ ہونے دو۔ کیونکہ وہی بہترین [illegible] ہے:۔

اگر خواہی مراد ساز منصورؒ
[illegible] دل لا الٰہ الا اللہ فرو ریز

اقبال امت کو اس [illegible] پر لانا چاہتے ہیں۔ اسے ایک تندرست اور [illegible] قوم دیکھنے کے متمنی ہیں چنانچہ [illegible] حکیم کی طرح اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی امراض بتاتے ہیں۔ [illegible] علاج بتاتے جاتے ہیں۔ ان کی نظر ہر طرف ہے۔ ایک مقام پر [illegible] دام میں اسیر پاکر اسے تلقین کرتے ہیں [illegible] سے [illegible] کا طالب ہو۔ کیونکہ نہیں [illegible] کی [illegible]

جاء الحق وزہق الباطل۔ الساعۃ حق"

نا ممکن ہے۔ وہ ماہی کے پاس وہ آتش ہے۔ جو قلب مسلم کو مل سکتی ہے۔ دوسری جگہ وہ دیکھتے ہیں۔ کہ وہ نئی نئی آزادی حاصل کر کے وہ اپنے نوجوان شاہ کو خلافت کی گدی پر متمکن کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان الفاظ میں درس دیتے ہیں

خسروی فقر و تاج و سریر است · تجھے دولت کہ پایاں ناپدید است

جوان بختا مدہ از دست این فقر · کہ بے او پادشاہی زود میراست

ایک دوسرے مقام پہ خلافت و ملوکیت میں فرق بیان کرتے ہیں :۔

خلافت بر مقام ما گواہی است · حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است

ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ · خلافت حفظ ناموس الٰہی است

تیسری جگہ ادبی اور دماغی نعش کی ہلاکت سے ڈری سے قوم کے شعرا و ادبا اور اس طرح تمام فن کاروں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ کہ اس چیز سے کو [illegible] طرح قرآن سے نور حاصل کر کے قوم کی طویل اور تاریک رات کو صبح میں تبدیل کر دو۔ شاعر عرب کو خصوصیت سے مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے :۔

نگہدار آنچہ در آب و گل ست · سرور و سوز و مستی حاصل ست

نہی دیدم سبوئے این آں را · مے باقی نہ مینائے دل ست

ساتھ ہی فرزند صحرا کو تسلیم و رضا خو کرنے کی نصیحت کی ہے۔ اور ترک عثمانی کو افرنگی سیاست کی دلفریبی سے آگاہ کیا ہے۔ اور تہذیب مغرب کی کورانہ تقلید کے زہریلے نتائج آشکار کئے ہیں۔ اس سلسلے میں دختران ملت کو سختی سے خطاب کیا ہے۔ اور زیادہ زور اس بات پر دیا ہے۔ کہ وہ لعبتان فرنگ کی طرح نمائش حسن و جمال کے دلدادہ نہ ہوں۔ بلکہ اس بد آموز بے نور اور بے سود عصر سے بالکل الگ رہ کر تعمیر ملت کیلئے کوشاں ہوں۔

اگر پندے ز درویشے پذیری · ہزار امت بمیرد تو نہ میری

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر · کہ در آغوش شبیرے بگیری

یہ بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ دوسرے مذاہب کے پیرو خصوصاً ہندوستان میں براہمن لوگ، کس طرح مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرتے ہیں۔ سادہ لوح مسلمان اُن کے فریب میں آکر مذہب سے بیگانہ ہوتے چلے جاتے ہیں درآں حالیکہ وہ خود اپنے مذہب پر زیادہ سختی سے کاربند ہو جاتے ہیں۔ مسلمان جس نوع کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ وہ بھی ہمیں خواہ مخواہ ذہنیں بنا سکتی۔ اور ادب تو اُن کو چھو تک نہیں جاتا۔ اسی تعلیم ساری قوم کی روح کو مصلوب کر دیتی ہے۔

اقبال جس تعلیم کے حامی ہیں۔ وہ یہ ہے :۔

بلوح دل دیں و دانش آموز · کہ تا ماند چوں مہ و انجم گیتی

مدرست لو اگر داری نہ بسر را · بدریا ست آید ست بیستی

بہر اس لئے کہ اسمیں زندگی پنہاں ہے۔ اور تلاش و تڑپ جدوجہد، طلب اور طپش کا ایک بہانہ ہے اور یہی زندگی کا مقصد ہے۔

حضور عالم انسانی میں کم و بیش یہی چیزیں ہیں۔ جنکی تلقین کی گئی۔ خود یقینی اور جمیں وطن سے پرہیز، آرزو اور جدوجہد، آدمیت کا احترام اور دل سے کینہ و نفرت کا اخراج اور گلۂ تقدیر سے اجتناب، دل کی دنیا کو سمجھنے کی سعی اور خودی کی پرورش۔ جبر و اختیار کے تضاد کو بڑی خوش اسلوبی سے واضح کیا ہے ۔

بہ رد ما گفت ما من الہٰ بسیر · کہ دارم نکتۂ [illegible]

کند ہر قوم پیدا مرگ خود را · ترا تقدیر و ما را گشت تدبیر

اور موت کی ارزانی اور خواری کا یہ عالم ہے۔ کہ خود موت کو خدا سے شکایت کرنا پڑی کہ میر شش جہات ہو کر انسان ناموس حیات سے نامحرم ہے۔ اور بڑی جلدی سے اپنی موت قبول کر لیتا ہے۔ اس کی کم ہمتی اور قابل رحم کمزوری کو دیکھ کر ابلیس نے سپر پھینک دی لڑنے سے انکار کر دیا۔ اور خدا سے کہا :۔

بندۂ صاحب نظر باید مرا · یک حریف پختہ تر باید مرا

(جاوید نامہ ۱۹۰)

غزل

میرے لئے جہان میں کوئی دلکشی نہیں
اب غم کا غم نہیں ہے خوشی کی خوشی نہیں

تیرے فراق میں مری دنیا سیاہ ہے
گو چاند جلوہ گر ہے، مگر چاندنی نہیں

اے دل نہ بیقرار ہو لے کام ضبط سے
نادان عشق ہے یہ کوئی دل لگی نہیں

جس روشنی کی میری نظر کو تلاش ہے
دنیائے مہر و ماہ میں وہ روشنی نہیں

زاہد تری طرح اسے زاہد تری طرح
آلودۂ فریب مری بندگی نہیں

میخانۂ نگاہ سے اک جام ساقیا
مرہونِ جام و شیشہ مری میکشی نہیں

اہلِ جہاں سے واسطہ کس طرح ہے مجھے
جب اپنی جان تک مری دوستی نہیں

حالِ دلِ تباہِ محبت نہ پوچھئے
کیا اس کی ترجماں مری خامشی نہیں

جو آشنائے دردِ محبت نہیں طفلؔ
سچ پوچھئے تو اس کی کوئی زندگی نہیں

کہ جس کے ساتھ لڑنے میں کچھ مزا تو آئے مگر وہ ایسے حریف کی انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے اور ابلیس جاکی جو خود اپنے حریفوں کی طرح زبون حال اور گھٹیا درجے کا ہے۔ اس کے کام کو سرانجام دے رہا ہے۔ اقبال اور ہر مرد تمام اس بات میں اپنی تحقیر سمجھتے ہیں۔ کہ ایسے دوں نہاد ابلیس کے ساتھ جنگ آزمائی کی جائے۔ اس سے وہ ابلیس باری کو جو والا مقام ہے اور جو صید لاغر اپنے لئے حرام سمجھتا ہے۔ لڑائی کی دعوت دیتے ہیں۔

بیا با مرد راہ ہا بہ ما زنیم
جہاں چار سو را درگذاریم
با افسونِ سرا بہ برگ کاہ بخش
ببینے ایں سوئے گردوں کساریم

نقط

مـ ابلیسان را ہماں طعمں خوشتر
کہ تردان دیدہ و کامل عیارست

تازہ کلام

آنکھ اُن کو دیکھتی ہے نظارا کئے بغیر
پردے میں چھپ گئے ہیں وہ پردا کئے بغیر

چین آئیگا نہ حُسن سے شکوا کئے بغیر
یہ حشر اب نہ چھوڑینگے برپا کئے بغیر

ہر چند دردِ عشق کا درماں نہیں مگر
بنتی نہیں ہے فکرِ مداوا کئے بغیر

جاتے ہیں دل میں چھوڑ کے وہ جلوۂ خیال
بجھتی ہے شمع، گھر میں اندھیرا کئے بغیر

زاہد سے پوچھئے غمِ دنیا کی عظمتیں
عقبیٰ نہ مل سکی غمِ دنیا کئے بغیر

ہم کو بھی دیکھنا ہے کہ یہ منکرینِ عشق
کب تک رہینگے تیری تمنا کئے بغیر

اکثر تو دل گرفتگیٔ شوق کی قسم
مجھ تک وہ آ گئے ہیں ارادہ کئے بغیر

اتنی فزوں تو ہو خلشِ دردِ دل کہ ہم
مر بھی سکیں نہ یادِ مسیحا کئے بغیر

اللہ رے جذبۂ بے اختیار کی
اک سمت جا رہا ہوں ارادہ کئے بغیر

شعر و ادب کی راہ میں ہوں گامزن شکیلؔ
اپنے مخالفین کی پرواہ کئے بغیر

شکیل بدایونی بی اے

"وعدہ"

افسانہ

ابھی وہ اسی دھن میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ بھائی مجید آ گئے۔ اور باتیں شروع کر دیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کیں کہ خدا کی پناہ! اور پھر وہ بہت تیز شروع کیا کہ بس۔ اِدھر اُدھر کی باتوں پر بیٹھے بیٹھے تبصرہ کر دیا۔ اُن کی باتوں سے صاف حیرانی شکل ہو گئی۔ بھلا مجید بھائی کیونکر رک سکتا ہے۔ وہ کہتے رہے۔ اور میں سنتا رہا۔ پھر بڑی مشکل سے اُن کی باتیں ختم ہوئیں۔ اور اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر مجھ سے ہاتھ ملا کر چلنے ہی لگے تھے کہ پھر یک دم ایک فلک شگاف قہقہہ لگاتے ہوئے مڑے اور کہنے لگے۔ "دیکھو بھئی ایک بات۔ دراصل ہم پکنک کر رہے ہیں۔ ذرا تم بھی چلنا۔" "مجھے تو معاف کیجئے۔ آجکل کچھ طبیعت خراب ہے" میں نے جواب دیا۔ "ارے چھوڑو طبیعت ہم سب کچھ درست کر دیں گے۔ سنا ہے تم گاتے ہو۔ ذرا تمہارا وہاں گانا سنیں گے" وہ بولے۔ میں نے مسمسی سی شکل بنا کر کہا۔ "اوں ہوں" اس پر وہ پھر بیٹھنے لگے۔ میں تو پہلے ہی کچھ تنگ آ چکا تھا اب جو انہیں پھر بیٹھتے دیکھا تو میں نے گھبرا کر کہا۔ "اچھا بھائی کوشش کروں گا۔" "نہیں کوشش وغیرہ کچھ نہیں۔ تمہیں چلنا ہوگا۔ ہاں تو وعدہ کرو" وہ اٹھتے ہوئے بولے "وعدہ" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا اور وہ چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد مجھ پر بے حسی سی طاری ہو گئی۔ مجھے وہ وعدہ یاد آ گیا۔ جو کہ میں نے ایک عزیز دوست عارف سے کیا تھا۔ اور جس نے میرے دل پر ایک ایسا چرکہ لگایا کہ جو شاید عمر بھر مندمل نہ ہو سکے۔ اور میری آنکھیں اندھیرے کے

میری یادوں میں ماضی کے مدہم نقوش نمایاں کرنے لگیں۔ اُن دنوں سالانہ امتحان ہونے والا تھا۔ کہ عارف میرے پاس آیا۔ اور آتے ہی کہنے لگا۔ "ایک بات مانو گے" "ارشاد" "کیا" "وہ تو میں پھر بتاؤں گا۔ پہلے وعدہ کرو کہ اُسے پورا کرو گے" اُس کے چہرے سے بے چینی نمایاں تھی۔ اُس کی اِس غیر معمولی حالت کو دیکھ کر بھی میں نے مذاق سے پوچھا۔ "ارے کونسی ایسی بات ہے۔ جس کیلئے پہلے ہی وعدہ کرنا پڑے گا۔ وہ کتاب تو نہیں اٹھا لائے سعادت کی؟" "نہیں دوست وعدہ تو کرو" عارف آہستہ سے بولا۔ اُس کا چہرہ اب بھی اپنی مخصوص مسکراہٹ سے خالی تھا۔ میں نے ہلکا سا ... کہا "اچھا بابا وعدہ رہا"۔ "ہاں تو وعدہ رہا۔ کہ تمام عمر شادی نہ کرو گے"۔ اُس نے کچھ عجیب سنجیدگی سے کہا۔ اُس کی سنجیدگی سے مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ "مگر یہ تو بتاؤ۔ کہ یہ صورت آج کیسے ہو گیا۔ وہاں سے آج کہیں جواب تو نہیں مل گیا" میں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا... عارف اُن دنوں ایک لڑکی کے پیچھے ہاتھ بلکہ پاؤں دھو کر پڑا ہوا تھا۔ جس وقت دیکھو آہیں بھرتا دکھائی دیتا۔ اور معلوم نہیں کیا کچھ کرتا تھا۔ بس عجب حالت بنا رکھی تھی۔ مگر وہ لڑکی تھی کہ کسی طرح سے اُس کے قابو نہ آ رہی تھی۔ وہ روزانہ مجھے بتایا کرتا۔ کہ آج یہ ہوا۔ اور آج وہ ہوا۔ میں نے اُسے کئی بار کہا بھی کہ یہ کاروبار عشق چھوڑو اور محنت کرو۔ مگر وہ سنتا ہی نہ تھا۔ . . . . میرے سوال کے جواب میں بولا۔ "ہاں تم ٹھیک ہی کہا کرتے تھے۔ بس اب

توبہ کرلی" "آخر کچھ سادھو بھی نا، کیا ہوا" میں نے پوچھا۔ "جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب کیا فائدہ دہرانے سے فائدہ"۔ اور پھر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "میں بھی عہد کرتا ہوں کہ تمام عمر شادی نہ کرونگا" میں نے بہیترا پوچھنا چاہا کہ کیا معاملہ پیش آیا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ میں نے اسے مجبور بھی کیا۔ "بتا نہ جانے" مجھے بولا "سالانہ امتحان آ رہا ہے۔ انٹرمیڈیٹ کر لیا تو دلی سال تھوڑا ہے"۔ اس کے چہرے سے بے چینی کی بجائے اب اطمینان جھلک رہا تھا۔

امتحان ہو گیا۔ نتیجہ نکل آیا۔ ہم دونوں کامیاب تھے۔ یہ بڑی مصیبت تھی کہ ہمارا کالج صرف ایف اے تک تھا۔ بی اے کرنے کیلئے عارف کو علی گڑھ اور مجھے الہ آباد جانا تھا۔ ہم ایک ہی سکول میں پڑھتے رہے تھے۔ پھر ایک ہی کالج میں تعلیم پائی تھی لیکن اب ہمارا اکٹھے رہنا ناممکن تھا۔ دل تو نہ چاہتا تھا۔ مگر مجبور تھے۔ جدا ہونے سے پہلے ہم نے پھر اس وعدے کو آخری دم تک نبھانے کا عہد کیا اور پھر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

عارف کے علی گڑھ جانے کے چند دن بعد میں الہ آباد اپنے بھائی کے پاس چلا گیا۔ الہ آباد پہنچے ایک دو ماہ تک تو عارف کے خطوط جلدی جلدی آتے رہے۔ لیکن آہستہ آہستہ کم ہونے شروع ہوئے۔ پھر ایک دم خط و کتابت بالکل ہی بند ہو گئی۔

میں بی اے کے دوسرے سال میں پڑھ رہا تھا کہ شہر میں وبا کے آثار نمودار ہوئے۔ ہمارا مکان بھی شہر کی تنگ گلیوں میں واقع تھا جہاں کبھی ہوا کو بھی رسائی نہ ہوتی تھی۔ یوں تو میں نے آتے ہی مکان تبدیل کرنے کی تحریک شروع کر دی تھی۔ مگر چونکہ بھائی اکثر باہر رہتے تھے اس لئے مکان فوراً تبدیل نہ ہو سکا لیکن اب تو اس مکان کو چھوڑتے ہی بنتی تھی۔ ان ہی دنوں اتفاق سے بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ اس لئے ہم نے شہر سے باہر کھلی فضا میں مکان لے لیا۔ سامنے ایک مکان کے ساتھ ایک اور مکان تھا۔ یہ دونوں مکان ایک ہی طرز کے بنے تھے۔ دونوں مکانوں کے درمیان ایک چوڑی گلی تھی جو کہ گھر کو جاتی تھی۔ گلی کے اختتام پر دونوں مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔

مجھے بالائی منزل پر ایک کمرہ ملا جس کے کمرے میں دو کھڑکیاں تھیں۔ جو گلی میں کھلتی تھیں۔ ایک دن میں نے محسوس کیا کہ مجھے ساتھ والے مکان میں میری کھڑکیوں کے بالمقابل دو کھڑکیاں دکھائی دیں جو کہ بند تھیں یہاں سے کتنے ہی دن گزر گئے مگر وہ [illegible] میں اپنے آپ کو اکیلا سا محسوس کرتا۔ بعض دفعہ میں تنہائی سے تنگ آ کر دعا کیا کرتا کہ الٰہی سامنے والے مکان میں ہی کسی دن کوئی آ کر رہے تو کچھ دل لگی ہو جائے۔

ایک دن جب میں کالج سے واپس آیا۔ تو عجب خوشگوار موسم ہو رہا تھا۔ گھٹا جھوم کر آئی تھی۔ ساون کا مہینہ تھا۔ بجلی چمک رہی تھی۔ اودی اودی بدلیوں سے تڑپ تڑپ کر بوندیاں پڑ رہی تھیں کچھ ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑ رہی تھی۔ ہوا بھی کیسی لطف آ رہا تھا۔ جونہی کمرے میں داخل ہوئے میری نگاہ کھڑکیوں پر پڑی تو مجھے سامنے والی کھڑکیاں کھلی دکھائی دیں جن میں باریک سی جالی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ جن سے کچھ دھندلا سا اندر سے جھلکیاں [illegible] رہی تھی۔ میں نے کچھ عجیب سی محسوس کی اور پھر کتابوں کو ایک طرف رکھ [illegible] لگا [illegible] مجھے بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ سامنے والے مکان سے چند نسوانی آوازیں آئیں۔ پہلے تو میں گھبرایا لیکن پھر میرے کان خود بخود ہی ان آوازوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کسی نے کہا۔ "دیکھو تو محدے کتنی دیر کر دی"۔ دوسری بولی "نسیم بھی تو نہیں آئی۔ کمبخت آ جاتی۔ تو بارش کا لطف آ جاتا"۔ اور پھر کسی نے کہا۔ "ذرا فریدہ کھڑکی سے دیکھو کہ

شاید وہ آ رہی ہو۔" اس کے فوراً ہی بعد کسی کے مرمریں
ہاتھوں نے سامنے والی جالی کا پردہ تھام لیا میں بھی
کسی بے ساختہ جذبے کے ماتحت اٹھا اور کھڑکی کے طاق
سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے والی کھڑکی میں ایک لڑکی کھڑی
تھی کوئی اٹھارہ انیس برس کی ... سال تھا۔ درمیانہ
قد اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں سر کے بال ...
کمر کے نیچے تک ...
اُس کا چہرہ ... آنکھیں
جھکیں ... دیکھنے ...
میں محو تھا کہ جیسے ... فریدہ ...
ہے کہ یہاں ... کھڑکی ...
میں ... حالت میں کھڑا تھا ... لڑکی کی نظر ...
اور اُس نے میری طرف دیکھا ... ایک
ہلکی سی چیخ ماری سب لڑکیوں کی نگاہیں ... طرف
اُٹھیں۔ فریدہ نے میری طرف ایک عجیب معصومانہ مسکراہٹ
سے دیکھا اور کھڑکی بند کر دی۔ کھڑکی بند ہونے ...
چونک سا پڑا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک ... لڑکی کو
دیوانوں کی طرح گھور رہا تھا مجھے اپنی حماقت پر بڑا افسوس
ہوا۔ میں نے وہاں سے ہٹنا چاہا مگر ... آنکھیں ...
سی رہی تھیں مجھے ... معلوم ...
سمجھا کہ اُس کھڑکی میں سب ... جس حال وہ لڑکی فریدہ
کھڑی تھی۔ ... صبح کے وقت جو خیالات
تھے سب ... مجھے ہر چیز میں ... دکھائی
دینے لگی ...
کسی غم کی لذت سے مجھے سرور آ رہا ہے میں سوچنے لگا
کہ انسان کی طبیعت بھی کتنی تیزی سے رنگ بدلتی ہے۔
بالکل گرگٹ کی طرح وہ تمام دن میں سوچتا رہا۔ کہ مجھے
اُس لڑکی کو دیکھنے سے ملا ہی کیا۔ حیرت! حیرت اور تعجب!
بس...... اُس رات میں سو بھی نہ سکا.......

دوسرے دن میں کالج جانے لگا۔ تو سامنے والے
مکان سے تین چار لڑکیاں نکلیں۔ انہوں نے کالے
برقعے پہن رکھے تھے۔ میں اُن کے پیچھے چلنے لگا۔ میں
چاہتا تو نہ تھا۔ مگر کوئی عجیب کشش تھی۔ جو مجھے اُن کے
پیچھے لئے جا رہی تھی۔ پہلے میں راستے میں لڑکیوں کو بے
اعتنائی سے دیکھا کرتا تھا۔ مگر اس دن تو آنکھ اٹھتی ہی
نہ تھی۔ میں اُن کے چہرے دیکھنے کی بہتیری کوشش کی مگر
بے سود۔ ہاں اُن کے سفید سفید پاؤں دیکھ سکا جو جوتیوں
سے نکل نکل کر آنے جانے والوں سے آنکھ مچولی کھیل رہے
تھے میں چلا جا رہا تھا۔ کہ وہ دفعتاً زنانہ کالج کی
وہ بلڈنگ میں داخل ہو گئیں ... اور میں حیران
سا کالج چلا گیا

اس دن گھر آ کر میں نے تمام واقعہ پر بہت ٹھنڈے
دل سے غور کیا۔ میں نے اپنے آپ پر بہت ملامت کی۔ کہ
یہ کیا تو یونہی خواہ مخواہ عاشق بن بیٹھے بھلا یہ بھی کوئی
شرافت ہے۔ آخر وہ ایک لڑکی ہی ہے نا، ایک معمولی سی۔
اور ... کیا۔ کہ آئندہ سے کبھی انہیں نہ دیکھوں گا
مگر پھر بھی کالج آتے جاتے وہ تین چار لڑکیاں
مجھے کہیں نہ کہیں ضرور ہی دکھائی دے جاتیں
میں تنگ سا آ گیا۔

کئی دن گزر گئے۔ ایک دن میں کالج سے چلا آ رہا
تھا۔ اور جب میں اس سڑک پر پہنچا جہاں پر دوپہر کے
وقت بہت کم آمد و رفت ہوتی تھی۔ تو کسی نے "مسٹر"
کہہ کر پکارا میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ سڑک اور کوٹھیوں
کے درمیان جو چھوٹا سا پلاٹ تھا۔ اس میں دو برقعہ پوش
لڑکیاں بیٹھی دکھائی دیں غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا۔
کہ یہ تو وہی ہمارے سامنے والی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں
کیوں غصہ سا آ گیا۔ اور میں چلنے ہی لگا تھا۔ کہ اُن میں
سے ایک بولی۔" دیکھئے یہ میری سہیلی گر پڑی ہے۔ چل

نہیں سکتی۔ کیا آپ ہمیں تانگا لا دینگے۔ اُس کے لہجے [illegible] تھا تھی۔ پہلے تو خیال ہوا۔ کہ یونہی پڑا رہنے دوں [illegible] ہی دیا۔ اور وہ سوار ہو کر چلی گئیں

[illegible] تے ہی فریدہ کا نوکر آیا اور دست بستہ [illegible] کر کہنے لگا۔ "چھوٹی بی بی نے بھیجے ہیں [illegible] کا کرایہ" لیکن میں نے واپس کر دیئے۔ دوسری بار وہ پھر آیا۔ پھر جب میں نے ڈانٹا تو بھاگ گیا

دوسرے دن صبح اُٹھ کر ابھی چھت پر چلا گیا [illegible] شبنم کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی سی ٹھنڈی [illegible] ہوا چل رہی تھی۔ جو کہ جسم [illegible] کی روح [illegible] جا رہی تھی۔ کچھ دیر میں ٹہلتا رہا۔ اور پھر جو [illegible] نظر سامنے والی چھت پر پڑی۔ تو وہاں پر کوئی مجھے سفید کپڑوں میں ملبوس کھڑا دکھائی دیا۔ میں گھبرا سا گیا [illegible] نیچے اترنے کی تیاری کرنے لگا۔ کہ اتنے میں مجھے کسی نے بہت ہی آہستہ سے پکارا۔ میں ٹھٹھکا اور دیکھا مڑ سامنے والی چھت پر فریدہ کھڑی تھی۔ میں نے اُن کی چھت کے قریب جا کر پوچھا "آپ نے مجھے بلایا ہے"۔ "جی ہاں، کل آپ نے تانگے والے کو کرایہ کیوں دیا۔ اور پھر میں نے پیسے بھیجے تو آپ نے لئے نہ"۔ وہ کچھ رعب سے بولی

"میں نے کرایہ اس لئے دے دیا تھا کہ اگر آپ کے پاس پیسے ہوتے تو آپ ضرور تانگے ہی میں سوار ہو کر آتیں"۔ میں نے کچھ جرأت سے کہا اس پر وہ ہنستے ہوئے سے بولی "تو کیا آپ جوتشی ہوتے ہیں"۔ "جی ہاں کچھ تھوڑا بہت"۔ میں نے جواب دیا۔ وہ کچھ مسکرا دی پھر چند منٹ بعد میں نے مہر سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا "آپ کا نام"؟ "مجھے فریدہ کہتے ہیں"۔ اُس نے نظریں نیچی رکھتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر جلدی سے بولی "اب یہ لیجئے پیسے پھر کبھی لے لونگا۔ اتنی جلدی کیا ہے"۔ میں نے جواب دیا پھر وہ جانے لگی۔ میں نے اُس کے پاؤں میں ایک

چلچلاہٹ۔ ایک اضطراب، ایک پریشانی سی دیکھی۔ اور پھر وہ مڑی اور دبی زبان میں کہنے لگی "آپ کی تعریف"؟ "مجھے ارشاد کہتے ہیں"۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ اور ابھی میں کچھ اور کہنا ہی چاہتا تھا۔ کہ وہ چلی گئی

. . . . .

اس واقعہ کے بعد وہ الجھن جسے میں زمانے میں کس حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔ اور پیچیدہ ہو گئی۔ میں تمام دن سوچتا رہا۔ کہ کیا مجھے اُس سے محبت ہو گئی ہے؟ [illegible] محبت کو مذاق سمجھا کرتا تھا [illegible] کا۔ [illegible] اس دن مجھے محبت [illegible] سچائی نظر آنے لگی۔ [illegible] اور بچوں کی سی [illegible] پہلے تو میں [illegible] سے حالات سے ناواقف ہونے کی کوشش کی کر لا حاصل۔ آخر مجھے ماننا پڑا کہ مجھے محبت ہو گئی ہے۔

فریدہ سے [illegible] میری حالت عجب ہو گئی میرے دماغ میں ہر وقت فریدہ کے خیالات آندھی کی طرح [illegible] چکر کاٹتے رہتے۔ جو کہ لذت سوز و گداز سے لبریز ہو کر شمع پر قربان ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب میں کبھی کھڑکی کی طرف جاتا۔ تو مجھے سامنے فریدہ کھڑی دکھائی دیتی۔ جیسے کہ وہ میری ہی منتظر تھی۔ اور پھر وہ مجھ سے تھوڑی بہت باتیں بھی کر لیتی

[illegible] میں اپنی الماری میں کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ تو [illegible] کا خط کہیں سے نکل آیا۔ اور پھر مجھے وہ عہد یاد آ گیا۔ میں تھرا سا گیا۔ اور پھر میں نے دل سے عہد کر لیا۔ کہ اب کبھی فریدہ کا خیال بھی نہ کرونگا۔ اور میں نے کھڑکی کی طرف تقریباً جانا ہی چھوڑ دیا۔ اُس نے جب مجھ میں یہ تبدیلی دیکھی۔ تو فریدہ مجھ سے اور بھی نرمی سے پیش آنے لگی۔ جب کبھی میں چھت پر جاتا اور فریدہ مجھے کھڑی دکھائی دے پڑتی۔ تو میں کترانے کی کوشش کرتا۔ مگر

وہ مجھے کسی نہ کسی طرح سے منا ہی لیتی۔ اور پھر ایسی میٹھی میٹھی باتیں کرتی۔ کہ مجھے کسی چیز کا خیال نہ رہتا۔ لیکن پھر جب اپنی حالت پر آتا۔ تو اس وعدے کا خیال ایک ناسور کی طرح کھٹکنے لگتا۔

آہستہ آہستہ میں نے فریدہ کے خلوص میں ترقی ہی دیکھی۔ اور پھر میں نے اپنی زندگی کی ناؤ کو اس کی محبت کے سمندر میں چھوڑ دیا۔ میں کھو سا گیا۔ اور اس وعدے کا خیال تک بھی نہ رہا۔

بی اے کا امتحان دینے کے بعد مجھے ماموں جان نے پونا آنے کی دعوت دی۔ پونا جانے سے ایک رات پہلے میں چھت پر فریدہ کو ملنے گیا۔ اس نے اس دن سفید ساڑھی پہن رکھی تھی۔ کیسی بھلی معلوم دے رہی تھی۔ وہ اس سادہ لباس میں۔ بس بالکل اپسرا۔ میں دیوار پھاند کر اس کی چھت پر چلا گیا۔ اور فریدہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اور پھر اپنی جیب سے گوشوارے نکال کر جو کہ میں اس کیلئے لایا تھا۔ دکھاتے ہوئے بولا "یہ دیکھو میں کیا لایا ہوں" وہ پکڑنے کی کوشش کرنے لگی لیکن میں نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا "پہلے ادھر کان لاؤ" جب میں پہنا چکا تو میں نے کہا "کتنی حسین معلوم ہو رہی ہو فریدہ" میرے ان الفاظ سے وہ شرما گئی اور پھر بولی "بس شروع کر دی خوشامد"۔ "اچھا جی تو یہ خوشامد ہے۔ تو لاؤ واپس کر دو" میں نے کہا۔ فریدہ اپنے کان چھپاتے ہوئے بولی "اب مل چکے" اسی طرح کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں نے کہا "دیکھو فریدہ میں چاہتا تھا۔ کہ والد صاحب آ جائیں تو ہمارے بیاہ کی بات پکی ہو جائے۔ مگر وہ آئے نہیں اور میں کل پونا جا رہا ہوں" اس پر اس نے گھبرا کر میری طرف دیکھا "تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔ میں جلد ہی آ جاؤں گا" میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "گھبراتا کون ہے۔ میں تو کسی بڈھے آدمی سے شادی کر لوں گی"

میں یہ سن کر چپ سا ہو گیا۔ کچھ دیر وہ میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر اٹھتے ہوئے بولی "بہت دیر ہو گئی۔ اب میں چلتی ہوں" تب میں نے سنجیدہ سا منہ بنا کر کہا "کس آدمی سے شادی کرو گی؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھ سے" وہ شرما گئی اور منہ میں دوپٹہ لیتے ہوئے سر کے اشارے سے "ہاں" کہا اس کے بعد وہ ہاتھ ملاتے ہوئے بولی "کل ملے گا" "انشاءاللہ" میں نے کہا۔ اور وہ چلی گئی۔

دوسرے دن جب میں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ تو نوکر نے ایک لفافہ لا کر دیا۔ چاک کیا تو یہ عارف کا خط تھا۔ بس پچھلے تمام واقعات آنکھوں کے سامنے بجلی کی تیزی کے ساتھ کوند گئے۔ عارف نے وعدے کی یاد دہانی کرائی تھی۔ میں فریدہ کی محبت میں وعدہ تو کیا۔ بلکہ عارف کو بھی بھول گیا تھا۔ وہ خط پڑھ کر مجھے ایسا معلوم ہوا۔ گویا کسی نے مجھے آگ کی دہکتی ہوئی بھٹی میں پھینک دیا ہو۔ اور پھر میں بغیر فریدہ کو ملے ہی پونا چلا گیا......

پونا بہت اچھا شہر تھا بہت اچھی جگہ ہے۔ مگر مجھے تو وہاں بہت روحانی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر وقت میں اپنے آپ کو چند ناقابل چیزوں میں گھرا محسوس کرتا۔ میں سوچتا رہتا مگر کچھ سمجھ نہ پڑتا تھا۔ ایک طرف وعدے کا پاس تھا۔ دوسری طرف محبت۔ آخر بہت دنوں کی سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا۔ کہ محبت کو وعدے کی بھینٹ چڑھا دوں گا...

جب ایم اے کا داخلہ شروع ہوا۔ تو مجھے لاہور جانا پڑا۔ گو اب دل نہ چاہتا تھا۔ جب الہ آباد گھر کی طرف پہنچا۔ تو وہاں پر ایک خاص رونق سی دکھائی دی۔ گھر پہنچ کر میں نے بھابھی سے پوچھا "یہ سب کیا ہو رہا ہے" "فریدہ کی شادی ہے" "کل" بھابی نے جواب دیا۔ "فریدہ کی شادی" یہ الفاظ بمشکل میں نے کہے

بعد دماغ کا کونا کونا سنسنا سا اٹھا۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور اپنے آپ کو پلنگ پر گرا دیا۔ معلوم نہیں اس حالت میں میں کتنی دیر پڑا رہا تھا۔ ہاں اتنا یاد ہے۔ کہ آدھی رات کے قریب کسی کی ہچکیوں کی آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے فریدہ اپنے کمرہ میں رو رہی ہے۔ میں نے اُٹھ کر اپنے کمرہ کی کھڑکی کھولی۔ سامنے فریدہ ہی کھڑی تھی۔ عروسی کپڑوں میں ملبوس۔ وہ رو رہی تھی مجھے دیکھتے ہی اُس نے آنسو پونچھ ڈالے۔ اور دو ایک بار جلد جلد آنکھیں جھپکیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے اُسکی پلکوں میں دنیا بھر کا درد لہریں بار بار کر اُٹھ رہا ہو۔ اور وہ اُسے دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا لیکن پھر دل کڑا کر کے میں نے کہا "کیا میں اُمید کر سکتا ہوں فریدہ کہ تم مجھے معاف کر دو گی"۔ شاید میرے ان الفاظ سے اُس کے امید دل کو ٹھیس لگی تھی۔ اور اُن گول گول سیاہ آنکھوں میں سے جو کہ شاید پہلے مسکرانا ہی جانتی تھیں۔ شبنم کے چمکتے ہوئے موتیوں کی طرح آنسو بہنے لگے میں نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کسی نے اُسکے جذبات کے آتش فشاں پہاڑ کا منہ کھول دیا ہو۔ اور لاوا ایک دم بہ نکلا ہو۔ میں کچھ کھو سا گیا۔ جب سنبھلا تو میں نے دیکھا۔ کہ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مجھے کھوئی کھوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ میں پاگلوں کی طرح اُس کو دیکھنے لگا۔ کوئی میرے دل کو مسوس رہا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر میں ویسے کھڑا رہا تھا۔ کیا کیا قیامتیں مجھ پر گزریں میرے دل کی ویرانی مجھے کن کن جہنموں میں لے گئی۔ ایک تاریکی چھا گئی۔ ...... ہیبتناک تاریکی ..... جس نے مجھے ڈھانپ لیا تھا

جب میں اس بھیانک خواب سے جاگا تھا تو فریدہ جا چکی تھی۔ ہاں نیلی جالی کے پردوں سے ہوا اُسی پہلے دن کی طرح اٹھکیلیاں کر رہی تھی جبکہ میں نے فریدہ کو پہلی بار دیکھا تھا ......

وہ تمام دن اپنے کمرے میں لیٹا رہا۔ .. مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔ . . . جب فریدہ کی ڈولی جا چکی تو نوکر نے مجھے ایک لفافہ لا کر دیا یہ عارف کا تار تھا لکھا تھا۔ "میری شادی ہو رہی ہے جلد پہنچو" یہ الفاظ پڑھ کر مجھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے میری رُوح کو ہتھیلیوں میں دبا کر اسقدر مَلا ہو۔ کہ وہ اصلی حالت پر آنے کی جدوجہد میں لاکھوں ٹیسوں کا مرکز بن گئی تھی کچھ دیر بعد میں نے چاہا۔ کہ میں فریدہ کی ڈولی کے پیچھے بھاگوں اور کہوں کہ "فریدہ میں تم سے شادی کرونگا۔ تم کہاں جا رہی ہو"؟ مگر

اس کے [illegible] عرصہ بعد عارف ملنے آیا وہ اپنی بیوی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا میں نے بہت غصے میں اُس سے کہا "عارف تمہارا وعدہ کیا ہوا"؟

"ارے دوست وہ وعدہ ہی کیا جو ایفا ہو جائے" وہ ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے تمام دنیا مجھ پر ہنس رہی ہو۔

اس واقعہ کو کتنا ہی عرصہ ہو چکا ہے۔ مگر جب بھی کوئی مجھ سے وعدہ لینا چاہتا ہے۔ جانے کیوں مجھ پر ایک وحشت سی سوار ہو جاتی ہے۔ جہاں "وعدہ" کا لفظ آیا۔ اور مجھ پر ایک مدہوش کن کیفیت طاری ہوئی اور میں ماضی کی یاد میں کھو سا جاتا ہوں ؛

(خالد ارشاد)

کئی دن سے

از سردار جلیل (شیر کوٹی)

سر میں جو ہے سودائے محبت کئی دن سے
برپا ہے عجب طرفہ قیامت کئی دن سے

اُٹھتا ہی بہت دردِ محبت کئی دن سے
بے چین ہی، بے کیف طبیعت کئی دن سے

ایسا تو نہیں بھولنے والے نے کیا یاد؟
کچھ اور فزوں تر ہے محبت کئی دن سے

اچھا ہے جو یہ تارِ نفس ٹوٹ ہی جائے
مجھ کو ہے ہر اک سانس قیامت کئی دن سے

للہ! ذرا آ کے کوئی رنگ تو بھر دو،
پھیکا سا ہے رومانِ محبت کئی دن سے

پھر چھیڑ دو تارِ نفسِ رفتہ کو آ کر
ہر سانس ہے آمادۂ رخصت کئی دن سے

جاؤں گا کہاں مر کے اگر چین نہ پایا،
گھیرے ہے یہ اک تازہ مصیبت کئی دن سے

اُف پرسشِ احوال! کہ "کیسے تھے کہاں تھے"
"دیکھی ہی نہیں آپ کی صورت کئی دن سے"

مُڑ مُڑ کے مری سمت وہ "افسردہ نگاہیں"
آنکھوں میں ہے وہ عالمِ رخصت کئی دن سے

پھر ہوگا سفر منزلِ محبوب کی جانب
طاری ہے جلیل عالمِ وحشت کئی دن سے

ایک طنز

ایک گمنام باکمال شاعر

از:- انجم رومانی ایم اے

(نذر ماہر القادری)

اردو زبان میں باکمال شاعروں کی کمی نہیں۔ تذکرۂ خمخانۂ جاوید دیکھنے سے ایسے باکمال شاعروں کی تعداد کا جو کسی صورت میں بھی حشرات الارض کی تعداد سے کم نہیں اندازہ ہو سکتا ہے۔ آج اگر تعلیم یافتہ طبقے میں سے پانچ فیصدی شاعر ہیں۔ تو اس سے پہلے ایک سو پچیس فیصدی تھے اگر پرانی شاعری کو آفتاب روز محشر کہا جائے۔ تو نئی شاعری کو ایک بجھی ہوئی موم بتی کہنا بھی مبالغے سے خالی نہ ہوگا اردو والوں کی حالت اور رجحانات دیکھ کر "ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے"۔ دوسروں کی اندھا دھند تقلید نے ہمیں اس قدر کمینہ بنا دیا ہے۔ کہ ہم اپنی لاجواب چیزوں کو بھی نگاہ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور چھوڑی ہوئی شور آلودہ ہڈیوں کو نہیں چھوڑتے۔ دوسروں کی بدترین چیزوں کو سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ ہماری عقل پر ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ آبلہ پائی و خار مغیلاں کے سے اوٹ پٹانگ مضامین چھوڑ کر اپنے ماحول کی ترجمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ قدیم شعرائے کرام کہ جن کے کلام بلاغت نظام و فصاحت التیام کے سامنے ساری دنیا کی شاعری ہیچ ہے۔ ہمارے نزدیک شاعر ہی کہلانے کے مستحق نہیں۔ اور ہم ان کے کلام کو لغویات کا انبار سمجھ کر پڑھنے تک کی تکلیف گوارا نہیں کرتے

کون جانتا ہے۔ کہ اردو زبان نے عہد قدیم میں کتنے شیکسپیئر اور کتنے ملٹن پیدا کئے؟ ہماری قدر ناشناسی کا یہ عالم ہے۔ کہ ہم اُن میں سے چند ایک کے علاوہ (جن کا ذکر تذکروں میں آگیا ہے) باقی ماندہ کے کلام کیا نام تک سے بے خبر ہیں ایسے ہی ایک بدقسمت شاعر کے تعارف کیلئے یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ حضرت بے عدیل کے کلام کو بے عدیل ہونے کے باوجود شہرت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ آپ کے متعلق بہت سے ارباب ذوق اور بلند پایہ محققین سے پوچھ دیکھا۔ لیکن کوئی بھی ایسا نہ ملا۔ جو آپ کو جانتا ہو۔ آہ! ہماری قدر ناشناسی! اگر کہیں آپ صاحب بے عدیل شاعر یورپ یا امریکہ میں پیدا ہوا ہوتا۔ تو اس پر ہزاروں کتابیں لکھی جاتیں ہر سال اس کے اعزاز میں ہنگاموں پہ ہنگامے برپا ہوا کرتے ہر شہر، ہر قصبے اور ہر گاؤں میں اس کے نام پر سینکڑوں اکیڈیمیاں، ہزاروں کلبیں، لاکھوں بیکریاں، کروڑوں لانڈریاں اور اربوں دکانیں کھلتیں۔ مگر غلام ملک کی ہر بات غلط ہے

جناب بے عدیل شاہ صاحب ۱۱۵۹ھ میں بمقام "چاہ" پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ کا ایک مصرع ہے۔ ؎

مجھے سنگوا بن کر کے خدا کے ہاتھ گیا تو

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تنگدست تھے۔ شاید اسی لئے آپ نے تمام عمر چاہ ہی میں گزاری۔ اور ذی الحجہ ۱۲۱۱ھ کے اواخر میں انتقال فرمایا۔ شاید اسی لئے مشہور نہ ہو سکے۔ ورنہ آپ کا کلام بڑے بڑے اساتذہ کے کلام سے ٹکر کھاتا ہے۔ خصوصاً غالب کے اور آپ کے کلام میں اس درجہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ کہ اگر میں مسئلہ تناسخ کا قائل ہوتا۔ تو کہتا کہ بیدل کی روح کو اس کے ذوق سخن نے فردوس سے ماکر بھی چین نہ لینے دیا۔ اور وہ غالب کے جسم میں دوبارہ دنیا میں ظہور پذیر ہوئی۔

شاعری میں آپ تلمیذ الرحمن تھے۔ کیونکہ اگر کسی کے شاگرد ہوتے۔ تو ضرور کسی نہ کسی تذکرے میں آپ کا ذکر موجود ہوتا۔ اوائل عمر ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا پنانچہ آپ کا ایک شعر ہے ؎

دل کے جاتے ہی یہ کہی تاریخ
وائے قسمت اِک یار داں نہ رہا

جس سے ۱۱۶۶ھ نکلتا ہے۔ اس شعر سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آپ سات سال کی عمر میں بہت اچھا شعر کہہ لیتے تھے۔ اور نیز یہ کہ آپ تاریخ گوئی میں بھی کافی مشاق تھے۔

کلیات میں بہت سی فارسی کی غزلیات بھی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ فارسی بھی بخوبی جانتے تھے۔ کلیات کا تقریباً دو تہائی حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ باقی حصے میں دس مثنویاں اور بہت سے مخمس، مسبع، مسدس، مخمس، مربع، مثلث، ترجیع بند، ترکیب بند، واسوخت اور بہاریہ قصائد ہیں۔

غزل میں آپ کا خاص رنگ تھا۔ جو نکھر کر غالب کا رنگ بنا۔ شوخی، معنی آفرینی، نازک خیالی، سبھی کچھ آپ کی غزلوں میں پایا جاتا ہے۔ اکثر فارسی ترکیبیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جب سادگی پر آتے ہیں تو قیامت ہی ڈھا جاتے ہیں۔ ایک ایک شعر سہل ممتنع ہو کر رہ جاتا ہے۔ سلاست اور روزمرہ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ رنگینی کے تو گویا شیدائی ہیں۔ کئی غزلیں لمبی لمبی زمینوں میں کہی ہیں۔ اور وہ اس قدر گل کھلاتے ہیں۔ کہ ... طبیعت شگفتہ ہو جاتی ہے۔ ترنم جتنا آپ کے ... پایا جاتا ہے۔ اور کسی شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔ مصرعے گنگناتے اور گنگناتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی زبان میں گھلاوٹ کے ساتھ ساتھ سوز و درد کی تاثیر بھی پنہاں ہے اور اسی چیز نے آپ کی شعر تغزل کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ آپ کی غزلیں پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے۔ کہ شاعر سچ مچ محسوس کر کے شعر کہہ رہا ہے۔ اور اس کی غزل روایتی اور تقلیدی نہیں۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے۔ کہ اب سے دو سو سال پہلے کے شاعر ہونے کے باوجود آپ کی زبان اتنی صاف ہے کہ بالکل آج کل ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے آپکا تاریخی مرتبہ بہت بلند ہے۔

اب آپ کا کلام ملاحظہ ہو:۔

ذیل کی غزل سے آپ کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے۔ سنگلاخ زمین، نازک خیالی، معنی آفرینی اور بلند پروازی کے ساتھ ساتھ سلاست اور سادگی کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ محاورے اور روزمرے کا بھی خیال رکھا ہے۔ ایک ایک مصرع سوز و گداز پنہاں ہے ایک آہ آتشیں بن کر رہ گیا ہے۔ ذوق کی بھی اسی زمین میں ایک غزل ہے:۔

غزل

آ دیکھ تو کے خالق رو پوش نقش پا!
کس درجہ ہوں میں رفتہ آغوش نقش پا
کس بیخودی سے سن رہا ہے داستان ...

ہاں دیکھئے تو موجِ گوشِ نقشِ پا!

رُوداد غم کو میری ہے سُن لینا چاہیے
گوشِ صنم سے میرے لئے گوشِ نقشِ پا!

بے اختیار کر رہا ہوں اس کی پیروی
بانگِ جرس ہے نعرۂ خاموشِ نقشِ پا،

اے کاش! اس قدر ہی ہو قسمت مری رسا
آغوشِ قبر ہو مجھے آغوشِ نقشِ پا

ہم عاشقوں سے اس کو ہی دعوائے ہمسری
کٹوائے ناخن اپنے ذرا ہوش نقشِ پا

بے بسکہ اُس کے ہجر نے حقہ سا دیا
کچھ چاہئے تو بس یہی سرپوشِ نقشِ پا

وہ خود چلے گئے ہیں تو اُن کے عوض مجھے
دیتا ہے گالیاں لبِ خاموشِ نقشِ پا

گزرے ہیں اس طرف سے وہ ہمراہِ غیر کے
پڑتا ہے سر پہ میرے یہ پاپوشِ نقشِ پا

میں بے عدیل چلتا نہیں ہوں برہنہ پا
پہنے ہوئے ہوں پاؤں میں پاپوشِ نقشِ پا

اب تک فارسی کا ایک سہل ممتنع شعر سنتے تھے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ شعر کس کا ہے۔ بے عدیل شاہ کی کلیات کا مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ وہ آپ کا شعر ہے ؎

چشمانِ تو زیرِ ابروان اند
دندانِ تو جملہ در دہان اند

یہ شعر ایک غزل کا مطلع ہے۔ اسی غزل کا ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیے۔ شاعر جب دیکھتا ہے۔ کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور کچھ عرصہ زندہ رہ کر مر جاتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتا ہے ؎

ہستند فنا نصیب، اے دل!
جملہ بشراں کہ در جہاں اند

کس سادگی سے حقیقت کے چہرے سے نقاب سرکا دی ہے!

اسی غزل کا مقطع دیکھئے۔ اور تخلص کی بندش کی داد دیجئے ؎

میں تو بے عدیل در زلفاں
آویزاں مثالِ ریسمان اند

کتنی بلیغ تشبیہ ہے۔

دل کا شعر آپ کے نفسیاتی مطالعہ کا آئینہ دار ہے ؎

مدت کے بعد دیکھتا ہوں اُسکی شکل آج
آپے سے اے عدیل کہیں باہر نہ ہو جاؤں

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ علم نفسیات جسے ہم آج مغرب والوں کی کاوشوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اُن سے کہیں پہلے ہندوستانیوں کی کاوشوں کے گہواروں میں پل کر پروان چڑھ چکا تھا۔

ایک شعر ہے ؎

اک دل بھی ملا نہ بھیجا مجھے
ہی بہرہ ور رہاند سے حیات

آپ نے "رہاندنا" سے "رہاند" حاصل مصدر وضع کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اور بہت سے نئے الفاظ وضع کر کے اردو زبان کو وسعت دی ہے۔

شبِ ہجر کی درازی اور زندگی کا اختصار مشہور ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو کس خوبی سے ایک ہی شعر میں باندھا ہے ؎

وقفۂ عمر ہے کوتاہ، شبِ ہجر دراز
دیکھیے مرتے ہیں کے بار سحر ہونے تک

اسی غزل کا ایک اور کتنا حسرت بھرا شعر ہے ؎

قبر پر آئے تھے میری وہ، سنا ہے میں نے
آہ! میں مر بھی چکا اُن پہ اثر ہونے تک

اسی غزل کا ایک اور کتنا حسرت بھرا شعر ہے ؎

قبر پر آتے تھے میری وہ، شتاب میں نے
آہ! میں مر بھی چکا ان پہ اثر ہونے تک

یہ شعر پڑھیے اور نازک خیالی اور معنی آفرینی کی داد دیجئے ؎

ہنس یہ سرمۂ چشم کی سیاہی
ہے گالوں پر سر زلفوں کا سایہ

ایک شعر غالب کی "پسند آیا" والی ردیف میں دیکھئے ؎

نہ پوچھو حال قیس عامری کا، ہائے لیلیٰ کو
ہے پوشیدہ سدا در پردۂ محمل پسند آیا

بے عدیل شاہ کو صنائع بدائع کے استعمال میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی کلیات میں بہت ہی کم ایسے اشعار ہوں گے جن کا دامن صنائع بدائع کی [illegible] سے آلودہ نہ ہوا ہو۔ محاوروں کو باندھنے میں آپ بے نظیر ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

"ہم دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے انکے پاس
کیا آگیا ہے فرق ہماری نگاہ میں"

محاورے کی بندش کے ساتھ رعایت لفظی دیکھئے

صنعت مقلوب میں آپ نے لاجواب یادگار چھوڑے ہیں ایک دو ہی کا شعر دیکھئے ؎

"منقلب و [illegible] و [illegible]
روئے یار تو ہم [illegible] شرقی"

ضد "شرقی" "غربی" ہوتا ہے اور "غربی" اور "عربی" میں تجنیس خطی ہے۔ "عربی" مقلوب بعض ہوکر "ربیع" بنتا ہے۔ اور "ربیع" کے معنی "بہار" ہیں۔ "بہار" اور "نہار" میں پھر تجنیس خطی ہے۔ "نہار" کے معنی ہیں "یوم"۔ "یوم" مقلوب ہوکر "موی" بنتا ہے۔ "موی" کو عربی میں "شعر" کہتے ہیں۔ یہ "شعر" کو اگر مقلوب بعض کریں تو "عرش" ہوتا ہے۔ "عرش" ایک "خانہ" ہے "خانہ" کو عربی میں "دار" کہتے ہیں۔ "دار" کو اگر مقلوب کل کریں۔ تو "راد" بنتا ہے۔ اور "راد" اور "زاد" میں تجنیس خطی ہے۔ "زاد" بمعنی "توشہ" اور "توشہ" اور "بوسہ" میں تجنیس خطی ہے پس شاعر روئے یار سے "بوسہ" چاہتا ہے۔

آپ کی کلیات میں کوئی بیس کے قریب ایسی غزلیں ہیں جو آپ نے بے نقطہ کہی ہیں۔ ایک غزل کے دو اشعار ہیں ؎

لا حال لا اور راگ گا کر ولولہ اور کود آ
سادہ کر [illegible] دم ہلا اور [illegible] کا [illegible]
گو سالا ہوا [illegible] کھا مرسوم اور معمول کر
اس حال اور اس حال کا [illegible]

یہ دونوں اشعار من وعن انشا کے دیوان میں بھی موجود ہیں چونکہ بے عدیل، انشا سے پہلے گزرا ہے۔ اور انشا کو توارد تو کیا ہوا ہوگا اور توارد بھی ایسا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انشا نے سرقہ کیا ہے۔ داغ نے بھی آپ کا ایک شعر چرایا ہے۔ اور وہ یہ ہے ؎

ہم دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے انکے پاس
کیا آگیا ہے فرق ہماری نگاہ میں

مندرجہ ذیل شعر دیکھئے:-

رشتۂ عمر ہے کوتاہ، شب ہجر دراز
دیکھئے مرتے ہیں کے بار سحر ہونے تک

مصرع اولیٰ میں "عمر" کا "مر"۔ "کوتاہ" کی "آہ" اور "دراز" کا "راز" کس خوبی سے دوسرے مصرع کا مضمون سمجھاتے ہیں۔

ایک شعر ہے

اے محتسب کیوں توڑتا ہے
حباب زندگانی ہے یہ مینا

"مینا" اور "منا" میں تجنیس خطی ہے۔ پس "مینا"
حبابِ زندگی" ثابت ہو رہی ہے
[illegible] ہے ؎

کون بت ہے جو یہاں نہ رہا
دل کا آباد پر مکاں نہ رہا

دوسرے مصرعے کو اگر "آباد" کے "آ" پر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ یعنی :-

دل کا، آ باد پر، مکاں نہ رہا

جس کے معنی یہ ہوئے۔ کہ ہوا پر آ کر، دل کا مکاں، نہ رہا تو شعر زمین سے آسماں پر پہنچ جاتا ہے۔
اس شعر میں ترکیب کتنی بلیغ ہے ؎

سنگِ مجنوں سے ہے بنا یہ بُت
جبھی عاشق پہ مہرباں نہ ہوا

"سنگِ مجنوں" یعنی وہ پتھر جو ایک دفعہ غالب نے بھی مجنوں پر اٹھایا تھا۔
اب آپ کی غزلیات کا ایک مختصر سا انتخاب ملاحظہ ہو:-

یہی شیخ مدینہ، یہ کمینہ
اٹھا کر لے چلا تھا میری مینا
بہت صحراؤں کی ہے خاک چھانی
ہوا ہے جب سے چھلنی میرا سینا
ہوا ساحل سے ٹکرا کر ہے ٹکڑے
کسی کی زندگانی کا سفینہ
میں روزے رکھتا رکھتا مر گیا ہوں
یہ باقی ہے یہ رمضاں کا مہینا
عجب ساقی ہے یہ چرخِ بد اطوار
لئے پھرتا ہے آتش آبگینہ
بچا کر نے فلک رندوں سے رکھیو
فدا یہ اپنا خالی آبگینہ

بنایا عشق نے سوئی تو ہم کو
سکھا دے کوئی دامن کو سینا
خدا کا ظرف تو دیکھا ہے زاہد
ذرا اب دیکھ آ کر ظرفِ مینا
خدائی کیا خدا بھی ہے اسی میں
مکانِ لامکاں ہے میرا سینا!
گنوا دی بے عدیل عمر اپنی ساری
نہ آیا ہم کو جینے کا قرینا!

بچ رہتا وہ اگر، اُسے آنا شتاب تھا
قاصد کا قتل، خط کا ہمارے جواب تھا

کون بُت ہے جو یہاں نہ رہا
دل کا آباد پہ مکاں نہ رہا
جب ہوا ہم کو شوقِ سربازی
یار کو ذوقِ امتحاں نہ رہا
اُس کمر کی نزاکتیں تو یہ
میرا باقی کوئی نشاں نہ رہا
آہ کی نارسائیاں تو یہ
سر پہ گویا کہ آسماں نہ رہا
"ہو نمک سود اگر نہ زخمِ جگر"!
کھٹک اُس کا اب گراں نہ رہا
بھرے بیٹھے ہیں آبلے پا کے
آ گیا وہ موسمِ خزاں نہ رہا
شمع تربت کی اشک ریزی سے
باقی تربت کا کچھ نشاں نہ رہا

اب جستجوئے مرگ میں جائیں گے ہم کہاں؟
اے دل تو کیوں حسینوں پہ مائل نہیں رہا

بیچے کہ جسے تمہیں ہی قاتل کی سنگ دل
میں روسیاہ وہ خود مقابل نہیں رہا
روشنی ہے آفتاب بھی بڑھ کے میرا رخ
مجھ روسیہ کے کوئی مقابل نہیں رہا
اب بھی فغاں ہے میری ہیں تا ابد کی تحسینِ گل
گو موسمِ فغانِ عنادل نہیں رہا
دشتِ غبار وحشتِ مجنوں کی خیر ہو
مدت ہوئی کہ سایۂ محمل نہیں رہا
مجھ روسیہ کو اس نے بلایا بھی ہے تو کب
جب اس کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا

بادِ صبا اگر ہو گزر اس طرف کبھی
میری خبر بھی پوچھیو گر نامہ بھیجے

رضائے گلچیں پہ راضی ہمیشہ رہتا ہے گل
نہ کرنا اف ستمِ مرضیِ صیاد کھینچ،
کبھی تو بھول کے زاہد کیا تھا پڑھنے نماز
کبھی پیالے میں انگور کی تو دختر کھینچ
زباں پہ گالی ہو اسکی، تو ہاتھ میں سونٹا
لے مالی! اس طرح اک نقشہ ستمگر کھینچ،
ہمیشہ کھینچی رہی مسافروں کو سے راہ
شراب باب کے ساغر کو تو برابر کھینچ

کشتہ ہوں سرد مہریِ جورِ بتاں کا میں
ہر روز برف پڑتی ہے میرے مزار پر

بیٹھا ہوا ہوں سایۂ [illegible]
آنکھیں لگی ہوئی ہیں بری بام

تشبیہ کیسے دوں ترے قامت [illegible]
اے غنچہ قد! نہیں قدِ سروِ چمن دراز
راز رقیب، رازِ صنم، رازِ بے کسی
سینے میں میرے کچھ نہیں لیکن یہ چند راز

اس دستِ نارسا کی رسائی نہ پوچھئے
حسرت ہے پہنچا شیخ کی ریشِ دراز تک

جو گرے برق پہ خود ہی یارب
آشیاں ایسا کہاں سے لاؤں؟

ناوک نہیں یہ میرے دلِ داغدار میں
گل رو مچل رہا ہے کوئی لالہ زار میں
ہر وقت جنسِ دل کی خرید و فروخت سے
منڈی لگی ہوئی ہے عجب کوئے یار میں

"واہ" بام پر سے کرتے ہیں
"آہ" میں زیرِ بام کرتا ہوں

دستِ جنوں فصلِ بہاراں سے بے عمل
ہوتے ہیں روز چاک گریباں نئے نئے

بہت کام آتی ہے یہ روسیاہی
کہ ڈھک جاتے ہیں سب عیب اپنے

[illegible] ہے، اس میں ناز نہیں
ناز والا نیاز کیا جانے

[illegible] ہے شوقِ شہادت میں باغ باغ
[illegible] ہیں آج ہیں وہ خنجر لئے ہوئے
[illegible] بت کافر کی یاد نے
بیٹھا [illegible] بادۂ احمر لئے ہوئے

اک جستجوئے خام اِدھر بھی ہے اُدھر بھی
دل گم ہے اِدھر میرا اُدھر اُن کی کمر بھی

یہ تو تھی آپ کی غزل۔ اب ذرا آپ کی نظم بھی دیکھئے۔ آپ کا اصلی رنگ مثنوی ہے۔ آپ اپنے دور کے سب سے بڑے مثنوی نگار تھے۔ میر حسن کی مثنوی کے بعد اگر کسی کی مثنوی لائق، مقتا ہے۔ تو وہ آپ کی ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ آپ نے کل دس مثنویاں لکھی ہیں۔ آپ کی ہر ایک مثنوی آپ اپنی نظیر ہے بہت جگہ آپ کے اشعار پر "بدر منیر" کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ بے تعدیل جب منظر کی تصویر کھینچنے قلم بدست بیٹھتے ہیں تو معمولی سے معمولی جزئیہ بھی اُن کی نگاہ سے نہیں بچتا۔ جب دراصل، گرد و پیش اور ماحول کی ایک ایک چیز کو بیان کرتے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ اشعار میں بے ربطی، ثقالت، بے لطفی، بدمزگی اور تنافر پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہی نظم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اظہارِ مفہوم کیلئے بہتر سے بہتر، لطیف سے لطیف اور نرم سے نرم الفاظ لاتے ہیں۔ خواہ مضمون کی نوعیت لطیف ہو یا کثیف اور یہ خاص سلیقہ آپ کو قدرت کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔

شام کا وقت ہے۔ سورج غروب ہو رہا ہے۔ رات کی سیاہی دنیا پر اپنا قبضہ جمانے جا رہی ہے۔ یہ سماں بے تعدیل شاہ نے اس طرح منظوم کیا ہے ؎

نزدیک غروب کے ہے سورج،
رخصت ہوئی دن کی ساری سج دھج
پھیکی پڑنے لگی ہے اب دھوپ
وہ رنگ ہی اس کا اب نہ وہ روپ
سائے بھی طویل ہو رہے ہیں
بالشت تھے، میل ہو رہے ہیں
ہونے لگا کاروبار سب بند
ہیں سست وہ تھے جو چاق چوبند
سورج ہے غروب ہو چکا اب
ہیں اپنے گھروں کو جا رہے سب
آتی ہے اذان کی صدا بھی
اور بجتی ہے مندروں میں گھنٹی
چھا جائے گا ہر طرف اندھیرا
اور کھائیں گے لوگ سارے کھانا
چمگادڑیں اب کہیں سے آ کر
پھڑ پھڑ سی کریں گی باہر اندر
اور بچے کہانیاں سنیں گے
سو جائیں گے یونہی سنتے سنتے
جگمگ جگمگ کریں گے تارے
سو جائیں گے دنیا والے سارے

آپ کی ایک مثنوی "مہ رخ" "بدر منیر" کا مقابلہ کرتی ہے۔ مہ رخ ہیروئن کا نام ہے۔ ہیرو کا نام بدر الزمان ہے۔ جو بڑی مشکلات کا سامنا کر کے [illegible] کو ایک دیو کے پنجۂ ہوس سے چھڑا کر لاتا ہے۔ راستے [illegible] جب دونوں ایک جنگل میں آرام کرنے کیلئے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوتے ہیں۔ تو [illegible] دو اُلو بولتے [illegible]

مرغ۔ جید التسان سے جو جانوروں کی بولی سمجھتا ہے پوچھتی ہے۔ کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں تو جید التسان یہ جواب دیتا ہے ـــ

بے دونوں میں سے ایک اُلو کہے:
"مسافر ہیں اِس پیڑ کے جو تلے
ہیں اُن کیلئے رہ میں خطرے بڑے
ہے خبر اسمیں گر ہوں ابھی، ڈھونڈ لے"
یہ ہے دوسرا اُلو کہتا "بتاؤ
نہ ہو سکتا ہے اِن کا کیسے بچاؤ؟"
یہ کہتا ہے پہلا "سنو ہم کو ساں
ابھی چاہیئے اِن کو چھوڑیں رواں"
یہ ہے دوسرا کہتا "اچھا، بھلا
بتاؤ انہیں رہ میں خطرے ہیں کیا"
تو ہے پہلا دیتا یہ اِس کا جواب
کہ سن لے مری جاں تو سن لے شتاب
کہ دور اِس جگہ سے کوئی کوس تین
پرانا سا ہے اک درخت حسین
یہ پھر دوسرا پوچھتا ہے بتاؤ
کہ ہو سکتا ہے اِن کا کیسے بچاؤ"
یہ کہتا ہے پہلا "انہیں چاہیئے
کہ گھوڑے دوڑا کر تیز کریں بڑے"

. . . .

. . . .

آپ کو مثنوی کے اِن چند شعروں سے اِس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کہ بے عدیل مثنوی کی صنف پر کتنی زبردست قدرت رکھتے تھے۔ اور مناظر کی تصویر کشی میں کس تعمق اور امتحان سے کام لیتے تھے۔ آپ کی مثنویوں میں روانی حد سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ دریا ہے جو بہتا چلا جا رہا ہے۔ اور اپنے ساتھ بعض اوقات خس و خاشاک کی طرح ضرورت کو بھی بہائے لے جا رہا ہے

بے عدیل شاہ کی شاعری اُن جدید شاعروں کیلئے مشعل راہ کا کام دیگی [illegible] یا بہت ضروری سمجھتے ہیں" اور نہ ہی جن [illegible] کوئی تخیل ہے جنہیں نظم اور نثر میں ذرہ بھر بھی تمیز نہیں۔ جو آورد پر آمد کو ترجیح دیتے ہیں۔ جو شعر و ادب کو ماحول کا ترجمان بنانا چاہتے ہیں اور جو شاعری کو صحیح معنوں میں شاعری بنانا چاہتے ہیں۔ جدید شاعری جو خلوص، اظہار، جامع و اختصار آمیز اندازِ بیان کی حامل ہے اور جو پیش پا افتادہ ترکیبوں، استعاروں اور تشبیہوں اور سطحی جذبات سے اپنا دامن آلودہ نہیں کرتی۔ اور سب سے بڑھ کر زندگی کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر یہ "افسوسناک مذاق" نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر قیامت تو یہ ہے۔ کہ اِس "بھونڈے مذاق" کو لوگ ترقی یافتہ شاعری کہتے ہیں۔ اور حیرت ہے۔ کہ اچھے خاصے سمجھدار اِس "گندے" نالے کی رَو میں بہہ جاتے ہیں۔ "کیا قیامت ہے ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے"۔ اے خدا! تو کیوں اِن لوگوں سے وہ قلم نہیں چھین لیتا۔ جو یہ بیچاری شاعری کے پیچھے لئے پھرتے ہیں!

ضرورت ہے اور اشد ضرورت ہے۔ کہ بے عدیل جیسے گمنام باکمال شاعروں کی۔ انہیں عوام سے متعارف کرایا جائیگا۔ تاکہ لوگوں میں برے بھلے اور کھرے کھوٹے کی تمیز پیدا ہو ـــــ انہیں کھچڑی کی طرح اُچھالا جائے گا۔ تاکہ جدید شاعری کا فتنہ" اُن [illegible] کر رہ جائے۔ اور اردو صحیح ادب سے محروم ہو [illegible]

نجم رحمانی ایم اے

بہار

ذرہ ذرہ گلستاں کا آئینہ دارِ بہار
فرطِ حیرت سے دہانِ گل میں ہے انگشتِ خار

ہر طرف شمشاد مصروفِ تبسم صف بصف
سُو بسُو سروِ سہی قامت قطار اندر قطار

ٹہنیوں پر لغزشیں صدقے نچھاور مستیاں
پتیوں پر جنتیں قربان فردوسیں نثار

ذرہ ذرہ کشورِ تنویر کا ماہِ جبیں
غنچہ غنچہ عالمِ کشمیر کا پروردگار

ٹہنی ٹہنی بارِ گل سے رشکِ محرابِ ہلال
جس طرح جھک جائے محفل میں نگاہِ شرمسار

سبزۂ خوابیدہ میں بیداریوں کا اضطراب
سینۂ دوشیزۂ فطرت پہ غنچوں کا ابھار

کوثر و تسنیم کے ہونٹوں پہ شگوفوں کی ہنسی،
انجم و خورشید کے چہروں پہ کلیوں کا نکھار

بن رہا ہے غازۂ حسنِ ازل رنگِ چمن
چھن رہی ہے دامنِ نکہت میں شبنم کی پھوار

بلبلوں کے سانس میں خاصیتیں اکسیر کی
معدنِ زر بن گیا ہر سینۂ گل کا غبار

مستیوں میں غرق متائے ہوئے موروں کا رقص
بے خودی میں شوق کی ڈوبی ہوئی صوتِ ہزار

قطرۂ شبنم انہیں کہئیے نہ ہیروں کی کنی
گر پڑا ہے کہکشاں کا ٹوٹ کر گلشن میں ہار

دامنِ آبِ رواں پر یوں رواں موجِ نسیم
جسطرح آئے تصور میں کوئی مستانہ وار

گو بعید غیظ و غضب طوفان رنگ و بو اٹھا
کشتیاں تو تنگ ہی جائیں گی گریبانوں کی پار

سبزۂ مستانہ موجِ مے جمالِ ماہتاب
لے رہا ہے کروٹیں ہر سمت حوروں کا شباب

دھیمے دھیمے چھیڑ دیں آؤ ربابِ آبشار
برق پر ہے سکوں سیماب پر چھائے قرار

گنگنا اور صبح کے آغوش میں یوں گنگنا
جھوم کر کوئل الاپے جیسے ساون میں ملہار

گدگدا دے یوں ترانوں سے فضا کے ابھریں
کھل کھلا اٹھے ربابِ زندگی کا تار تار

بالتسلسل اسطرح معصوم نغموں کا نزول
وحی اترے جس طرح دوشِ مشیت پر سوار

عارفانِ علمِ موسیقی کے دل پر ایک تیر
تیر بھی وہ تیر جس سے طائرِ سدرہ شکار

بجلیاں کوندیں اسے وہ جھوم کر بادل اٹھے
دے ثبوتِ زندگی اٹھ زاہدِ شب زندہ دار

جبہ و دستار کیسے یہ وظائف تا بکے
اور وظائف وہ کہ جن کا انگلیوں پر ہو شمار

برگِ گل، نورِ شفق، قوسِ قزح، رنگِ شہاب
سب کا خالق ہے مری صہبائے گلگوں کا بخار

وقتِ مے نوشی ہے اٹھ پیمانے کو گردش میں لا،
ایسی گردش جس پہ صدقے گردشِ لیل و نہار

صرفِ مستی ہو حجابِ حرمت و حلت اٹھا
مفت کی ملتی نہیں ظالم تو پی لے کر ادھار

مستیوں میں جذب کردہ شام کی رنگینیاں
نذر دے جسکو شفق سورج کا جام زرنگار

صبح کے ساغر میں جوشِ آتشِ سیال ہے
گھول کر تو پی بھی جا ایسے میں تاروں کے شرار

تو بھی دے ایک انگڑائی میں قیدِ کفر و دیں
یہ وہ ترشی ہے کہ جم سکتا نہیں رنگِ خمار

گر میسر لطف آزادی۔ آزادی نہیں،
نغمۂ شادی یقیناً نغمۂ شادی نہیں

فیض جھنجھانوی

عزمِ بیکراں

یارک شائر انگلستان کا ایک ضلع ہے۔ وہاں کا ایک پچیس سالہ جوان ماریس ولسن ہوائی جہاز چلانے کا بہت شوقین تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں اس نے تن تنہا ہوائی جہاز چلانے کا امتیازی انعام بھی حاصل کیا۔ اس کے بعد اس نے تہیہ کیا۔ کہ ایک پرانے ہوائی جہاز جیسی ماتھ میں بیٹھ کر کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ پر پہنچے۔

اس سے کچھ مدت پہلے ہاؤسٹن کی مہم ایورسٹ کی بلندیوں پر پرواز کر چکی تھی۔ مگر ولسن کا ارادہ تھا۔ کہ جس قدر اونچائی پر اترنا ممکن ہو۔ وہ جہاز پر بیٹھ کر وہاں اترے۔ اور وہاں سے آگے پیدل چل کر چوٹی پر پہنچے۔ اس کا دعوےٰ تھا۔ کہ مجھے ہندوستان کے یوگیوں کی طرح سانس روکنے کے ایک خاص طریقے کی مشق ہے۔ اور اس طریقے کی بدولت میں آکسیجن کا سامان اور دوسرے آلات سائنس ہمراہ لے جانے کی زحمت سے بچ جاؤں گا۔ ابھی وہ یارک شائر میں تجربے ہی کر رہا تھا۔ کہ اسکا ہوائی جہاز کسی چیز سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔

جہاز ٹوٹ گیا۔ مگر ولسن کا حوصلہ نہ ٹوٹا۔ اور وہ اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن مصروف رہا۔ آخر ۱۹۳۳ء کے اوائل میں وہ ہندوستان پہنچا۔ اب دقت یہ پیش آئی کہ حکومت نیپال نے اس کو اپنے ملک پر پرواز کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ مایوس تو ہوا۔ لیکن تسخیر ہمالہ کا خبط دماغ سے نہ گیا۔

چنانچہ سال بھر وہ یوگیوں کے ہمراہ دارجیلنگ کے گرد و نواح میں رہا۔ اور حبس دم کی مشق کرتا رہا۔ تاکہ وہ آکسیجن کی ضرورت سے بے نیاز ہو جائے۔ انجام کار وہ اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔ اور تجربہ کار رہنما کی ہمراہی میں وہ ممنوعہ ملک کی حدود میں جا داخل ہوا۔ رانگ بک کی بدھ خانقاہ سے جو اس کی مہم کا آخری پڑاؤ تھی۔ تین قلی ہمراہ لے کر وہ آگے روانہ ہوا۔

برف بستہ رستانوں کو عزم و استقلال سے طے کرتے ہوئے وہ بیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گیا۔ شدائد سفر نے اس کے ساتھیوں کو اس قدر مضمحل کر دیا تھا۔ کہ انہوں نے آگے جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ بلکہ اس کو بھی روکنے کی کوشش کی۔ مگر ع

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

پیکر عزم و استقلال ولسن نہ مانا۔ اور کہا۔ میں تو تنہا آگے جاتا ہوں۔ تم لوگ پندرہ دن تک میرا انتظار کرنا۔ پھر واپس چلے جانا۔ یہ کہہ کر وہ دلیرانہ اپنی منزل مقصود کو روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہ لگا۔

آخر ۱۹۳۵ء میں ایرک شپٹن کو جو انگلش مہم ایورسٹ کا ایک رکن تھا اکیس ہزار فٹ کی بلندی پر اس کی لاش ملی لاش کے قریب ہی اس کا کیمرا اور ریشمی یونین جیک جسے وہ ایورسٹ پر گاڑنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پڑے اس کی شجاعت و پامردی کی شہادت دے رہے تھے۔ اس کا روزنامچہ ۳۱ مئی ۱۹۳۴ء تک مکمل تھا۔ اور اس میں آخری اندراج یہ تھا۔ OFF AGAIN, GLORIOUS DAY.

"دن شاندار ہے۔ پھر آگے روانہ ہوتا ہوں"

(الیاس بی اے)

پھول

باغِ جہاں کی سیر کر رہا ہوں۔ اِدھر اُدھر چاروں طرف رنگین پھول کھلے ہیں۔ میں اُنکی بہار دیکھ رہا ہوں۔

دل نے ایک پھول پسند کیا کانٹوں بھری شاخ سے اُسے نکال کر اپنے دل پر لگا لینا چاہتا ہوں شاید میری بے چین طبیعت اور اُجڑے دل کو اِس سے قرار حاصل ہو۔ اور میرا دل بھی مسرتوں سے باغ باغ ہو جائے۔

میرا بیقرار ہاتھ پھول کی طرف بڑھا ہی تھا۔ کہ ایک غیبی آواز کو سنکر دم میں رک گیا!

نادان بشر! جس خوش رنگ پھول کو تم نے اپنی محبت کیلئے انتخاب کیا ہے۔ کیا رنگ و حُسن کیساتھ اُس میں خوشبو بھی ہے یا نہیں؟

صورت کے ساتھ سیرت بھی ضروری ہے!

اگر اِس میں سیرت نہیں، خوشبو نہیں، بوئے وفا نہیں تو یہ ایک بیکار چیز ہے۔ ایک جسم ہے بغیر رُوح کے۔ اپنا ہاتھ روک لے۔ کانٹوں میں اپنے ہاتھوں کو اُلجھا کر زخمی نہ کر۔ اپنے دل اور اپنی نظر کی حفاظت کر —— اور . . . .

کسی بے وفا کو پیار نہ کر ——!!

عبدالمالک

حشرِ خراماں

(سروش عسکری طباطبائی)

کون آرہا ہے حسن کا طوفاں لئے ہوئے
عارض میں جلوۂ مہِ تاباں لئے ہوئے

قامت میں موجزن کئے اک آبشارِ نور
شانوں پہ ایک ابرِ پریشاں لئے ہوئے

آغوش وا، ترانۂ لب میکدہ بدوش
رنگ و شرابِ شعر کا طوفاں لئے ہوئے

داماں نادریدہ و بندِ قبائے چست
درسِ جنون و چاک گریباں لئے ہوئے

نظروں میں طائرانِ سبک سیر پرفشاں!
آنکھوں میں آہوانِ گریزاں لئے ہوئے

گیسوئے تابدار و جبینِ عرق عرق؛
آذرکدے کی شانِ چراغاں لئے ہوئے

رخسارِ شعلہ بار و نگاہ شرر فشاں!
آتشکدے کا حسن فروزاں لئے ہوئے

سینے میں جوش زن کئے اک سیلِ آتشیں
آنکھوں میں ایک شعلۂ رقصاں لئے ہوئے

قشقے کی چھوٹ جسم کے نازک خطوط میں
قوسِ قزح کے رنگ فراواں لئے ہوئے

کیفیتیں جبیں میں طلوع و غروب کی
انوارِ صبح و شامِ بہاراں لئے ہوئے

ہونٹوں میں سرخیاں بھرے لعل مذاب کی
رخسار میں شراب کا طوفاں لئے ہوئے

سانسوں کے جزر و مد میں چھپائے کسی کا بھید
جذبات میں تلاطمِ پنہاں لئے ہوئے

آئی ہوئی سی ہونٹوں پہ رہ رہ کے دل کی بات
نظروں میں ایک رازِ گریزاں لئے ہوئے

ہلچل میں ولولوں کی تخیل عصمت خیال
جھونکوں میں ایک شمعِ فروزاں لئے ہوئے

نظروں میں تولتا ہوا کل کائنات کو،
نوکِ مژہ پہ عالمِ امکاں لئے ہوئے

آمد کسی کی اور بایں حشرِ دلبری،
اٹھو مستانہ وش نذرِ دل و جاں لئے ہوئے

مجبوُر

افسانہ

میں سادہ حسینہ بیٹھ بیڈ روم میں ڈرائنگ گاؤن پہنے پلنگ پر بیٹھی ہے ۔ سامنے ایک ۲۲ سالہ جوان منہ میں پائپ لئے بار بار کش لگا رہا ہے گھڑی سات بجے کو جاتی ہے ۔ تو دونوں چونک پڑتے ہیں

حسینہ ۔ (پہلے گھڑی کی طرف پھر نوجوان کی جانب دیکھ کر) "آخر تم نے کیا طے کیا ؟ میں تو اس موجودہ زندگی سے تنگ آگئی ہوں آخر تم کب تک کسی غلطی میں مبتلا رہو گے ؟"

نوجوان ۔ (ٹھنڈی سانس لیکر آنکھیں بند کر کے سر کو پیچھے کی جانب لے جاکر) کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا عجیب پیچیدہ مسئلہ ہے "

حسینہ ۔ تمہیں میری تجویز پسند نہیں ؟

نوجوان ۔ کیا ؟

حسینہ ۔ یہی کہ تم نوکری چھوڑ دو

نوجوان ۔ اور تم ؟

حسینہ ۔ نہیں دوسری جگہ بھی ایسی نوکری مل سکتی ہے ، رہا میرا سوال تو اسے میں خود حل کر لوں گی ۔ صرف ہمت درکار ہے ۔

نوجوان ۔ ہمت کی کوئی بات نہیں ۔ صرف یہ خیال ہے ۔ کہ جو قدم اٹھایا جائے خوب سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے مگر اس نتیجے کو بھی جانتی ہو ؟

حسینہ ۔ بخوبی ۔ مجھ سے اس کا کوئی پہلو کوئی پوشیدہ نہیں ۔ گذشتہ چار سال کی مدت میں میں نے اس کا جس قدر مطالعہ کیا ہے ۔ شاید ہی کسی نے کسی کا مطالعہ کیا ہو "

نوجوان ۔ آخر تم وہاں سے بھاگ کیسے سکتی ہو ؟ تمہیں معلوم ہے کتنی کڑی نگرانی قائم ہے ۔ اس کے علاوہ ملحد بلوار اور کمانیاں . .

حسینہ (قطع کلام کرتے ہوئے) اس کو مجھ پر چھوڑ دو ۔ کسی کو خبر نہ ہوگی ۔ اور میں باہر پہنچ جاؤں گی ۔ اب وہاں سے کہاں جانا ہوگا ۔ اور کیسے جانا ہوگا ۔ اس کے ذمہ دار تم رہو گے ؟ میں اب یہاں نہیں رہ سکتی .... آخر تم ہو کس فکر میں ؟

نوجوان ۔ نہیں ۔ مجھے کوئی فکر نہیں مجھے فکر کرنے کی ضرورت کیا ہے ؟

حسینہ ۔ تم مجھے برابر مشتعل کرتے رہے ہو کہ اس جہنم میں کیا پڑی ہو ۔ یہاں سے باہر نکل کر دنیا دیکھو لیکن آج جب میں یہاں کے عیش و آرام ۔ محل و دولت ۔ اقتدار و اختیار سب کو ٹھکرا کر تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں ۔ تو دیکھتی ہوں ۔ تم ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں آخر بات کیا ہے ؟

نوجوان ۔ میرا خیال ہے ۔ جس طرح تم نے چار سال کا طویل زمانہ گذارا ہے ۔ کچھ دن اور صبر و ضبط سے کام لو ....

حسینہ۔ آخر اس کی وجہ؟

نوجوان۔ میں آج کل جس ایجاد میں منہمک ہوں۔ وہ چند روز میں درجۂ تکمیل کو پہنچ جائیگی۔ اس وقت مجھے کافی آمدنی ہونے لگیگی۔ اور میں تمہیں لیکر جہاں بھی رہونگا۔ تمہاری راحت و آسائش میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی

حسینہ۔ (برہم ہوکر) ایجاد و ایجاد سنتے میرے [illegible] گئے۔ میں پوچھتی ہوں۔ زندگی مقدم ہے یا [illegible]یاد؟ اور تم محبت پر دولت کو ترجیح دیتے ہو۔ یا دولت پر محبت کو۔

نوجوان۔ میں جانتا ہوں۔ کہ قابل ترجیح دولت نہیں محبت ہے۔ لیکن محبت کو کامیاب و خوشگوار بنانے کیلئے بھی تو روپیہ ضروری ہے۔

حسینہ۔ (اسی برہم انداز میں) میں یہ نہیں مانتی۔

نوجوان۔ تم اس لئے نہیں مانتیں کہ تمہیں روپے پیسے کی کبھی محتاجی نہیں ہوئی۔ تمہاری ہر فرمائش زبان پہ آنے سے پہلے پوری ہوجاتی ہے۔ تم کیا جانو۔ روپے پیسے کی دشواریوں کو۔ اس کا حال تو تمہیں اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم اس گھر کو چھوڑ دوگی۔

حسینہ۔ (آزردہ ہوکر) تو یوں کیوں نہیں کہتے کہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔

نوجوان۔ تم تو ناحق کا رنج کرتی ہو۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا۔ کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ اس بنا پر کہ میں تم سے محبت نہیں۔ میں تو یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ کہ بیسویں صدی میں مال و دولت کو کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تم اور باتوں کو جانے دو۔ اپنی ہی حالت پر غور کرو۔ آخر ایک بوڑھا تمہارا مالک کیسے بن گیا؟ پیسے ہی کے زور سے تو؟ اب تمہاری حیثیت اس کی ایک لونڈی۔ اس کی تفریح کی ایک چیز اور اس کے مکان کی ایک چیز اور اس کے مکان کی ایک آرائش سے زیادہ کیا ہے؟ اور یہ سب محض اس لئے کہ وہ روپے والا ہے

حسینہ۔ اگر تمہیں ایسی باتیں کرنی تھیں۔ تو یہاں آنا ہی نہ تھا۔

نوجوان۔ نیلا تم میری بات نہیں سمجھتیں۔ میں کہتا ہوں۔ جو کچھ کہا جائے۔ خوب سوچ سمجھ کر کیا جائے جیسے چار سال گذرے ہیں۔ ویسے ہی چند روز اور سہی میری یہ ایجاد تکمیل پذیر ہوگئی۔ تو میرے پاس دولت و ثروت، قدر و عزت سبھی چیزیں ہو جائیں گی۔ اسوقت تم جہاں بھی کہوگی۔ میں تمہیں بآرام رکھ سکونگا۔ تم جانتی ہو۔ میں کیا چیز ایجاد کر رہا ہوں؟ میں ایک ایسی دوا بنا رہا ہوں جس سے انسان طویل العمر ہو جائے۔ اور دنیا میں مدت مدید تک عیش و عشرت کی زندگی گذار سکے۔ بوڑھا اس لئے دولت کو پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ اور اگر میں اپنے لئے الگ لیبورٹری بناتا ہوں۔ تو اس میں لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں۔ اس لئے جب بوڑھے کو اس کا شوق پیدا ہوگیا ہے۔ تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے"

نیلا۔ (غصے سے بیتاب ہوکر) دولت و ثروت! قدر و عزت! کیا یہاں میری کم قدر و عزت ہے؟ کیا یہاں میرے لئے دولت و ثروت کا فقدان ہے؟ چاہوں تو بوڑھے سے ٹکڑے چھٹوا سکتی ہوں۔ مگر میں! میں تو ایسی زندگی سے تنگ آگئی ہوں۔ مجھے قدر و عزت اور دولت و ثروت کی ضرورت نہیں۔ میں آزادی کی متمنی ہوں۔ آزادی کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں اس بوڑھے کھوسٹ کی قید سے رہائی کی خواہشمند ہوں۔ جو میرے ساتھ حیوانی سلوک کرتا ہے۔ جس کے اشاروں پر میں رقص کرتی ہوں۔ جسے دیکھ کر مجھے زبردستی ہنسنا پڑتا ہے۔ اپنی حرکت و رفتار اور انداز و گفتار میں کشش

جاودیری پیدا کرنی پڑتی ہے۔ نگاہوں سے پیغام کیف و
نشاط دینا پڑتا ہے۔

نوجوان۔ جانتی ہو۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ بوڑھا دولتمند ہے۔ اور تم نہیں۔ اگر اس کی طرح تم بھی دولتمند ہوتیں۔ تو تم کو بھی ہر معاملے میں آزادی حاصل ہوتی۔ آزادی کیلئے دولت نہایت ضروری ہے۔ میرے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں۔ کہ میں اپنے مشاغل کو آزادانہ جاری رکھ سکوں۔ میں اسکا غلام ہوں۔ مجھے اس کے اشارے پر چلنا پڑتا ہے۔ ادھر اسے کھانسی شروع ہوئی۔ ادھر مجھے بخار چڑھنے لگا۔ آخر اس کی وجہ! وہ دولتمند ہے۔ اور میں تہی دست ہوں۔

نیلا۔ تو اسی لئے تم دولت پر مرتے ہو۔ میں کہتی ہوں۔ آج اس کی ملازمت چھوڑ دو۔ آج ہی آزاد ہو جاؤ گے۔

نوجوان۔ آزاد تو خیر کیا ہونگا۔ البتہ فاقہ کشی کی مصیبت میں ضرور مبتلا ہو جاؤنگا۔

نیلا۔ (بگڑ کر) تو مجھے کوئی ایسی دوا دے دو۔ جو میری اس اذیت ناک زندگی کا خاتمہ ہو جانے۔ ہے کوئی تمہارے پاس ایسی پڑیا؟

نوجوان۔ "تمام دنیا اپنی عمر میں اضافہ کرنا چاہتی ہے۔ لاکھوں روپے صرف اس غرض سے خرچ کر دیتی ہے۔ کہ کچھ سیکنڈ کیلئے اس کی زندگی اور بڑھ جائے اور تم ہو کہ اس نوعمری ہی میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہو۔ کتنے تعجب کی بات ہے؟"

نیلا۔ لیکن اگر میری جگہ تم ہوتے۔ تو تمہیں تعجب نہ ہوتا۔ جانتے ہو۔ اگر میری جگہ تم ہوتے۔ تو اس بڈھے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکتے۔ لیکن یہ سوچ کر میں [illegible] میری ان تمام مصیبتوں کا باعث [illegible] کیلئے ترتیب دیتے

ہو۔ اور دوائیں تیار کرتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔ ورنہ تم بوڑھے کو کب کا ختم کر چکے ہوتے۔"

نوجوان۔ "مجھ سے یہ ناممکن ہے۔ میں ڈاکٹر ہوں میرا فرض انسانی زندگی کی حفاظت ہے۔ نہ کہ اسکی ہلاکت و تباہی۔۔"

(کمرے کے باہر سے کوئی کواڑ کو کھٹکھٹاتا ہے۔ نوجوان اٹھ کر دروازہ کھولتا ہے۔ اس گھر کی چالیس سالہ کی بوڑھی ملازمہ اندر داخل ہوتی ہے۔ نیلا کی نگرانی کا فرض اس کے سپرد ہے۔ وہ خود کسی زمانے میں یہاں [illegible] حیثیت سے رہ چکی ہے جس حیثیت سے اسوقت نیلا ہے)

بوڑھی عورت۔ "صاحب نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ وہ آج ٹھیک دس بجے ریڈیو پر [illegible] کریں گے۔ میں وقت مقررہ پر ریڈیو کھول دوں [illegible] آپ لوگ ان کی تقریر سن سکیں" (ایک کونے میں [illegible] ہوئے ریڈیو کو کھول کر) آپ کا کھانا؟"

نیلا۔ (ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر) "ابھی نہیں۔ ٹھہر کر کھاؤنگی" (بڑھیا کھڑی رہتی ہے) "تم جاؤ"

(بڑھیا چلی جاتی ہے)

(ریڈیو بولنے لگتا ہے) ایک بوڑھی گرجدار آواز سنائی دیتی ہے۔ آواز کے وزن اور کلام کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ بولنے والے کو اپنی بلند شخصیت کا کافی احساس ہے تقریر کے الفاظ سنائی دیتے ہیں ـــــ "جب تک ڈکٹیٹر شپ کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اور دنیا کے چپے چپے پر جمہوریت سایہ فگن نہیں ہو جاتی۔ امن وامان کا قیام دشوار ہی نہیں محال ہے۔ ہٹلر، مسولینی اور ٹوجو کی موجودگی میں دنیا کبھی اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی۔ دوسرے ممالک کو جانے دو۔ جرمنی، اٹلی اور جاپان تک کو امن [illegible] نصیب نہیں ہو سکتا۔ جس مقصد کیلئے [illegible]

نہیں اور دس برس بعد بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ دنیا کا کیا انجام ہوگا۔ جس انسان کو زبان کی آزادی معاشرت کی آزادی، اور عمل کی آزادی حاصل نہیں وہ حفاظت سے محروم ہے۔ ایسے انسان کو یا تو خود مرنا چاہیئے۔ یا اسے نیست و نابود کر ڈالنا چاہیئے جس نے اس کو غلام بنا رکھا ہو۔ میرا خود طرزِ عمل یہ ہے۔ کہ میرے نوکروں میں جو کام کرنا نہیں چاہتا اسے ایک مہینے کی تنخواہ دے کر آزاد کر دیتا ہوں۔ جو کام کرنے پر رضامند نہیں۔ اس سے کام لینا سراسر ظلم ہے۔"

دوشیزہ۔ "بس رہنے دو واہیات بند کر دو ریڈیو کو۔ (نیلا خود اٹھ کر ریڈیو بند کر دیتی ہے) ایک مہینے کی تنخواہ دے کر آزاد کر دیتا ہے احمق کہیں کا۔ (نوجوان ہے) اب تم صاف صاف بتاؤ۔ کیا کرنا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر۔ "تم کہو۔ لیکن یہی جو بھی قدم اٹھانا چاہیئے خوب سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیئے۔"

نیلا۔ جن لوگوں کے قدموں میں سوچ سمجھ کی بیڑیاں پڑی ہوں وہ کبھی کوئی قدم اٹھا بھی سکتے ہیں؟ میں نے تو آخری فیصلہ کیا ہے کہ میں بڈھے کی غلامی میں مرنا نہیں چاہتی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ تم بڈھے کی غلامی کو اس قدر عزیز کیوں رکھتے ہو؟"

ڈاکٹر۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم کتنے میں گزارہ کر سکو گی؟

نیلا۔ "صرف دو وقت کے کھانے پر، اس سے زیادہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

ڈاکٹر۔ تم نے میرے کمپونڈر کی بیوی کو دیکھا ہے؟

نیلا۔ ہاں

ڈاکٹر۔ تم جانتی ہو۔ اسے صبح سے شام تک کتنا کام کرنا پڑتا ہے؟ وہ صبح دس بجے سے پہلے کھانا پکا کر شوہر کو کھلا دیتی ہے۔ اور جب وہ ہسپتال آتا ہے۔ تو خود کھانا کھاتی ہے۔ برتن مانجتی ہے۔ اس کے بعد کپڑے بدل کر نرس کا کام سیکھنے جاتی ہے۔ شام کو پھر کھانا پکاتی ہے۔ اتنے ہی کاموں پر بس نہیں۔ کپڑے بھی دھوتی ہے اور ان پر لوہا بھی کرتی ہے۔"

نیلا۔ (خفا ہو کر) آخر ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟

ڈاکٹر۔ مقصد یہ ہے۔ کہ اگر میں بڈھے سے علیحدہ ہو کر تم سے شادی کر لوں۔ تو کچھ دنوں تمہیں بھی ایسی ہی زندگی گزارنی پڑے گی۔"

نیلا۔ (برہم ہو کر) تو یوں کہو۔ کہ تم مجھے یہ باتیں سنا کر خوفزدہ کرنا چاہتے ہو۔ تاکہ میں یہ کوئی قدم اٹھاؤں نہ تمہیں میرا ساتھ دینے پر مجبور ہونا پڑے۔ تم صاف کیوں نہیں کہتے۔ کہ تم بزدل اور خود غرض ہو۔ تم سمجھتے ہو۔ کہ تمہیں یہاں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ تو مجھے، تمہیں تو میرے ساتھ تفریح و دلبستگی کا موقع مل جاتا ہے۔ کبھی علاج و معالجہ کے حیلے سے اور کبھی صحت و مزاج پرسی کے نام پر۔ اسی لئے تو تم نے مجھے طرح طرح کی فرضی بیماریاں لگا رکھی ہیں۔"

ڈاکٹر۔ "تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو نیلا؟ تم میری باتوں کے بالکل غلط معنی لگا رہی ہو۔"

نیلا۔ تمہاری باتوں کے ان کے سوا معنی ہو ہی کیا سکتے ہیں؟"

ڈاکٹر۔ نہیں نیلا میرے متعلق تمہیں ایسی رائے قائم نہ کرنی چاہیئے۔

(باہر موٹر کے ہارن کی آواز سنائی دیتی ہے)

نیلا۔ (چونک کر) ارے بڈھا آ گیا کیا؟ اب کیا ہوگا؟

ڈاکٹر۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ تم لیٹ جاؤ۔ (جیب سے اسٹیتھسکوپ نکالتا ہے۔ نیلا جلدی سے لیٹ جاتی ہے)

"زور زور سے مصنوعی کھانسی کھانسنا شروع کردو"

(اسٹیتھسکوپ کانوں میں لگا کر نیلا کا ڈریسنگ گاؤن اور بلاؤز پیچھے سے اونچا کر کے) لمبے لمبے سانس لو۔ اور کھانسو

ہاں ٹھیک ہے۔ پریشانی کا اظہار ہونا چاہیئے۔ سر کے بال منتشر ہوں (نیلا ہاتھ سے سر کے بال پریشان کر دیتی ہے دروازے پر کھٹکھٹاہٹ ہوتی ہے۔ اور آواز سنائی دیتی ہے)

—— "کون ہے؟"

ڈاکٹر۔ "میں ہوں، کھولتا ہوں"

(ڈاکٹر نیلا کو اسی طرح چھوڑ کر کواڑ کھولتا ہے تقریباً ۵۰ برس کا ایک جسیم و تنومند آدمی اندر داخل ہوتا ہے۔ اس کے کھلے ہوئے چہرے اور ہاتھ سفید برص سے بدمنظر ہو رہے ہیں۔ وہ قیمتی سوٹ ٹائی اور ہیٹ پہنے ہوئے ہے۔ اس کے چلنے اور رفتار کے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اسے اپنی ذات پر اعتماد ہے۔ جیب میں چیک بک اور بٹوے میں روپے ہیں)

ڈاکٹر۔ "دروازہ بند کر دیجئے۔" (ڈاکٹر جلدی سے نیلا کے پاس آتا ہے۔ اسٹیتھسکوپ کو اس کی پیٹھ پر رکھتا ہے۔ نیلا کھانستی ہے)

"ہاں ذرا لمبے سانس لیجئے" (بوڑھا پاس کھڑا ہو کر دیکھنے لگتا ہے)

بوڑھا۔ "کیوں کیا بات ہے۔ طبیعت تو اچھی ہے ان کی؟"

ڈاکٹر۔ کھانسی آ رہی ہے۔ (نیلا کی پیٹھ پر اپنی بائیں ہتھیلی کو الٹی طرف سے رکھ کر انگلی سے ٹھونکنے لگتا ہے)

یہاں درد تو نہیں ہو رہا ہے؟"

نیلا۔ (ڈاکٹر کا ہاتھ کھسکاتے ہوئے) اس جگہ درد زیادہ ہے۔ (کھانسنے لگتی ہے)

ڈاکٹر۔ اچھا۔ (بلاؤز ٹھیک کر دیتا ہے)

بوڑھا۔ کوئی خاص بات تو۔۔۔۔۔۔"

ڈاکٹر۔ (بات کاٹ کر) نہیں کوئی تردد کی بات نہیں ہے۔ اس وقت مالش کرا دیں گی۔ صبح تک درد کی شکایت دور ہو جائے گی۔"

(نیلا اٹھنے لگتی ہے)

بوڑھا۔ ہائیں ہائیں۔ اٹھتی کیوں ہو [illegible] اسی طرح لیٹی رہو۔ (نیلا بستر سے لیٹ جاتی ہے) اور کوئی بات؟

ڈاکٹر۔ "نہیں ہم سب بیٹھے ریڈیو پر آپ کی تقریر سن رہے تھے۔ انہوں نے کہلا بھیجا تھا۔ کہ آج آپ کی تقریر ہے میں بھی ضرور آ کر سنوں۔

بوڑھا۔ اچھا تو تم نے بھی میری تقریر سنی؟

ڈاکٹر۔ جی ہاں۔ لیکن دورانِ تقریر ہی میں انہیں کھانسی آنے لگی۔ ورنہ اسپیچ بھی بہت اچھی تھی۔ اور فضا بھی خوب صاف تھی۔ لیکن ان کی کھانسی کی وجہ سے درمیان ہی میں ریڈیو بند کر دینا پڑا۔

بوڑھا۔ (اظہار تفکر کے ساتھ) عرصے سے ریڈیو والے مصر تھے۔ میں حیلے حوالے کر رہا تھا۔ لیکن بالآخر منظوری دینی ہی پڑی۔ انہوں نے موضوع کا انتخاب بھی مجھ پر چھوڑ دیا تھا (نیلا کی طرف رخ کرتے ہوئے) کیا مزاج ہے تمہارا؟ (نیلا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) زیادہ تکلیف تو نہیں ہے پیاری؟

نیلا۔ (مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ کچھ کھانسی آنے لگی تھی۔ (بتکلف کھانستی ہے)

ڈاکٹر۔ "فکر کی کوئی بات نہیں۔ کل تک کھانسی کی شکایت بالکل باقی نہ رہے گی۔ آپ درست فرما رہے تھے۔ کہ اگر انسان کام کرنے پر رضامند ہی نہ ہو تو پھر اس سے کام نہیں لیا جا سکتا۔

بوڑھا۔ ہاں ہمیشہ سے میرا یہی اصول [illegible]

کرتی ہیں جمہوریت کے۔ جس کیلئے ہم لڑ رہے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں اس روز کانگریس والے چندہ مانگنے والے آئے تھے۔ میں نے کہا میں تو جمہوریت کا حامی ہوں وہ بولے ہم بھی تو جمہوریت ہی کیلئے لڑ رہے ہیں۔ میں نے ایک لاکھ کا چیک کاٹ دیا۔

ڈاکٹر۔ ہاں میں نے اخباروں میں یہ خبر اور ساتھ ہی آپ کی تصویر دیکھی تھی۔

بوڑھا۔ میں اس طریقے کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی چار پیسے دے اور اخباروں میں اس کی تعریف اور تصویر شائع ہو جائے۔ میں نے تو اس لئے روپے نہیں دیے تھے۔ کہ میری فریادوں کا اخباروں میں ڈھنڈورا پیٹا جائے

ڈاکٹر۔ پھر بھی لوگوں کو اس کی اطلاع تو ہونی ہی چاہیئے

بوڑھا۔ اس کے بعد اس روز ڈپٹی کمشنر آیا کہنے لگا جمہوریت کیلئے فیصلہ کن جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اس جنگ میں جمہوریت کی ... بھی ... دی جائے کم ہے میں نے دو لاکھ دے دیے ... میں تو جمہوریت کیلئے ... قربان کرنے کو تیار ہوں (نیلا کھانسی کے ... کرنے کیلئے پھر کھانسنے لگتی ہے) ابھی تمہاری کھانسی رکی نہیں نیلا؟

نیلا۔ (بوڑھے کے سہارے بیٹھ جاتی ہے۔ اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے) کوئی مضائقہ نہیں۔

بوڑھا۔ میں ریڈیو سٹیشن سے تمہارے لئے ایک خوشخبری لایا ہوں۔ وہاں عورتوں کے پروگرام کے سلسلے میں ایک مشاعرہ ہونے والا ہے۔ کہو تو پریذیڈنٹ کیلئے تمہارا نام دے دوں (نیلا ... سناتی ہے) کیوں، وہاں جانے میں حرج کیا ہے۔ کملا بائی بھی وہاں آئے گی۔ تمہیں اس کا گانا کس قدر پسند ہے۔ اس سے مل بھی لینا۔

ڈاکٹر۔ ہاں ہاں ضرور جانا چاہیئے۔ دیکھئے میری دوا ... اس کی مالش ضرور کر لینا۔

بوڑھا۔ ابھی کھانا تو نہ کھایا ہوگا انہوں نے کھائیں یا نہیں؟

ڈاکٹر۔ کھانے میں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ جب تک آپ کے ساتھ نہ کھائیں گی۔ آپ کو لطف نہ آئے گا۔ لیکن انہیں کھٹی اور سرد چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے ——— اچھا تو اب میں جاتا ہوں۔ (بوڑھے کی طرف تبسم آمیز نظروں سے دیکھتا ہے۔ اور نیلا کی طرف معنی خیز نگاہوں سے، اور کمرے سے باہر نکل جاتا ہے)

بوڑھا۔ آخر تمہاری طبیعت خراب ہو گئی نا پیاری! اسی سے تو میں کہیں نہیں جاتا۔ کہ میں ادھر گھر سے نکلا ادھر تمہاری طبیعت خراب ہوئی (نیلا کی کمر میں ہاتھ حائل کر دیتا ہے نیلا اس کی ہتھیلی پر پشت ٹیک کر سر کو پیچھے کی طرف ... کے ہونٹوں میں مسکراتی ہے) تم نے میری اسپیچ سنی ...

نیلا تم اپنی آواز کو شیر کی طرح گرجدار کیسے ... ہو؟

بوڑھا۔ یہ خیال آتا تھا۔ کہ تم میری اسپیچ سن رہی ہو گی خود بخود میری آواز میں گرج پیدا ہو گئی۔ ہاں! یہ تمہیں کھانسی کیوں آنے لگی ہے؟

نیلا۔ کوئی خاص بات نہیں یونہی۔

بوڑھا۔ میں کہتا ہوں مالش والش کا جھگڑا چھوڑو دو گھونٹ برانڈی یا کوئی اور پورٹ وورٹ لے لو۔ ساری تکلیف کافور ہو جائے۔ جہاں طبیعت میں گرمی پیدا ہوئی کھانسی کا نام بھی باقی نہ رہیگا (چھت سے لٹکتے ہوئے الیکٹرک بیل کو دباتا ہے) ٹھہرو میں ابھی منگواتا ہوں۔ یہی بات تو یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر لوگ خواہ مخواہ انسان کو مریض بنا دیتے ہیں۔ ہے نا سچی بات؟

نیلا۔ (ہنستے ہوئے) اگر خواہ مخواہ بیمار نہ بنائیں تو ڈاکٹروں کا گذر کیسے ہو؟

(دروازہ کھلتا ہے اور پہلے والی بوڑھی عورت اندر داخل ہوتی ہے)

بوڑھا ۔ برانڈی اور پورٹ وورث بھیج دو جلدی سے (عورت چلی جاتی ہے) سنا نیلا؟ میں نے گلمرگ چلنا طے کیا ہے۔ آج کل وہاں بکثرت انگریز آتے ہیں۔ برف پر اسکیٹنگ ہوتی ہے۔ دو تین روز میں چلیں گے۔

نیلا۔ تو مجھے بھی چلنا ہوگا؟

بوڑھا۔ اور میں تم سے کہہ کیوں رہا ہوں؟ دیکھو جن جن چیزوں کی ضرورت ہو ابھی سے خرید کر لو۔ جو گرم کپڑے بنوانے ہوں۔ بنوالو۔ اس سال لیڈی مارس اور بڑے بڑے افسر جا رہے ہیں۔"

نیلا۔ لیکن ہمیں تو اسکیٹنگ نہیں آتی۔

بوڑھا۔ "اس میں کیا رکھا ہے۔ سیکھ لوگی۔"

(دروازہ کھلتا ہے۔ وہی بوڑھی عورت ایک پہیئے دار تپائی سی اندر لے آتی ہے۔ اس پر چند بوتلیں لمبی گردن والی ایک صراحی اور دو پیگ رکھے ہوئے ہیں وہ اس کے سامنے میز لگا کر جانے لگتی ہے)

بوڑھا۔ "ابھی ہم لوگ کھانا ٹھہر کر کھائیں گے (نیلا سے) سو خیر تو تمہیں فرصت کی چیزیں کل ہی خرید لینی چاہئیں۔

نیلا۔ "لیکن ——"

بوڑھا۔ لیکن کیا؟ (شراب انڈیلتے ہوئے) میں دستخط کر کے چیک دیدیتا ہوں۔ تم اپنی خواہش کے مطابق ضرورت کی چیزیں خرید لانا (ایک پیگ نیلا کے ہونٹوں سے لگاتا ہے۔ نیلا دو گھونٹ پی کر پیگ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہے) نہیں میں ہی پلاؤں گا۔

نیلا۔ "میں اپنے ہاتھ سے پی لونگی"

بوڑھا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ میرے ہاتھ سے پینا ہوگا (پیگ نیلا کے منہ کی طرف بڑھاتا ہے۔ وہ دانت پر دانت بٹھا لیتی ہے۔ بوڑھا اٹھ کر ایک ہاتھ سے اس کے رخسار دبا کر منہ کھولتا ہے۔ اور دوسرے ہاتھ سے شراب انڈیل دیتا ہے۔ نیلا سر ہلاتی ہے۔ تاکہ شراب منہ میں نہ جانے پائے) دیکھوں تم کب تک نہیں پیتیں میں پلا کر چھوڑ دونگا (نیلا نفی میں سر ہلاتی ہے) تو میں تمہیں اسی پیگ سے نہلا دونگا"

نیلا (ہنستی ہے بوڑھا اس کے سر پر پیگ الٹ دیتا ہے۔ شراب سے نیلا کی گردن اور سینہ تر ہو جاتا ہے)

نیلا۔ (ناز سے) یہ تم نے کیا کیا؟ میرا نیا بلاؤز چوپٹ ہو گیا (ڈریسنگ گاؤن کھول کر رکھ دیتی ہے۔ بلاؤز سینے کے اوپر تک تر ہے) نہیں۔ میں نہیں ..."

بوڑھا۔ "میں نہیں کیا معنی، میں نے کہہ دیا کہ تمہیں میرے ہاتھ سے پینا ہوگا"

نیلا "میں نہیں پیوں گی تمہارے ہاتھ سے"۔

بوڑھا "تمہارا بلاؤز خراب کر دوں گا۔"

نیلا۔ "نہیں نہیں"

بوڑھا۔ نہیں نہیں تو لو پھر (دوسرے پیگ کی شراب نیلا کے سینے پر ڈال کر بوتل اٹھاتا ہے۔ اور سے بھی انڈیلنا چاہتا ہے) اب بھی نہ مانو گی؟"

نیلا۔ ارے ارے یہ کیا!

بوڑھا۔ نہلا دیا اور کیا اپنی پیاری کو! (اپنے بازوؤں میں لے لیتا ہے) کتنی حسین معلوم ہو رہی ہو۔ میری نشے کی رانی!" +

(ہندی سے ترجمہ)

ایاں ہے۔ شفقت مرحوم کو تو اس ایک افسانہ سے
بس کے نام پر کتاب ہے) اتنا عشق ہو گیا تھا۔ کہ انہوں
۔ اس پر اپنی جان تک قربان کر دی۔ اور "جناب علوؔ"
کے الفاظ میں "متصل ریلوے اسٹیشن، عقب دھرم شالہ
لالہ کنھی لال (بریلی میں) جو بلند و بالا قبر تیار ہوئی ہے
وہ اسی غریب شفقت کی قبر ہے۔ جس پر "شہید بھی پوش"
کا کتبہ آنے جانے والوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ کر دو
دو آنسو نچھاور کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

مجنوں صاحب! "تم سلامت مرنے والے مر گئے"
آپ ان افسانوں کی دلگدازی اور گہرائی کا پتہ پڑھ کر ہی
لگا سکتے ہیں۔ بھی پوش کے مطالعے سے مرد مخلوط ہونگے
اس مجموعہ میں وہ چند بہترین نفسیاتی افسانے مطالعہ کریں گے۔
جن سے انکے علم و فضل میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

نراس از جناب نور الحسن صاحب [illegible]
قیمت ایک روپیہ چودہ آنے [illegible]
دی حیدرآباد بک ڈپو متصل اسٹیٹ بنک حیدرآباد [illegible]

نراس میں چھ افسانے درج ہیں۔ تمام افسانے [illegible]
ہیں۔ زبان سلیس اور شگفتہ ہے۔ اس مجموعہ میں پہلا افسانہ
مگر رفتہ بے حد موثر ہے۔ صرف یہی افسانہ اس مجموعہ کی جان [illegible]
نور الحسن صاحب کو چاہیئے۔ کہ افسانہ لکھتے وقت
وعظ و پند کے ابتدائی تعارفی صفحات کو شامل افسانہ نہ کیا
کریں۔ بلکہ خالص افسانہ پیش کر دیں۔ اس سے تاثرات
نیک و بد کا استخراج ناظرین پر چھوڑ دیں۔ اس مجموعہ میں
دو تین افسانے پلاٹ کی کمزوری کی وجہ سے پھیکے رہ گئے ہیں
بہ حیثیت مجموعی نراس قابل مطالعہ ہے۔ جس میں ہماری سوسائٹی
کی بہت سی خرابیاں اور رسم و رواج کی پابندیوں کو ایسے

[illegible] ہے۔ جس سے [illegible] محترم بنے
نہیں سکتا۔

پرتھوی ولبھ | سہراب مودی پکار جیسے شاہکار اور سکندر جیسی تاریخی عظمت کی تصویریں پیش کی ہیں۔ وہ پرتھوی ولبھ پر لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود ناکام رہی ہے۔ اور تصویر وہ رتبہ حاصل نہیں کر سکی جس کی وہ مستحق تھی۔

پرتھوی ولبھ کا افسانہ رومانی وجدانیات کی دنیا کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے جس میں کام دیو کی کرشمہ سازیاں لیے ہوئے ہیں۔ مسٹر سدرشن نے پُرزور مکالمے سے افسانہ میں رنگینی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ درگا کھوٹے اور سہراب مودی دونوں نے اپنے اپنے کمالات فن کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن اُن کے گرد و پیش جتنے کیریکٹر ہیں۔ وہ بے ضرورت اور بے جان ہیں۔ اُن کیلئے کہانی میں کوئی بھی مناسب اور نمایاں جگہ نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اصل افسانہ میں ٹھونس ٹھانس سے فالتو کیریکٹر پیدا کئے گئے ہیں۔ مگر وہ سب کے سب بیکار ثابت ہوئے۔ اس پر دو بڑے کیریکٹر کتنے ہی کامیاب کیوں نہ ہوں فلم کو انتہائی کامیابی کی منزل تک نہیں لیجا سکتے۔ اس لئے یہ دو کیریکٹروں کا ڈرامہ ناکام رہ گیا ہے۔

فلم میں گانے ناقابل توجہ۔ کشمکش اور ڈرامائی مواقع مفقود ہیں۔ اسلئے یہ فلم سکندر جیسی کامیابی بھی حاصل نہ کر سکے گی۔ ہمیں افسوس ہے۔ کہ مسٹر سہراب مودی فلموں کی یہ کوشش فلمی دنیا میں کوئی اچھا ریکارڈ قائم نہ کریگی۔

خط و کتابت کرتے وقت چِٹ نمبر کا ضرور دیا کریں

نقد و نظر

سمن پوش (افسانے) حجم ۱۴۴ صفحات۔ مجلد۔ گرد پوش سے آراستہ قیمت ۸ عہ
ملنے کا پتہ: مکتبہ خانہ علم و ادب دہلی۔

مجنوں گورکھپوری عام ادبی حلقوں میں آج بھی افسانہ نگار ہی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ حالانکہ ان کی بے لاگ ادبی تنقیدیں کچھ کم توجہ کی مستحق نہیں گذشتہ دس گیارہ سال سے وہ اس صنف سے لاپرواہ ہو گئے۔ اور اپنی تمام تر کوششیں صنفِ تنقید کیلئے بلند اور معیاری زمین پیدا کرنے میں صرف کر رہے ہیں جس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً اپنے بیشمار مجموعوں کے دیباچوں میں برابر کرتے آرہے ہیں۔

پیشِ نظر کتاب اب سے سات آٹھ سال پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اور یہ دوسری طباعت ہے۔ جسمیں جناب مجنوں کے پانچ رومانی افسانے شامل ہیں۔ اگرچہ ان افسانوں کے کردار، خصوصاً جنسِ لطیف کا تعلق ماورائی عالم سے ہے لیکن حضرت مجنوں نے دنیائے آب و گل سے ان کا ربط

[illegible] نہایت مناسب [illegible] آہنگ خصوصیات رنگ [illegible] ہوسکتا ہے کہ شروع میں دو مقدمے اور دو [illegible] افسانے بھی شامل ہیں۔ جو بجائے خود ادبی شاہکار ہیں۔

[illegible] کہ یہ رومانی افسانے ہیں۔ لیکن مجنون کے [illegible] تخیل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مجنون نے کبھی بھی محبت کے "مافوق الفطرت مجسمہ" کی پرستش نہیں کی ہے۔ بلکہ ہمیشہ اپنے تیز نشتروں سے اس کے پردوں کو چاک کرکے دنیا کے سامنے عریاں کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان کے افسانے پڑھ کر تلخی محسوس ہوتی ہے۔ اور نیاز صاحب کے الفاظ میں وہ "انسان سے عشق و محبت کا جذبہ چھین لیتے ہیں"۔ "سمن پوش" میں مجنون نے محبت کے خلاف صریح بغاوت کی ہے۔ اور اپنے ہر افسانے میں اس کی سنگدلی بے نقاب کردی ہے۔ لیکن ان قنوطیت پسند خیالات کے حامل ہونے کے باوجود یہ افسانے اتنے دلکش اور موثر ہیں۔ کہ آپ انہیں بغیر ختم کئے ہوئے نہ مانیں گے۔

سب سے بڑی خوبی جو مجنون کے افسانوں میں پائی جاتی ہے۔ اور جس کا عکس [illegible] میں بھی موجود ہے وہ یہ ہے۔ کہ وہ محبت کی نرم و نازک اور لطیف باتوں سے اپنا عنوان اٹھاتے ہیں۔ اور اسی شکر میں لپیٹ کر آپ کو کونین کی گولیاں بھی کھلا دیتے ہیں۔ جن کی تلخی آپ کے کام و دہن اسوقت محسوس کرتے ہیں۔ جب "محبت کے لیلا" کے حلاف "حقیقت کی کونین" کا اثر شروع ہو جاتا ہے

مجنون کے یوں تو تقریباً سارے افسانے ہیجانی ہیں۔ لیکن سمن پوش میں یہ معاملہ نہایت شدت سے

تازیانہ

... ہیں۔ لیکن ان سب سے ...

لیمیٹڈ بمبئی کا شاہکار

فیشن

بہ ہدایات

(قیدی کے خالق) الف حسنین

گیت و مکالمات علامہ آرزو لکھنوی

رائل سینما امرتسر میں بڑی کامیابی سے چل رہا ہے

کانپور۔ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ کراچی اور کوئٹہ کی پبلک اور پریس کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ

"فیشن" سال رواں کا حیرت انگیز اور انوکھا شاہکار ہے

موسیقی اسپیشل شانتی کمار

حسن آفرین موسیقی، بلند پایہ مکالمے، شاندار ہدایت کاری، پرسوز نغمات کا حسین مرقع

اداکاران

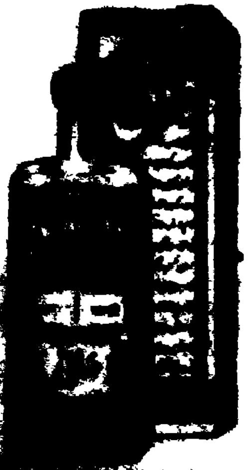
... اختر، چندر موہن، ببیتا دیوی، بدھو اڈوانی، کملا پرشاد، ایس نذیر ...

... ونسنٹ اسکوائر۔ دہلی

جدید سائنس کی ایک حیرت انگیز ایجاد!

خون کی صفائی کیلئے جلاب کی ضرورت نہیں رہی

خون کی صفائی کے لیے سب سے پہلے بڑے بڑے جلاب بے ضروری تھے لیکن جدید سائنس نے اس دشواری کو بھی دور کر دیا اب ہر سال ہندوستان کے لاکھوں آدمی صافی استعمال کرتے ہیں جو غیر محسوس طریقہ پر خون صاف کر کے جسم کو کندن بنا دیتی ہے اور تمام زہریلے مادوں کو خارج کر دیتی ہے جو موسم بہار اور موسم گرما کی حدت سے جسم سے ابل پڑتے ہیں صافی فی الحقیقت ایک ایسی دریافت ہے جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ یہ وہ کام کرتی ہے جو بڑے بڑے جلابوں سے ناممکن تھا صافی کا حیرت انگیز اثر ہے کہ گرم ہوا اور بیکار خون بھی بچوں کے خون کی طرح صاف ہو جاتا ہے فاسد مادے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں پھوڑے، پھنسیاں، مہاسے، داغ، دھبے اور پرانا نقص سب دور ہو جاتے ہیں۔ فساد خون کی تمام بیماریوں کا بہترین علاج ہے۔ رنگ خوب نکھر آتا ہے۔





صافی پاخانہ، پیشاب اور پسینہ کے ذریعہ سے خون کے زہریلے اور فاسد مادوں کو جسم سے نکال کر بیک وقت جوانوں، بچوں اور بوڑھوں کے لیے یکساں مفید ہے

قیمت، دس خوراک، صرف دس آنے

ہمدرد دواخانہ، دہلی

نیرنگِ خیال

مئی ۱۹۴۲ء

اس نمبر کے لکھنے والے

میر اصغر علی — مظفر حسین شمیم

اختر ملیح آبادی — ضیا فیض آبادی

اسرار احمد — پیام بی اے

شفیق بانو — ضمیر جعفری

نمر جمالی — شمسی مینائی — اصغر عثمانی


SHARBAT AKSIR
KHAS
شربت اکسیر خاص
ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

[illegible]

نیرنگ خیال لاہور

چندہ
[illegible]
بیرون ہند [illegible]
ممالک غیر ۱۰ روپے
فی پرچہ ۸ آنے

[illegible]

جلد ۲۱ | بابت ماہ مئی ۱۹۴۴ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

[illegible]

دیوانگی

سید جدیب حسن جدیب اصفہی

ہے [illegible] دانا جسکو تم سمجھے ہو دیوانا حبیب
تم بھی دیوانے ہو، سمجھے ہو جو دیوانا اسے

جنون یا دیوانگی کی کیفیت کو سمجھنے کیلئے ہمیں اِس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ کہ تمام ہی نوع انسان کا مرکزِ جستجو ایک ہی ہے۔ وہ کیا ہے؟ "اطمینان" یا "خوشی"۔ اوسط درجے کا متمدن انسان اِسی خوشی کی خواب دیکھتا ہوا اپنی موجودہ منزلِ ارتقا تک پہنچا ہے اور اِسی کا تصور اُس کو راہِ مستقبل دکھاتا چلا جائیگا۔ مناسب سا معلوم ہوتا ہے۔ کہ علم الحیات میں ہم اِس حصول "نفس مطمئنہ" سے تعبیر کریں۔

اگرچہ یہ بات عجیب سی ہی کیوں نہ معلوم ہو لیکن بغیر کہے بھی نہیں رہا جاتا کہ اگر ہم اِس کے متعلق تحقیقات کی کامیابی کو مدِنظر رکھ کر غور کریں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ تمام انسانوں میں دیوانے ہی حقیقتاً دانا ہیں مجتمع حالت میں وہ بیحد مطمئن اور خوش ہوتے ہیں ذرا آپ ایک بیت المجنونین میں کسی ایک ذہنی سی مالکِ ملک و دولت کا بحالتِ دیوانگی تصور تو فرمائیے محض امتحاناً ہی اگر آپ اسکے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کردیں۔ تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ دس لاکھ روپے کا ایک چک لکھ کر آپ کے حوالے کر دے یا اپنے ملک کا ایک صوبہ آپ کو عطا کردے۔ اِس کی اِس حرکت پر آپ تو ضرور متاسفانہ طور پر فرمائیں گے "بیچارہ خبطی ہے"۔ لیکن وہ اپنے خیال میں حقیقتاً بادشاہ [illegible]

دیوانوں کے دماغ بھی ہمارے ہی دماغوں کیطرح کام کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں توازن نہیں ہوتا۔ یا تو کچھ زیادتی ہوتی ہے یا کمی۔ ہماری طبائع کا قدرتی رجحان یہ رہتا ہے۔ کہ خوشگوار باتوں کو خوش آمدید کہیں اور ناگوار امور سے گریز کریں۔ اگر آپ اپنے ناگوار ترین تخیلات پر امتحاناً نظر بازپسیں فرمائیں۔ تو ان میں اکثریت ان تخیلات کی پائیں گے۔ کہ جنہوں نے مشیتِ خداوندی کے پردے میں گوشۂ اطمینان حاصل کرلیا ہے۔ ذرا عام ترین تخیلِ عسرت پر ہی غور فرمائے۔ کہ کسطرح بہ یک وقت دو متضاد جذبات حسرت و مسرت کا سرچشمہ بن سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ غریب ہوگئے ہیں تو بسا اوقات اپنے متعلقین و متوسلین کی مفلوک الحالی کا تکلیف دہ احساس آپ کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ سارے کنبے کی کفیل اپنی تنہا ذات کی بہادرانہ جانفشانی کا تخیل آپ کے دماغ سے قلب تک مسرت و طمانیت کی ایک لہر دوڑا دیتا ہوگا۔ حیاتِ انسانی کی اسی دو رُخی تصویر کو استادِ فلسفہ غالب نے کس خوش اسلوبی کیساتھ ایک شعر میں دکھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

اصولِ انبساطِ دوام ہی کلیدِ رازِ دیوانگی ہے۔ دیوانوں کا بہترین تخیل یہ ہے۔ کہ کلفت بھی راحت ہے [illegible] تو ہے ہی راحت۔ دیوانگی کی عام ترین قسم [illegible]

"ڈمنشیا پریکاکس" (Dementia praecox) ہے۔ جس میں مبتلا شخص تمام دن بیٹھا خود بخود باتیں کیا کرتا ہے اور کبھی کبھی ہنس بھی دیتا ہے گویا کہ وہ مکمل اطمینان کی دنیا میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگر اس کے متعلق اس سے دریافت کیا جائے۔ تو ممکن ہے۔ کہ وہ ایک عجیب طریقے سے بیان کرے۔ کہ اس کا اندرونی تمام جسم ٹھوس سونے کا ہے۔ یا یہ کہ وہ سیارۂ مشتری سے گفتگو کیلئے وائرلیس کا رابطہ (Radio contact) رکھتا ہے۔ مگر غور فرمائیے کہ وہ بالکل مطمئن اور خوش ہے۔ آپکے خیال میں جن خوابوں میں وہ اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ وہی خواب اس کے خیال میں بمقدر دل خوش کن حقائق ہیں کہ ان سے ایک لمحے کیلئے بھی محرومی اس کو ہرگز گوارا نہیں ہوتی۔ اور اسی وجہ سے اسکا مرض دیوانگی لاعلاج ہو جاتا ہے۔ وہ دیوانگی ہی میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ اور دیوانا ہی رہنا چاہتا ہے

سچ پوچھا جائے۔ تو دیوانوں نے زندگی کی گتھی کو سلجھا لیا ہے۔ آپ دولت کے متلاشی ہیں اور وہ دولتمند آپ قوت اور جبروت حاصل کرنے کے آرزومند ہیں۔ مگر ذرا اس بیچارے دائی ملک پر تو نظر فرمائیے کہ جس نے پاگل خانے میں بیٹھے بیٹھے دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) روپیہ کا چیک لکھ کر آپکے حوالے کر دیا۔ یا اپنی وسیع مملکت کا ایک صوبہ عطا کر دیا۔ چاہے آپ اس کا مذاق ہی کیوں نہ اڑائیں اور ہنس کر کیوں نہ فرما دیں۔ "مجنون ہے! خبطی ہے!"

مگر ذرا ٹھنڈے دل سے یہ تو غور فرمائیے۔ کہ آپ خود کن جذبات کے متلاشی رہتے ہیں؟ خوشی! اطمینان! مسرت سکون! کیا آپکو یہ میسر ہوئے ہیں؟ بے انتہا کوششوں کے باوجود کبھی کبھی صرف ایک دو لمحات کیلئے۔ لیکن اکثر بیشتر تو آپ کسی نہ کسی الجھن میں ہی رہتے ہونگے۔ اس کے برخلاف وہ ہمیشہ خود بخود اسقدر مسرور اور شاداں رہتا ہے۔ کہ بحالات بسیار وہ آپ سے بات کر کے اپنا وقت بھی ضائع نہ کریگا۔

الغرض کیا وہ عقلمند نہیں ہے؟ آپ محنت اور جفاکشی پر تلے ہوئے ہیں۔ تفکرات اور پریشانیاں آپ کی دامنگیر رہتی ہیں اور آپ چار و ناچار اس کٹھن راہ حیات سے ستا حالت عسرت میں گذر جاتے ہیں اب اس کو دیکھئے کہ کسی کام سے تو واسطہ نہیں ور پیٹ بھر کھانے کو ملتا ہے۔ ضوابط تمدن و معاشرت اسکی آنکھوں کی غیر معمولی چمک کے بالمقابل سرنگوں اور ہتھیار انداختہ ہیں۔ فکر کو تو وہ جانتا ہی نہیں کہ ہے کس چڑیا کا نام۔ ایک کروڑ پتی کی حیثیت میں رہکر وہ اس دنیا کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔ کیا تعجب ہے کہ وہ ہماری طرف دیکھ کر دل ہی دل میں کہتا ہو۔

"ارے کنگال خبطیو! میں ہی عقلمند ہوں"!

؎

ز ہشیاران عالم ہر کہ را دیدم غمے دارد
دلا دیوانہ شو، دیوانگی ہم عالمے دارد

نہایت ضروری اطلاع

افسانہ نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہوگی

[illegible]

نیرنگ خیال کا آئندہ نمبر افسانہ نمبر ہوگا۔ نیرنگ خیال کی تازہ اشاعت بابت ماہ مئی آپکے سامنے ہے۔ جون میں کوئی پرچہ نہیں شائع ہوگا لیکن جون جولائی کا مشترکہ نمبر افسانہ نمبر کی صورت میں آپکی خدمت میں پیش کیا جائیگا جسکا حجم ایک سو صفحہ ہوگا۔ اور جس میں ملک کے بہترین افسانہ نگاروں کے تازہ ترین افسانے شائع کئے جا[illegible]

قطعات

اصغر عثمانی

..... یہ میری زندگی کے ایک "ہنگامی سانحہ" سے متعلق ہیں۔ میرا نظریۂ حیات اگرچہ "ایک حد تک" رجائی ہے اور میں فطرتاً قنوطیت پسند نہ واقع ہوا ہوں۔ اور نہ ہی زندگی کی تلخیوں سے فرار حاصل کرنے کا قائل ہوں۔ لیکن اس "وقتی جذبہ" اور "نامعلوم احساس" کو کیا کروں۔ جو انکی تخلیق کے باعث ہوئے۔

میں دار الاقامت منزل (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی اس یاس انگیز (اور کبھی کبھی رنگین) فضا، کا بھی ممنون ہوں جہاں "بے دست و پا" میں نے زندگی کی چند خوشگوار اور تلخ ساعتیں بھی گزاری ہیں۔ شاید "وقار الملک ہال" کے صدر دروازے سے "نکلتے ہوئے چاند" نے میرے جذبات کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن "بادلوں کے ہجوم" نے اسے اپنی آغوش میں روپوش کرکے منور فضا کو تاریک کر دیا'

ا۔ ع

(۱)

روح فرسا کس قدر ہے یہ خبر
ہو رہا ہے ھزم دیرینہ تمام
زندگی کی خوں نشاں یہ داستاں
اپنی ناکامی کا ہے نقش دوام

(۲)

آسماں پر ابر ہے اور رات ہے تاریک تر
نم ہوائیں دے رہی ہیں مجھکو پیغام خروش
دل کی بے کیفی کا یہ عالم ہے لیکن اندنوں
میری خوابیدہ محبت کو نہ اب آئیگا ہوش

(۳)

چاند آخر چھپ گیا ان بدلیوں کے درمیاں
ہر سکوت شب میں ہیں عالم پہ لہرائی ہوئی
میری قسمت کی طرح ساری فضا مغموم ہے
[illegible] ظلمت کی گھٹائیں ہیں یہ ہر سو چھائی ہوئی

(۴)

مٹ گئے میری تمناؤں کے خواب
شمع کی لو تھرتھرا کر سو گئی
آخری امید کی [illegible]
غم کی پنہاں وادیوں [illegible]

ایران میں فنِ تعمیر کے نادر نمونے

انیسویں صدی کے آخری حصے میں فنِ تعمیر کے ماہر فرانسیسی انجینیر مارسیل ڈیولیفائے نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ محرابی طرزِ تعمیر کے آغاز و ابتدا کے نمونے ایران میں مل سکتے ہیں۔ فرانسیسی انجینیر کا یہ محض ایک بم کا گولا تھا جس نے اختلاف رائے کی ایسی آگ لگائی۔ جواب تک بجھنے میں نہیں آئی۔ اس نظریے کی تائید میں کہا جاتا ہے۔ کہ ایران کی اسلامی عمارتوں میں محرابی طرزِ تعمیر کے نمونے بھی ہیں۔

یہ نظریہ غیر ماہرینِ فن کے لئے تو بہت کچھ سامانِ دلچسپی کا حامل رہا۔ لیکن بعض نے دہرا اس کو ماننے پر تیار نہیں ہوئے۔ اس نظریے کی تائید میں عکسی تصاویر اور چند لوگوں کی رائے پر مبنی شہادتیں جو اس سلسلے میں منظرِ عام پر آئیں جیکل تمیں ایرانی تعمیرات کے عمیق مطالعہ یا ان کی نسبت کسی صحیح تاریخ سے سند ہو سکی۔ اس لئے ان کو قابلِ قبول نہیں سمجھا گیا۔ پھر ان چیزوں سے جو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ وہ بھی ایسے ٹھوس اور جاذبِ توجہ نہیں۔

ایرانی فنِ تعمیرات کا پانچ سال ز ۱۹۳۳-۳۶ء تک مشاہدہ و مطالعہ کرنے کے بعد جو ایک ابتدائی رپورٹ مرتب ہوئی ہے۔ اس کے جستہ جستہ حصے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

ایران میں اسلامی عمارات کی غیر جانبدارانہ تحقیق پر پانچ سال صرف کئے گئے۔ ان کے دوران میں ۶۵ ہزار [illegible] عمارات کو بہ نظرِ غور دیکھا گیا۔ اس ریسرچ کے کام کا صرف ایک جزوی حصہ محرابی فنِ تعمیر سے تعلق رکھتا تھا۔

ایرانی یادگاروں کے سات ہزار سے زائد فوٹو لئے گئے۔ ان کے علاوہ کوئی سولہ ہزار دوسری دستاویزیں یا مستند تحریریں ہیں۔ جن میں خاکے یا نقشے، کتبے، میدانی علاقوں کے متعلق نوٹ، تاریخی اور کتابی حوالے شامل ہیں۔ اگرچہ سینکڑوں عمارات دیکھی گئیں۔ مگر خاص توجہ اس بات پر مرکوز رہی۔ کہ اسلام کے ابتدائی دور کی اہم یادگاروں اور ان مقامات کی تفتیش کی جائے۔ جو کھدائی کیلئے موزوں ہوں۔ جیسا کہ قاہرہ اور استنبول کی مشہور و معروف مساجد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلامی معمار اپنی بنائی ہوئی عمارات کو کتبات سے مزین کرنے کے بہت عادی تھے۔ تاریخی معلومات کیلئے یہ کتبات بھی ایسے ہی مفید ہیں۔ جیسے کہ [illegible] قبروں اور عمارتوں پر کھدی ہوئی تحریریں جو بکثرت ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ مقابلتاً کم مشہور ایرانی اسلامی یادگاریں فنِ خطاطی اور گوناگوں نقش و نگار کا ایک بے بہا خزینہ ہیں۔ جنمیں رنگ برنگے نقش و نگار کئے ہوئے ظروف، چونے اور نفیس و اعلےٰ قسم کی ریت کے مرکب مصالحہ کی استرکاری اور نقشی کام کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں۔

ریسرچ کمیٹی کے ارکان کا بیان ہے کہ جب ہم طہران پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا۔ کہ ایرانی [illegible]

[illegible] حالات میں قائم ہوا تھا۔ قائم ہوتے ہی تاریخی
یادگاروں اور عمارتوں کی ایک فہرست مرتب کرنی شروع
کر دی تھی۔ یہ محکمہ نہ صرف قدیم یادگاروں کی حفاظت،
مرمت اور ان کا سابق حالت میں رکھنے اور لانے کا ذمہ
دار تھا بلکہ وہ عکسی تصاویر، مختلف مقامات، عمارات
اور قطعات، زمین کے نقشوں، خاکوں، کتبوں اور نادر کتب
کے قلمی نسخوں کی صورت میں بڑی سرگرمی سے ریکارڈ جمع
کرنے میں مصروف تھا۔ حکومت ایران نے ایم اینڈرے گوڈرڈ
کو جو آثار قدیمہ کے مطالعہ سے خاص شغف رکھتے تھے۔ اس محکمہ
کا ناظم مقرر کیا تھا۔ اطہر ایران یعنی آثار قدیمہ کا سالانہ
سرکاری ریکارڈ کا عنقریب افتتاح ہونے والا تھا۔ گویا
اس کے ذریعہ محکمہ مذکور نے جو ریکارڈ تیار کیا تھا۔ اس کی
ابتدائی نشر و اشاعت مقصود تھی۔

اب ہمارے سامنے دو راہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ہم
اپنے طور پر آزاد رہ کر آثار قدیمہ کی تحقیقات کریں۔ دوسری
یہ کہ ایران کے سرکاری محکمہ آثار قدیمہ سے تعاون کریں۔
اور اس کی امداد و اعانت سے ریسرچ کا کام انجام دیں۔
ہم نے بلا پس و پیش تعاون کا فیصلہ کیا۔ ہماری پیشکش
کو قبول فرماتے ہوئے ایم گوڈرڈ نے ہمیں قومی یادگاروں
کی فہرست استعمال کرنے کی اجازت دیدی۔ آپ نے
ہمیں بہت سے قیمتی مشورے دیئے۔ لیکن اس پر بہت
زور دیا۔ کہ ہم اصفہان کی عظیم الشان مسجد جامع کے
فن تعمیر کے کمالات کا بغور خوض مطالعہ کریں۔ چنانچہ
ریسرچ کا کام شروع کرتے ہوئے، ہم نے ان کے مشورے
کا بھی لحاظ رکھا۔ اور اصفہان کو جو سلجوقیوں کے زمانے
میں ایران کا پایہ تخت رہا تھا۔ ہم نے اپنی مستقل
اقامتگاہ قرار دیا۔ آئندہ چار سال ہم نے یہیں سے
اٹھ اٹھ کر دور دور کے دورے کئے۔ کیونکہ ہمارا مقصد
یہ تھا۔ کہ ہر ایرانی صوبے کے ہر اہم اور مشہور یادگار کو
دیکھیں۔ اور اس کے فن تعمیر کا مطالعہ کریں۔

جامع اصفہان کا نام آتے ہی اسلامی فن تعمیر کی
تاریخ بعض نہایت اہم اور دقیق سوال سامنے آ جاتے
ہیں۔ مسجد نہایت وسیع اور عریض ہے۔ ایک روایت
کے مطابق جو مورخ "المقدسی" نے نقل کی ہے۔ عرب
حملہ آوروں نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر اسلام کے
دور اولین سے جبکہ عربوں نے اسکا سنگ بنیاد رکھا۔
اب تک یہ مسجد ہفت صد ہفتاد قالب دیکھ چکی ہے۔ بارہا
تباہ و برباد ہوئی۔ بارہا نذر آتش ہوئی اور بارہا از سر نو
تعمیر ہوئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ روایت متذکرہ صدر کی
تصدیق ایک امر محال بن کر رہ گئی ہے۔ سلجوقیوں سے
لے کر قاچاروں تک فرمانروایان ایران کے ہر مقتدر
خاندان نے اس مسجد کو ایک نئی طرز پر تعمیر کیا۔ اور نئے
نئے اسلوب سے اس کو آراستگی دی۔ آجکل ....
(۱۹۳۲-۳۶ء زمانہ تحقیقات) پہلوی خاندان مسجد
کی مرمت اور اس کی سابق حالت پر بحالی کی طرف
توجہ مبذول کر رہا ہے۔ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا
سکتی ہے۔ کہ اس مسجد کی داستان پاستان معلوم کرنا
گویا ایرانی اسلامی فن تعمیر کی اس تاریخ کو سمجھنا ہے۔ جو
ابتک تحریر میں نہیں آئی۔ اور بدقسمتی سے اس تاریخ کو
اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے۔ جب تک کہ اس عالیشان عمارت
کے نوع بہ نوع طرز ہائے تعمیر اور اسکے نقشوں اور خاکوں
کو نہ سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ یہ مسجد کوئی ایک عمارت نہیں۔
بلکہ ایک سلسلہ عمارات ہے۔ یہ ایک طرز کی تعمیر نہیں۔
بلکہ گوناگوں طرزوں پر حاوی تعمیر ہے۔ مختلف صدیوں
میں مسجد کی جب از سر نو تعمیر عمل میں آئی۔ وہ اس طرح
ہوئی۔ کہ حسب ضرورت ایک نیا گنبد یہاں بنا دیا گیا۔ تو
ایک پیشگاہ وہاں بنا دی گئی۔ اور سابق ستونوں کے
بجائے چند نئی طرز کے ستون تعمیر کئے گئے۔ تو [illegible]

[illegible] [illegible] ہو ونی پیشہ ہیں بنادی گئیں [illegible]
[illegible] تعمیر ہوئے۔ کئی ایک ستونوں کو دیا سطح میں تبدیل
[illegible] گیا ایک نیا مدرسہ مشرقی سمت میں تعمیر کر دیا گیا۔ پھر
[illegible] تعمیرات کے اس دور میں سابق مصالحہ کے بار بار استعمال
[illegible] بر تہ قلعی اور پلستروں نے پہلی تعمیروں کے نقوش کو
[illegible] طرح ڈھک دیا۔ کہ انکی اصلیت کے متعلق ثبوت پر
[illegible] پڑ گیا۔ مثال کے طور پر ایک ستون پر سے پلستر اور چونے
[illegible] پے در پے جو دہ پہلی پہلی تہیں اتاری گئیں۔ تب یہ پتہ
[illegible] سکا۔ کہ یہ سلجوقیوں کے عہد کا شاندار خشتی کام ہے۔
اسی طرح اینٹوں کے بنے ہوئے ایک تہ در تہ ستون پر سے
[illegible] اوپر قلعی اور ریت کے مرکب مصالحہ کی استرکاری
[illegible] تھا۔ اوپر تلے سات پلستروں اور چکنی مٹی کی گاڑھی
[illegible] کی ایک تہ ہٹانے پر معلوم ہو سکا۔ کہ ستون اینٹوں
کا بنا ہوا ہے۔

موجودہ جامع مسجد کی تعمیر سے متعلق چند مسائل
بحث طلب ہیں:-

(۱) یہ معلوم کرنا کہ آیا موجودہ مسجد جامع انہی دو میں
سے ایک مسجد ہے۔ جنکا مورخین نے تذکرہ کیا ہے۔ یا یہ
[illegible] سے الگ ہے۔

(۲) مورخین نے مسجد کے قدیم ترین حصوں کے متعلق
جو کچھ بیان کیا ہے۔ پھر عباسی عہد میں مسجد کی از سر نو تعمیر
(جو [illegible] مطابق ۹۹۵ء سے پہلے موجود تھی) کے
متعلق وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ اسکی تطبیق و توفیق۔

(۳) یہ معلوم کرنا کہ عباسی طرز کی مسجد چار ایوانوں کے
ایرانی طرز تعمیر میں کب منتقل ہوئی۔ اور اس پر گنبد کب تا[illegible]
[illegible] بنائے گئے۔

(۴) پھر سلجوقیوں۔ مغلوں اور مظفر الدین اور تیمورا
[illegible] صفوی، [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ہوئی۔ اس کو ایک دوسرے عہد سے [illegible]
کتبوں کی تحریروں سے۔ جن میں سے [illegible]
عہد کے [illegible] متعلق ہیں۔ ان مسائل کے حل کرنے میں
آسانی ہوگی۔ ان کتبوں کی تحریروں سے بہت جلد یہ معلوم
ہوگیا۔ کہ سلجوقی عہد سے پہلے اس قسم کے کتبے نہیں تھے۔
خود اس عہد کی بھی صرف تین تاریخیں:-

سنہ ۴۶۵ - ۴۸۵ ہجری (۱۰۷۲ - ۱۰۹۲ء) --
مسجد کے گنبد پر لکھی ہوئی ۴۸۱ھ (۱۰۸۸ء)
شمال مشرقی گنبد پر اور ۵۱۵ھ (۱۱۲۱ - ۲۲ء) [illegible]
پر لکھی ہوئی ہے۔ چونکہ مسجد کے اکثر حصوں پر انکی تعمیر کی تاریخیں
نہیں لکھی ہوئی تھیں۔ اسلئے یہ خیال تھا۔ کہ ان عمارتوں کی
مختلف طرز ہائے تعمیر سے ہی یہ پتہ لگایا جائے۔ کہ وہ کس
دور کی بنی ہوئی ہیں۔ مگر اس میں یہ مشکل درپیش تھی۔ کہ عہد
اسلامی کی کسی ایک ایرانی عمارت کا بھی قرار واقعی مطالعہ
ہو سکا تھا۔ اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے طغروں کو جو
ابتدائی عہد اسلامی کی ایرانی طرز تعمیر کی اساس و بنیاد ہے
جمع کرنا شروع کیا۔ اس مختصر رپورٹ میں ان سینکڑوں ایرانی
یادگاروں کی جنکے طرز تعمیر کی جانچ کی گئی۔ فہرست نہیں
دی جا سکتی۔ تاہم ریسرچ کا جو کام انجام دیا گیا۔ اس کا
ایک معمولی سا خاکہ اس انکشاف حقیقت سے کیا جا سکتا ہے
کہ سات ہزار سے اوپر فوٹو لئے گئے۔ اور ایک درجن رسالے
ایرانی طغروں سے متعلق مرتب کئے گئے۔ جو اس ریسرچ سے
متعلق اچھی خاصی دستاویزیں ہیں۔

اب بعض چھوٹی چھوٹی یادگاروں کے سلسلے میں جو
ریسرچ کی گئی اور اس کا جامع اصفہان کے مسائل سے تعلق
ہے مختصراً ذیل میں (۲) پر تبصرہ کیا جاتا ہے:-
[illegible] روایات میں سے ایک نہایت مشہور
روایت یہ ہے۔ کہ جس جگہ [illegible] مسجد جامع [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ایک [illegible] موجود ہے۔ نہ یہ معلوم
[illegible] نقش بنوا کرتے تھے۔ جن کی ایک مثال
[illegible] ہے۔ ہم کوہ باب میں ایک [illegible]
[illegible] یہ بھی ایک آتش کدہ تھا۔ جو
اصفہان کے [illegible] میں واقع تھا۔ اس آتشکدہ
کا کسی تاریخی کتاب میں ذکر نہیں۔ علاوہ بریں اصفہان کے
شمال مغرب میں ایک چھوٹا سا شہر گل پائیگان ہے۔ یہاں
ہمیں سلجوقی عہد کی دو شاندار یادگاریں ملیں۔ ان میں سے
ایک تو ایک منارہ ہے۔ یہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ اس میں
پچی کاری کا کام غیر معمولی نفاست سے کیا گیا ہے۔ دوسری
یادگار گنبد والی مسجد ہے۔ جو محمد شاہ سے منسوب ہے۔۔۔
[illegible] مطابق سنہ ۱۱۰۵/۱۱۱۸ء میں تیار ہوئی۔ اس مسجد
[illegible] اصفہان کی جامع مسجد سے بہت کچھ ملتا جاتا ہے۔
مسجد پائیگان میں اینٹ پر پچی کاری کے نفیس کام کے بہترین
نمونے دستیاب ہوئے۔ ان سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اسی
دور میں اصفہانی طرز تعمیر سے گریز اختیار کی گئی۔ اور نئی طرز
تعمیر مغلوں اور بعد کے دوروں میں جاری رہی۔

ہم نے نیین کے بہت سے دورے کئے ایک دفعہ
ہم دورہ کر کے اپنی مستقل قیامگاہ کو لوٹ رہے تھے۔ سورج
غروب ہو رہا تھا۔ کہ ہمیں رخصت ہوتے ہوئے سورج کی آخری
کرنیں ایک منارہ پر نظر آئیں۔ یہ منارہ اصفہان کے مشرق
جانب وسیع و عریض وادی میں واقع تھا۔ سراب [illegible]
کو پیشکل عبور کر کے ہم موضع برسیان میں پہنچے۔ یہاں دو
سلجوقی یادگاریں تھیں۔ جن کا کہیں تاریخ میں ذکر نہیں۔ بلند
[illegible] اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ جس کی تعمیر ۴۲۱ھ/۱۰۲۷ء
[illegible] ایک مسجد تھی۔ جس کی تاریخ تعمیر ۵۲۸ھ
[illegible] ۱۱۳۴ء [illegible] برسیان [illegible] منارہ کے
مطابق [illegible] مگر حقیقتاً سب سے قدیم ایرانی منارہ جس
[illegible] یہ منارہ تھا۔ [illegible]

گنبد کے طرز تعمیر [illegible]
مسجد کے گنبدوں سے ملتا جلتا اصفہان کے [illegible]
گنبدوں کے طرز تعمیر کی وضاحت ہوئی۔ پھر اسی [illegible]
شدہ حصہ اور اسکی سجاوٹ سے جو جامع اصفہان کے طرز پر
ہے۔ یہ حقیقت بخوبی واشگاف ہو گئی۔ کہ سلجوقی عہد میں فن
تعمیر نے درجہ بدرجہ کس طرح منازل ترقی طے کئے۔

مقام غار پر جو اصفہان سے دریا کے نشیب کی طرف
واقع ہے۔ ہم نے ایک سلجوقی منارہ دیکھا۔ اس کے بھی کچھ
تاریخی حالات معلوم نہیں۔
یہ منارہ سنہ ۵۱۵ھ (۱۱۲۱-۲۲ء) میں تعمیر ہوا۔ یہ
بھی جامع اصفہان کے طرز تعمیر کا مطالعہ کرنے کیلئے ایک
قیمتی دستاویز ثابت ہوا۔ آگے چل کر دریا کے کنارے مقام
زیار پر ہم ایک بلند منارے کے نیچے پہنچے۔ اس پر نہ کوئی
تاریخ تعمیر درج تھی۔ اور نہ اسکا اور کوئی ریکارڈ موجود
تھا۔ یہ منارہ ایک ویرانے میدان میں استادہ تھا۔ اسے
دیکھ کر ہمیں اسوقت یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ یہ کس عہد میں تعمیر
ہوا تھا۔ بات یہ تھی۔ کہ اگرچہ اس کے خشتی کام کی نسبت تو
یہ معلوم ہو گیا۔ کہ وہ بعد کے سلجوقی عہد کا ہے۔ مگر اس کے
نقش و نگار عہد سلجوقی سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ سلجوقیوں کے
زمانہ عمارات کے بیرونی حصوں پر جس قسم کے نقش و نگار کئے
جاتے تھے۔ آذربائیجان میں ہم نے اس کے نمونے دیکھے
اور ان کا ریکارڈ بھی لے لیا۔ مگر یہ نمونے وسطی ایران میں
کہیں نظر سے نہیں گزرے۔ لیکن خدا کا کرنا ہم اصفہان کے
شمال میں ایک روز سیر و تفریح کرتے ہوئے خربوزوں کی
فالیزوں سے گزر رہے تھے۔ کہ زیار کے منارے [illegible]
دور سلجوقی کے نقش و نگار سے مخفی دوسرے [illegible]
نقاب ہٹ گیا۔ موضع جن میں ہم [illegible] منارہ دیکھا
نقش و [illegible]
ہے اس کے ۔۔۔۔۔۔
[illegible] دیکھ کر ہم [illegible]

[illegible] کرتے تھے۔ مگر جب قریب آکر غور سے دیکھا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ اس میں نہ صرف عہد سلجوقی سے مخصوص خشتی کام ہے۔ بلکہ شاندار و نفیس خشتی پچی کاری بھی موجود ہے پچی کاری کا یہ کام ۵۲۹ھ (۱۱۳۳ء) کیا گیا تھا۔ گویا یہ منارہ عہد اسلامی میں عمارات کے بیرونی حصص کے نقش و نگار کا ایک قدیم ترین ایسا نمونہ تھا جس پر تاریخ بھی درج تھی

بِن کے مقام پر ہم نے یہ منارہ ہی نہیں دیکھا۔ بلکہ منارہ کے زیرین حصہ سے ملحق ایک غیر معمولی دلفریب قطع کی ایک حسین و جمیل مسجد تھی۔ یہ ایک مستطیل نما قطعہ ارض پر ایک ایوان کی شکل میں محراب دار بنی ہوئی تھی۔ چھت گنبد نما تھی۔ اِس مسجد کی تعمیر سے ہمیں یہ پتہ چلا ہے۔ اسی عہد میں (stalactite squinch) ترقی کرتے کرتے گنبدوں کی صورت اختیار کرتے جاتے تھے

خوش قسمتی سے اِس عبادتگاہ پر اِس کی تعمیر کی تاریخ بھی لکھی ہوئی ہے۔ یہ تاریخ ۵۲۹ھ (۱۱۳۴ء/۱۱۳۵ء) ہے اور یہی وہ قدیم ترین گنبد ہے۔ جس پر اُسکی تاریخ تعمیر بھی درج ہے۔

اصفہان کی جنوب مغرب میں موضع استرجان میں مغلوں کے عہد کی ہم نے ایک شاندار مسجد دیکھی۔ اِس کے تاریخی حالات تو کہیں نہیں ملے۔ البتہ عمارت پر تاریخ تعمیر درج تھی۔ یہ مسجد ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں تعمیر ہوئی تھی۔ مسجد کے گنبد پر موٹی تہ کا پلستر ہے۔ اور سنگ تراشی کے اصول پر پلستر کو کاٹ کر ابھرے ہوئے خط کوفی میں عبارت لکھی ہوئی ہے۔ گنبد کے نقش و نگار اور خط کوفی کی تحریر نفاست و نظر فریبی میں عدیم المثال معلوم ہوتی ہے۔ اِس عمارت میں چار اور بھی تاریخی کتبے ہیں۔ اور ایک تو نہایت ہی جاذب توجہ ہے۔ جو مغلیہ تعمیری زیبائش و آرائش کا خاص [illegible] ہے۔ ہماری توقع کے مطابق مسجد کے زیرین [illegible] محراب [illegible] جامع اصفہان کے بعض تہ خانوں کی تاریخ

تعمیر معلوم کرنے میں حد درجہ ممد و معاون ثابت ہونگے۔

استرجان کے با اخلاق اور مہربان لوگوں نے ہمیں ایک مقبرہ دکھلایا۔ اِس کے اوپر ایک منارہ بنا ہوا تھا یہ روضہ امام زادی رابعہ خاتون کا تھا ہم جس نوع کی [illegible] محرابی عمارت کی جستجو میں تھے۔ یہ ویسی ہی تھی۔ اِس [illegible] تعمیر ۷۰۵ھ (۱۳۰۵ء) لکھی تھی۔ چونکہ [illegible] کا گنبد منہدم ہوچکا تھا۔ اسلئے بارش [illegible] مقبرہ سے محراب کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ پھر ساوہ کی مسجد جامع کے قسم قسم کے مصالحوں اور رنگ برنگ پلستروں سے مزین محراب کو ہمیشہ جو خطرہ لاحق رہتا ہے۔ وہی اِس مقبرہ کے محراب کو بھی تھا۔ اور آثار قدیمہ کی حفاظت ہی کی خاطر مقبرہ کی محراب کو الگ کر دینے کی کوشش بروئے کار آنے والی تھی۔ ہم نے ایران کے محکمہ آثار قدیمہ کو اشترجان کی مسجد کے متعلق رپورٹ پیش کی تو ہم نے اِس میں اپنی اِس رائے کا اظہار کر دیا۔ کہ مقبرہ رابعہ خاتونؒ کا محراب حفاظتی اغراض کیلئے علیحدہ کر دیا جائے تو اچھا ہے چنانچہ ہماری اِس تجویز کو منظور کرلیا گیا۔ اب یہ محراب وہاں سے ہٹا کر عجائب خانہ طہران میں نصب کر دیا گیا ہے۔

ماژندران کو جاتے ہوئے ہم نے سوچا۔ کہ مشہور موضع دماوند کے مزارات کے قبوں اور گنبدوں اور وہاں کی مسجد کو بھی دیکھتے چلیں۔ دماوند کی قدیم جامع مسجد اسقدر جاذب توجہ تھی۔ کہ ہم نے اُس کے حالات مکمل طور پر جاننے کیلئے یہاں کے کئی طویل دورے کئے۔ اگرچہ سلجوقی عہد کی سی کچی سرخ اینٹوں سے عمارت بنی تھی۔ مگر اس کی تعمیری وضع قطع وہی تھی۔ جو اہل عرب اپنے ساتھ ایران میں لائے تھے۔ بالفاظ دیگر یوں کہیئے۔ کہ اِس کا صحن مستطیل تھا۔ جسکے چاروں طرف [illegible] حجرے تھے۔ جن کے دروازے صحن میں کھلتے تھے [illegible] چھتیں ستونوں پر قائم کی گئی تھیں۔ [illegible] مساجد ایران میں بہت کم ملتی ہیں۔ اِس مسجد [illegible]

[illegible]

ہیں کہ مسدسا ستونوں کا شکل دیا گیا تھیں۔ اور جو خاص عبادت گاہ
سے متصل تھیں وہ نیم شکستہ ہو چکی تھیں۔ مگر یہ تضاد نما محرابی
چھتیں جن میں لکڑی اور مٹی کی ہموار دستی چھتیں منتقل
کر دی گئیں۔ بنی ہوئی محرابی چھتیں شیراز اور نیریز کی قدیم
مساجد میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اِن کے علاوہ محمدیہ کی متعدد
مساجد نیریز اور سادہ کی جامع مسجدوں کے زیادہ قدیم
حصص۔ ورامین کی مسلم طرز کی محرابدار عمارتوں اور
مظفرالدین کی بنوائی ہوئی مسجد واقع کرمان کی چھتیں بھی ہی
نوع کی ہیں

آخر نومبر ۱۹۷۳ء میں ہم نے جامع اصفہان کیطرف
توجہ مبذول کی۔ دوبارہ ایرانی سرکاری محکمہ کے لطف و عنایت
کی ابتدائی دیکھ کر ہم نے اپنے تحقیقاتی کام کو ایک مہم کی
صورت میں منتقل کر دیا۔ امریکن وفد میں عملہ میں اضافہ
کر کے آٹھ ممبر کر دئے گئے۔ تین ممبر تو گریجویٹ معمار تھے
اور ایک ممبر کامل و اکمل ڈرافٹسمین اور مصور تیر تھا۔

اب ہمیں ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ جامع اصفہان
کے طرز تعمیر سے متعلق مسائل کو صرف اسی صورت سے
حل کیا جا سکتا ہے کہ صحیح صحیح پیمائش کے بعد ایک
خاکہ تیار کیا جائے۔ ہم نے ۱ : ۵۰ کا اسکیل مقرر کیا۔
جس تفصیل سے کام کرنا مقصود تھا۔ اس کا اندازہ اِس امر
واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ تکمیل یافتہ پیمائش کا خاکہ
۱۲ فیٹ چوڑا اور ۱۳ فیٹ لمبا تھا۔ بلندی اور دوری ماپنے
کے طرح طرح کے آلے مہیا کئے گئے۔ اور ان میں جو سب
سے بڑا تھا۔ وہ ۴ ملی میٹر کا تھا۔ گویا ہماری پیمائشی نقشے
کے کسی خانے کی چوڑائی سے کم تھا۔ مسجد جامع کی محرابی
چھتیں جو مسجد جامع کی تحقیقاتی مسئلہ کا ایک اہم جزو
ہیں۔ اِس خاکہ پر بنائی گئیں۔ کام میں سہولت پیدا کرنے
کیلئے مسجد سے متصل ایک سابق [illegible] عمارت ہم نے
[illegible]

۔استعمال کرنے کیلئے عمارت کی مرمت شروع کر دی جیسے
ہی یہ کام مکمل ہو گیا مسجد کے مختلف حصوں کی عکسی
تصاویر لینے کا کام شروع کر کے تحقیقاتی کام کی داغ بیل
ڈالدی گئی۔ تحقیقات کا کام شروع ہوتے ہی جو ممبر معمار
نہ تھے۔ تین ڈارک کردں میں مصروف کار ہو گئے اور انہوں
نے عکسی تصاویر کی صورت میں سینکڑوں دستاویزیں
تیار کریں۔

خوش قسمتی سے محکمہ آثار قدیمہ نے اُسی وقت مدرسہ
مظفرالدین کی مرمت بھی شروع کر دی۔ مدرسہ جامع مسجد
اصفہان کا ایک حصہ ہے۔ اور عظیم الشان صحن مسجد کے
جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ محکمہ سے اشتراک عمل کر
ہوئے، ہم نے اِس حصہ مسجد (مدرسہ) کی پیمائش اور ا
کے فوٹو لینے کا کام مرمت شروع ہونے سے پہلے پہلے
مکمل کر لیا ہم مرمت کے اِس کام کو اور دوسرے چھو
چھوٹے حصوں کی مرمت کو بھی بغور و تعمق دیکھتے ر
اِس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہم بعض ایسے نتائج اخذ کرنے کے
ہو سکے۔ جو دوسرے وقت میں حاصل نہ ہو سکتے۔ دورا
تحقیقات میں ہمیں نہایت اہم معلومات اس وقت ح
نہ ہو سکتے۔ دوران تحقیقات میں ہمیں نہایت اہم معلو
اسوقت حاصل ہوئی۔ جب مسجد کے گنبد کا کلس مرمت
کے علیحدہ کیا گیا۔ ایک تو ہمیں بروقت اِس تعمیر کے د
کا موقع مل گیا۔ جو ابتک ہمارے لئے ایک معمہ بنی ہوئی
دوسرے ہمیں گنبد کی صحیح اونچائی ناپنے کا موقع مل
یہ ناپ ہم نے اِس طرح کیا۔ کہ سٹیل کا ایک تار
ایک کھڑکی میں سے فرش زمین تک لٹکا دیا۔

اِس کے بعد ہم نے ایک نقشہ تیار کیا۔ جس میں
عبادت گاہ، چھوٹے گنبدوں کے کمروں، مسجد کے
ایوانوں اور بڑے صحن کو الگ الگ تقسیم کر دیا۔ اس
میں جنوب مشرقی ایوان کی اونچائی بھی [illegible]

اس نقشے کا بھی وہی بڑا پیمانہ رکھا تھا یعنی ایک فٹ برابر پچاس فٹ کے مانا تھا۔

جب ہم جامع اصفہان کی تحقیقات میں مصروف تھے ایم گودار نے ہمیں اطلاع دی۔ کہ محکمہ آثار قدیمہ اصفہان اور اس کے مضافات کی عمارتوں کے متعلق ابتدائی معلومات کو شائع کرنا چاہتا ہے۔ جس میں ان عمارات کے کتبوں کے متعلق خاص زور دیا جائیگا۔ بہتر ہے۔ کہ کتبوں کے مطالعہ کرنے میں آپ ہمارا ہاتھ بٹائیں یہی نیاضمنہ پیش کش اللہ دے اور بندہ لے۔ ہم نے بڑی خوشی سے قبول کر لی۔ اس وقت ہمارے پاس مخصوص عمارات کے نقشوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ سب نقشے ہم نے ان کو پیش کر دیئے۔ کہ وہ جس طرح چاہیں انہیں استعمال کریں۔ اس کے بدلے میں مسٹر گودار نے ہمیں بیش قیمت کتبوں کا ذخیرہ ایک مکمل سیٹ کی صورت میں دینے کا وعدہ کیا۔ جامع اصفہان کے کتبات کا یہ سیٹ ایسا تھا۔ کہ تحقیقات کی اساس و بنیاد اسی پر رکھی جا سکتی تھی۔ عربی زبان کے ماہر۔ فاضل اجل آقا محمد تقی جو محکمہ آثار قدیمہ سے وابستہ ہے۔ محکمہ کی طرف سے ان کتبات کو نقل کر رہے تھے۔ ایم گودار کے اعتماد اور جوش ہمدردی کی بدولت طرفین کی حاصل کردہ معلومات و دستاویزات کا وسیع پیمانے پر باہم تبادلہ ہوا گیا۔ "اطہر ایران" (ایرانی محکمہ آثار قدیمہ کا شائع کردہ سالانہ ریکارڈ) جو اصفہانی عمارات کا ریکارڈ تھا۔ شائع ہوا۔ ایم گودار نے اصفہان کی عمارات کی جو ابتدائی پیمائش کی تھی۔ وہ درج تھی۔ اس ساتھی مضمون میں ہم نے شہر اصفہان اور اس کے مضافات کے چوالیس مشہور مناروں کی تحقیقات و مطالعہ کے نتائج اور شامل کر دیئے۔

جن دنوں ہم محکمہ آثار قدیمہ سے اس طرح اشتراک عمل کر رہے تھے محکمہ کی طرف سے استدعا کی گئی۔ کہ ہم نیریز کی جامع مسجد "عتیق" کی پیمائش کریں۔ یہ [illegible] مسجد جو عضدی عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔ ہولناک زلزلوں سے متاثر ہو کر بہت خستہ حال ہو چکی تھی

اور مدتوں سے بغیر مرمت یونہی پڑی تھی۔ اب خدا خدا کر کے محکمہ نے اس کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے تیار کئے ہوئے نقشے اور رپورٹ اس اہم تاریخی مسجد کو بربادی سے بچانے کی موجودہ سکیم میں مفید ثابت ہوگی

محکمہ نے ہم سے ایک یہ درخواست بھی کی تھی۔ کہ ہم آذربائیجان کے قلعہ کی جو آج کل تخت سلیمان کے نام سے مشہور ہے۔ تحقیقات کر کے ایک رپورٹ مرتب کریں۔ یہ بہت ہی پرانا قلعہ ہے۔ اور جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اہل پارتھیا نے تعمیر کرایا تھا۔ قلعہ کی جائے وقوع ایسی ہے کہ دوسری تاریخی عمارات کے مقابلے میں اس تک رسائی تقریباً ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ آذربائیجان کا ہم نے جب تیسرا دورہ کیا اس وقت ہم نے اس مقام کی پیمائش کی ہم نے یکم اور ۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو آذربائیجان کا دورہ کیا گویا ہمارے دورہ آذربائیجان سے پورے ستاسی برس پہلے مشہور مستشرق سر ہنری راولنسن نے آذربائیجان کی سیاحت کی تھی۔ ہم نے اس مہم میں سب سے پہلے تخت سلیمان کی سیر حاصل پیمائش کی۔ اس پیمائش کے بعد ہم نے نتائج اخذ کئے۔ ان کی اشاعت پر ہمیں امید ہے۔ کہ اس قلعہ کو جو ہونہ ہو۔ ساسانی قلعہ عہد کا بغرض تحقیقات کھدائی کے کام کی طرف میلان پیدا ہو جائیگا۔

ایران کا محکمہ آثار قدیمہ ایران کی اسلامی عمارات کی ابتدائی پیمائش کا کام بڑی سرگرمی سے انجام دے رہا ہے اور اس سلسلے میں جو کام کرتا ہے اسے "اطہر ایران" کی صورت میں اشاعت کے لئے دیا ہے۔ [illegible]

یا محکمہ تعلیم کے ماتحت ہے۔ اور دیہاتی مدارس کے معلمین قدیم یادگاروں کے حالات معلوم کر کے محکمہ تعلیم کو بھیجتے رہتے ہیں۔ اس لئے اول الذکر محکمہ کو ایسی یادگاروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں بڑی سہولت ہے جبکہ کوئی تاریخی یادگار موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ..... محکمے نے بہت سے ذہین و طباع نوجوان انسپکٹر مامور کر رکھے ہیں۔ جو معلمین کی رپورٹوں سے الگ مذکورہ یادگاروں کے متعلق اپنی خاص رپورٹیں ارسال کرتے ہیں۔ اور یہی نہیں۔ بلکہ محکمہ کا ناظم اعلیٰ بھی ہر سال کئی کئی ماہ اسی غرض سے دورہ کر کے ان عمارات کا بچشم مطالعہ کر کے علیحدہ اپنے دورے کے نتائج قلمبند کرتا ہے۔

اب اس قابل قدر عمارت کے ایک ایک حصہ کے طرز تعمیر کا باقاعدہ مطالعہ کرنا باقی ہے۔ اور یہ ذمہ داری ہم نے قبول کی ہے۔ کافی تعداد میں طغرے اشاعت پذیر ہو لیں گے۔ تب ہمارا ارادہ ہے کہ ایران میں اسلام کے متعلق قدر کی عمارات کے طرز تعمیر سے متعلق اُن اہم دستاویزات کا ذخیرہ ایک جگہ جمع کریں گے۔ جن پر ان عمارات کی ریسرچ کی بنیادیں رکھی جا سکتی ہیں۔

زیادہ نہیں صرف دس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ کہ ایران کی مقدس عمارات کا سیر حاصل مطالعہ ممکن ہو سکا ہے تحقیقاتی کام کی اجازت اور اس میں سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے فضلا و ماہرین فن کو اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی کا دل سے ممنون ہونا چاہیئے۔ اب تک جن مساجد و مزارات کی سخت نگرانی و حفاظت کی جاتی تھی۔ وہ ہز میجسٹی رضا شاہ نے فضلا محققین و فضلا و ریسرچ کیلئے ان تک پہنچے۔ اور انکے طرز تعمیر کا مطالعہ کرنے کی عام اجازت دیدی ہے۔ یہ علاقہ خود فرمانروا اپنی سلطنت کی تاریخی عمارات کی مرمت و درستی میں خاص دلچسپی لیتا ہے۔ اور ان کی نگہداشت کیلئے [illegible]

رکھتا ہے۔

رضا شاہ پہلوی نے مسند آرائے حکومت ہوتے ہی آثار قدیمہ پر فرانسیسیوں کی اجارہ داری جو عرصہ دراز سے چلی آتی تھی۔ یک قلم توڑ دی۔ قانون آثار قدیمہ مجریہ ۱۹۳۰ء کے ماتحت جو جو یادگاریں اور ان سے متعلق زمین ایرانی محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں دے دی گئی۔ اسوقت ایران آثار قدیمہ کے ریسرچ کا جہاں تک تعلق ہے۔ دور جدید کا ایک بہترین، فیاض ترین اور نہایت ہونہار ملک ہے۔ جو ماہرین آثار قدیمہ تاریخی حیثیت رکھنے والے مقامات کو کھود کر تحقیقات کرتے ہیں۔ نہ صرف ان کیلئے، بلکہ مورخین عمارات کے لئے بھی یہ ملک بیحد اہمیت اور کشش رکھتا ہے۔

ایسے ماہرین آثار قدیمہ جو فن تعمیر کی ریسرچ کا کام کرتے ہیں۔ چونکہ وہ قدیم اشیاء کو واپس نہیں لاتے بلکہ محض اُنکی تاریخی حیثیت اور طرز تعمیر کے متعلق معلومات حاصل کرنا ان کے فرائض میں داخل ہے۔ اسلئے اس قسم کی سرگرمیوں سے عجائب خانوں کو دلچسپی نہیں رکھتے۔ اور اُن کے کارپرداز ایسی ریسرچ کے کام میں مشکل ہی سے شرکت کر سکتے ہیں۔ اسلئے طرز تعمیر کی ریسرچ کرنے والی جماعت کو یونیورسٹیوں، علماء و فضلا کی جمعیتوں اور علمی اداروں سے حصول امداد کی کوشش کرنی چاہیئے۔

علمی اداروں سے کیونکر امداد مل سکتی ہے۔ اس کے اظہار کے لئے یہ کہنا کافی ہے۔ کہ ہمارا تحقیقاتی کام امریکن کونسل آف لرنڈ سوسائٹیز . . . . (amerıcan Council of learned Socities) "امریکن انجمن ہائے افاضل کی مجلس مشاورت" کے ایک رکن کی پے در پے و مرتبہ مالی اعانت کی منت پذیر ہے۔

اس مختصر رپورٹ کو ختم کرتے ہوئے موجودہ ایران [illegible] عام حالات کے متعلق چند الفاظ کہدینا [illegible]

تحقیقات کی مہم شروع کر دینے کے بعد ایک وقت وہ تھا کہ ہمارے نسبت ایرانی حکومت اور ایرانی باشندے یہ خیال کرتے تھے۔ کہ ہماری تحقیقات خالص علمی تحقیقات تھی۔ یہ کہ ہم آثار قدیمہ سے تعلق رکھنے والی اشیا نہ خریدتے ہیں۔ اور نہ کسی دوسرے طریقہ پر حاصل کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ ہم صرف یادگاروں کے فوٹو لیتے تھے۔ چنانچہ ہم آزادی سے ایک مقام سے دوسرے مقام پر سیر و سیاحت کرتے پھرتے تھے۔ اور کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ نہ پولیس کی ہم پر نظر تھی۔ نہ سڑکوں کے پہرہ دار اور محافظ، محکمہ آثار قدیمہ کے انسپکٹر صاحبان اور خفیہ کارکن ہمیں کبھی مشکبہ نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ ہمارے روزنامچوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سرکاری افسروں اور ملازموں نے ہمیں بڑی فراخدلی سے مدد دی۔ مدد دینے والوں میں دیہات کے مقدموں۔ دیہاتی مدارس کے ٹیچروں سے لے کر محکمہ آثار قدیمہ و محکمہ تعلیم کے اعلیٰ سے اعلیٰ افسر بھی شامل تھے۔ ہمیں رہنما مہیا کئے گئے سیڑھیاں عاریتاً دی گئیں۔ ہماری قیام کیلئے باغات اور طویل قیام کے لئے مکانات دئے گئے۔ ایران کے خوش اخلاق اور بامروت افسروں سے تعاون و اشتراک رکھنے کے باعث گرم چائے اور چائے سے متعلق ضروری سامان ہر وقت ہم کو میسر رہتا تھا۔ ایران کے آدمی بڑے ہی خوش خلق، اور مہمان نواز ہیں۔ قصبات اور دیہات میں ہر جگہ لوگ ہمارے دوست بن گئے اور یہ لوگ ہمیں نہ صرف اپنی مساجد دکھانے کیلئے دعوت نامے بھیجتے تھے بلکہ کسی گھنے درخت کے نیچے یا کسی مسقف مکان میں ہمیں ضیافتیں دینے کی غرض سے بھی مدعو کرتے رہتے تھے۔

ہم جہاں کہیں بھی پہنچے۔ ہم اجنبیوں کو ایران کا مہمان سمجھا گیا اور ہماری خاطر مدارات میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی گئی۔ جب ہم کسی گاؤں کے قریب اپنے ڈیرے ڈالتے۔ تو لوگ پھول اور پھل کافی مقدار میں ہمارے واسطے لاتے۔ جیسا کہ اکثر اتفاق ہوا۔ جب کبھی ہم [illegible] کرتے کرتے ستانے کو کہیں ٹھہر جاتے۔ تو [illegible] کنارے یا گھنے جنگل کی کھلی ہوا میں ہمارے [illegible] اور بستر فراہم کر دئیے جاتے۔ اور ہم وہیں [illegible] خراٹوں کی نیند سو جاتے۔ ہم ایران کے جس حصے میں گئے وہاں نہ کوئی قونصلخانہ اور نہ کوئی غیر ملکی آبادی ہماری نظر سے گذری۔ بلکہ ہم نے جس ایران کو دیکھا۔ وہ ایک انبساط انگیز و سرور افزا سرزمین تھی۔ طویل و عریض مسافتوں کی یہاں صرف ایرانی شان و شکوہ ہی جلوہ گر تھی۔ یہاں کے بہار چینی پہاڑی علاقوں کے مناظر پیش کرتے تھے جن کے سروں پر نہ ختم ہونے والے میدان تھے۔ جن کی گرمی جھلسا دینے والی تھی۔ جا بجا دیہات تھے۔ جو بلند و بالا پہاڑوں سے نکلنے والی ندیوں کے ساتھ ساتھ واقع تھے اور سبزہ زاروں سے اٹے پڑے تھے۔ جہاں تہاں شہتوت کے درختوں کے باغات تھے۔ جن کے تالابوں کے پانی کی [illegible] موسم گرما کے طولانی دنوں کے اختتام پر بہت [illegible] و سرور بخش ہوتی ہے۔ جس کسی کو اپنی خوش بختی سے ایران کو دیکھنے اور اس کو سمجھنے کا موقع ملا ہے۔ وہ اس کے سحر آگین مناظر کی یاد میں سیماب آسا تڑپنے لگتا ہے [illegible] ایران کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ فارسی زبان سے واقف ہو۔ کچھ وقت صرف کرنے اور جتنے ایرانی خوش اخلاق [illegible] مروت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس میں ان پر سبقت لے جائے۔

(اخذ و ترجمہ) ممتاز خورجوی

کیفِ امروز

میری باہوں پہ ہیں عنبر فشاں پریشاں ان دنوں،
جاں بجاں ـــ ہر ساعتِ عمرِ گریزاں ان دنوں

میری نیندیں ـــ اونگھتی سی آسمانی وادیاں
میری بیداری بھی اک خوابِ زرافشاں ان دنوں

جھومتا ہے زندگی کے ہر بہکتے موڑ پر،
ایک رنگیں سایۂ ابرِ بہاراں ان دنوں

دن ـــ کسی دوشیزہ کا دامانِ زرکار و جمیل
رات کا ہر شرمگیں آنچل غزلخواں ان دنوں

زندگی کے جھلملاتے راستوں کو دور تک
دیکھتا ہوں، انجستاں، انجستاں، ان دنوں

ذہن میں جنت بداماں نکہتیں پھیلی ہوئیں
روح میں ہے ایک نغمہ سا پرافشاں ان دنوں

اطلس و زربفت میں لپٹی ہوئی ہر آرزو،
زندگی سے ایک خوابوں کا پرستاں ان دنوں

جیسے دوشیزہ کے اُجلے دل میں نازک سا خیال
لحظہ لحظہ ہے گلستاں در گلستاں ان دنوں

ایک الہامی سی مستی، اک ضمیرِ تابناک
مہر و ماہ، میرے چراغِ زیرِ داماں ان دنوں

(ضمیر جعفری)

(افسانہ)

سڑک!

از اختر ملیح آبادی

جہاں آم، لیموں اور پھلینڈسے کے پیڑ تھے۔ وہیں
ے سڑک مڑی تھی۔ سڑک کے کنارے چھوٹے چھوٹے باغات
ے۔ کہیں کہیں مزدوروں کی جھونپڑیاں تھیں۔ اور ادھر اُدھر
ت سے کھیت پھیلے تھے۔

وہ پیڑوں کے جھنڈ کی طرف گھور رہا تھا۔ جنکے گھنے سائے
ں ڈامر کی سڑک نے موڑ لی تھی —— وہیں اُسے کوئی
یز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ چمکیلی چیز نزدیک آ گئی پھر
ضا میں گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ پھر بڑے بڑے سیاہ
پہیے دیکھے۔ یہ ٹھیکیدار کی لاری تھی۔ لاری پوری رفتار سے
آئی اور گزر گئی دیر تک فضا میں گھڑگھڑاہٹ گونجتی رہی
وہ ہوا میں تنکے بیقرار روحوں کی طرح ادھر اُدھر آتے جاتے
رہے۔ یہ بے جان تنکے خود تو فضا میں پرواز کرنے کی
طاقت رکھتے نہ تھے۔ ہوا کے جھونکے نے انہیں عارضی
زندگی بخشی تھی۔ لیکن اب وہ جہاں سے اُٹھے تھے۔ اُس
پستی کی طرف آ رہے تھے۔ اُن کی عارضی زندگی ختم ہو
رہی تھی۔

اُس کی نظریں کالی سڑک پر گڑ گئیں اور سڑک کا
وجود اس کے دماغ میں گھٹنے لگا۔ سڑک اُس کے دل میں کانٹے
کی طرح چبھا کرتی تھی سڑک اُس کی زندگی میں بُری طرح
دخیل تھی۔ وہ سڑک کو بھلانے کی کوشش کرتا۔ لیکن وہ بھلا
نہ سکا تھا۔ وہ محسوس کرتا سڑک سے اُس کی وجہ یہ تھی
کہ اس کی زندگی کا بہترین حصہ سڑک کی نذر ہو گیا تھا۔

وہ جب بھی سڑک کو دیکھتا۔ تو اُسے سڑک سے
ڈر لگنے لگتا تھا۔ سڑک نے نہ معلوم کتنی جانیں بھینٹ
میں لی تھیں۔ اتنی بھینٹیں اور اُس کی زندگی کی بھینٹ
لینے کے بعد یہ سڑک بنی تھی۔ اس نے سڑک کے لئے اپنی
جوانی، اپنی قوت، اپنا زور سب کچھ دیدیا تھا۔ اور سڑک
نے اُسے دمہ کا روگ دیدیا تھا۔ وہ گھل گیا تھا لیکن سڑک
ابھی تک ویسی ہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بہت کڑھتا تھا سڑک
نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا۔

اسی سوچ میں اُسے وہ کچی سڑک یاد آ جاتی جس
پر لاریوں کے بجائے بیل گاڑیاں چلا کرتی تھیں۔ سڑک
پر جگہ جگہ گڑھے تھے۔ برسات میں سڑک کیچڑ سے بھر جاتی
تھی۔ پھر کچی سڑک کو پکا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ادھر اُدھر
سے بہت سے بیکار کسان اور مزدور اکٹھے ہو گئے۔ موٹے
تازے، دبلے، پتلے، تندرست اور بیمار ہر طرح کے کسان
اور مزدور تھے۔ سڑک پر کدالیں چلنے لگیں۔ سڑک کھدنے
لگی۔ کنکر جمع ہونے لگا۔ اسی سڑک کے کام پر وہ بھی نوکر
تھا۔ کام بہت سخت تھا۔ لیکن پیٹ نے اُسے مجبور کر دیا
تھا کہ کم مزدوری پر وہ اپنا کٹھن کام کرتا رہے ——
یہیں پہلی مرتبہ اُس کی ایک گاؤں کی لڑکی سے ملاقات
ہوئی تھی۔ جو اس کی طرح غریب، نیک، محنتی اور بھولی
تھی۔ وہ روڑا کوٹنے پر لگی تھی۔ اس کا نام [illegible]
وہ اُسے بہت [illegible] کام [illegible]

پتے چھڑے گودے کر ہریہ کے پاس چلا جاتا۔ اور دونوں پیپل کے سایہ میں بیٹھ کر گڑ اور چنے کھایا کرتے تھے۔ پہلے اس نے ایک دن ہریہ سے پوچھا تھا:۔

"تم کام کرنے کہاں آتی ہو؟"

"پیٹ کے لئے جو آئیگا"

"کوئی مرد نہیں ہے؟"

"نہیں —"

پھر ہریہ نے اپنی رام کہانی یوں سنائی:۔

گھر میں پانچ آدمی تھے۔ باپ، دو بھائی، میں اور دادی۔ ماں تو پہلے ہی مر چکی تھی۔ ہم لوگ دریا اُس پار والے گاؤں میں رہتے تھے۔ ہمارے گھر میں کھیتی ہوتی تھی۔ ہمارے یہاں دو بیل، بھینسیں، گائے اور بکریاں تھیں۔ لیکن یہ سب کچھ تین سال پہلے تک تھا۔ میں تین سال پہلے کی باتیں بتا رہی ہوں۔ پہلے زمیندار نے کھیت لے لئے۔ میرا باپ اور بھائی مزدوری کرنے لگے۔ گاؤں میں ایک آدمی سے بیر تھا۔ اس نے میرے باپ کو چوری میں پکڑا دیا۔ اور وہ جیل میں مر گیا۔ ایک بھائی بیماری میں مرا۔ اور دوسرا قتل میں پھانسی پا گیا۔ اب ہمارے گھر میں نہ بیل تھے۔ نہ بھینس۔ نہ بکریاں نہ باپ اور بھائی۔ میں اور دادی اکیلے رہ گئے۔ میں ادھر اُدھر مزدوری کرنے لگی۔ اور اس طرح پیٹ پالنے لگے۔ یہ کہہ کر ہریہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں بہت سے آنسو چھلک آئے تھے۔ اور وہ بڑی دیر تک ہریہ کے دکھ پر رنج کرتا رہا تھا۔

اُسدن سے وہ ہریہ سے اور زیادہ قریب ہو گیا تھا۔ وہ اُسے روز گاؤں پہنچانے جاتا۔ اور کبھی، کبھی اُسے پیسے بھی دیتا تھا۔ اُن ہی دنوں اُس کے دل میں ایک بات آئی تھی۔ وہ سوچتا تھا۔ اگر ہریہ سے وہ بیاہ کر لے۔ تو کیا ہو؟ ہریہ سندر تھی۔ سانولا رنگ، موٹی سی ناک، بڑی بڑی آنکھیں، نیک اور غریب، لیکن وہ ہریہ سے کہتے ڈرتا تھا۔ ایسا نہ ہو وہ بُرا مان جائے لیکن ایک دن جب وہ ہریہ کے پاس بیٹھا تھا۔ تو اس نے ہریہ سے کہا:۔ ایک بات کہوں۔"

"ہاں — کہو"

"مجھ سے بیاہ کر لو"

"ارے —" ہریہ لجا گئی تھی۔ پھر ہنس کر بولی:۔

"دادی سے پوچھ لوں"

"ہاں دادی سے پوچھ کر بتانا"

اور کچھ دنوں بعد دونوں کا بیاہ ہو گیا تھا۔ اب دونوں ساتھ، ساتھ کام پر آتے، ساتھ ہی جاتے۔ کبھی کبھی وہ ہریہ کو کام کرنے سے منع کرتا۔ تو وہ کہتی "ہم دونوں مل کر اتنا کمائیں کہ کچھ بچ جائے کام آئیگا"۔

ہریہ بڑی محنت سے کام کرتی رہی اور اسوقت تک کام کرتی رہی۔ جبتک کہ وہ مجبور نہ ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد ہریہ کے لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ کمزور تھی اور کمزور ہو گئی۔ تھوڑے دنوں بعد ہریہ کام پر آنے لگی۔ لیکن اتنی محنت سہہ نہ سکی۔ ایک دن کام کرتے کرتے ہریہ نے خون تھوکا۔ وہ بیمار پڑ گئی اور تین مہینے کے بعد مر گئی۔ سب سے پہلے سڑک نے ہریہ کو چبایا۔ اس نے ہریہ کو سڑک کی نذر کر دیا۔ اب وہ اکیلا تھا سڑک کے کام سے اُسے نفرت ہو گئی۔ لیکن مجبوراً کام کرتا رہی۔ اس کے بعد اُس نے کئی اور مزدور کو مرتے دیکھا۔ اسی لئے وہ سڑک کو ڈری ہوئی آنکھوں سے دیکھا کرتا ہے۔

پھر اُسے وہ دن یاد آیا۔ جب کچی سڑک بن گئی تھی۔ اور اس پر بھاری بھاری لاریاں چلنے

موٹر اور تانگے آنے جانے لگے۔ جب سڑک نئی تیار ہوئی تو وہ مگر دھ ہوگیا تھا۔ سڑک بہت مضبوط تھی۔ لیکن وہ بہت کمزور تھا۔ دن بھر گدالیں چلاتے۔ کنکر کی ڈلیاں کوٹتے وہ بہت ہی کمزور ہوگیا تھا۔ یہیں سے اسے کھانسی کا روگ لگا تھا۔ کھانسنے پر آتا۔ تو اس کی پسلیاں دکھنے لگتی تھیں۔ سڑک نے اس سے سب کچھ لیکر اسے دیا۔ کیا تھا ایک جان لیوا روگ۔ یہی اس کی خدمت کا صلہ تھا!!

سورج ڈوب چکا تھا۔ دور پچھم میں آم کے پیڑوں کے اوپر دور تک لالی پھیلی تھی۔ شہر کی طرف سے موٹر، تانگے، سائیکلیں آ رہی تھیں۔ بہت سے مرد اور عورتیں ہوا کھانے سیر کرنے باغوں سے جھنڈ میں ایک دوسرے کو چھوتے۔ جاتے آتے تھے۔ وہ جب سڑک پر ادھر ادھر ٹہلتا تو دیکھتا کہ مرد اپنی محبوباؤں کے پہلو میں بیٹھے ہیں۔ اس نے ہزاروں عورتوں کو اپنے عاشقوں کے ساتھ مصروف اختلاط دیکھا تھا۔ عورتوں کو روتے کھیلتے کو ہنستے۔ وہ روزانہ سڑک پر ایسے مناظر دیکھا کرتا تھا۔

اسی سڑک پر آتے جاتے اس نے ایک ٹھیکیدار کو ایک مزدور کی لڑکی سے مذاق کرتے دیکھا تھا۔ اور جب لڑکی نے بھاگنا چاہا تھا۔ تو اس نے زبردستی لڑکی کو پکڑ کر موٹر میں ڈالدیا تھا۔ اور یہ دیکھکر وہ سڑک پر سے ہٹ کر لوٹ گیا تھا!!

آگے بڑھکر اس نے سڑک کے کنارے دو نوجوانوں کو ایک لڑکی کو زبردستی چوستے دیکھا تھا——

سڑک پر چلتے چلتے یہ گندے منظر دیکھے۔ اسے وہ دن یاد آجاتے تھے۔ جب سڑک کچی تھی اس پر بیل گاڑیاں چلا کرتی تھیں۔ وہ سڑک پر کام کرتا تھا۔ تو وہ بھی ہر یہ سے پریم کرتا تھا۔ لیکن اسکا پریم ان مہذب انسانوں کے پریم سے بالکل الگ تھا۔ انکا پریم جسمانی ہوتا ہے۔ اسکا پریم روحانی تھا۔ وہ دیکھتا۔ ایک مہذب آدمی اگر ایک لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہے۔ تو کل اس کی بغل میں دوسری لڑکی ہوگی۔ لیکن اس نے تو صرف ایک لڑکی سے پریم کیا تھا—— اور وہ لڑکی آجتک اسے یاد تھی۔ مرنے کے بعد وہ اسے یاد آتی رہتی ہے!!

اندھیرا بڑھنے لگا۔ ہر طرف تاریکی پھیلنے لگی۔ بڑے بڑے آم، امرود، نارنگی اور چلبلے کے پیڑوں کی چوٹیاں اندھیرے میں چھپ گئیں۔ پھر اندھیرا گہرا ہونے لگا۔ بڑے بڑے پیڑ اندھیرے میں ڈوب گئے۔ کالی ڈامر کی سڑک اور سیاہ ہوگئی۔ کالے سانپ کی طرح سڑک بل کھاتی ہوئی پڑی تھی۔ اندھیرے میں کبھی کبھی آتی جاتی لاریوں کی بجلی تیز روشنی سڑک پر پیلا اجالا پھیلا دیتی تھی۔ کبھی گزرتے ہوئے موٹروں سے کسی لڑکی کے ہنسنے کی آواز سناٹے میں چھپ جاتی تھی۔

اس نے چلم رکھدی۔ اس کی سانس پھولنے لگی۔ پہلے سانس میں تمباکو پیتا ہوا پھر گلے کی رگیں پھولنے لگیں پھر نتھنے پھڑکنے لگے آخر میں کھانسی آ ہی گئی۔ وہ بری طرح سے کھانسنے لگا۔ اسکی سوکھی پسلیاں ٹوٹنے لگیں۔ سوئیاں سی چبھنے لگیں وہ بری طرح سے کھانس رہا تھا۔ سڑک پر ایک فوجی لاری دوڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ اسکی کھانسی کا شور لاری کے شور میں گم ہوگیا——!

اس نے اٹھنا چاہا تو کمزوری نے اجازت نہ دی وہ ادھر کئی دن سے بیمار تھا۔ اس لئے وہ اپنی لڑکی گربیا کو ویدکے یہاں دوا لینے بھیجدیا تھا۔ گربیا اسی سڑک سے ویدکے یہاں جاتی تھی۔

اندھیرا اور گہرا ہوگیا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ آسمان پر تارے چمکنے لگے۔ تاکہ بھولے بھٹکے مسافروں کی رہنمائی کریں۔ اسے گربیا کا دھیان آیا۔ گربیا ابھی تک نہیں آئی تھی۔ یہ سوچ کر اسے الجھن ہونے لگی——

خیالات پھر دوسری طرف مڑ گئے۔

پر سے دور نہ کرتا۔ دن بھر کنکر نہ ڈھوتا۔ مٹی نہ کھودتا۔ تو وقت سے پہلے بڑھاپے کی یہ بیماری نہ ہوتی۔ وہ اتنی جلد بوڑھا نہ ہوتا۔ لیکن ——— پھر یہ سڑک کیسے تیار ہوتی۔ یہ سڑک کیسے بنی ہوتی۔ یہ بھاری بھاری لاریاں کیسے چلتیں، لوگ سڑک پر چہل قدمی کرنے کیسے آتے۔ عشق و محبت کے معنی کیسے بنتے۔ اور مزدوروں کی لڑکیوں پر ہاتھ کیسے صاف کیا جاتا۔ وہ سوچنے لگا۔ کاش یہ سڑک نہ بنتی تو اچھا تھا۔

سانس کا اتار چڑھاؤ پھر بڑھ رہا تھا۔ دریا میں طوفان کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ .... گریتا کہاں ہے؟ گریتا کا خیال پھر اس کے ذہن پر چھا گیا۔ وہ رات میں آئے گی۔ کالی اندھیری رات ہے۔ وہ اکیلی سڑک پر کیسے چلے گی ——— اس نے مڑ کر سڑک کو گھورا۔ پیڑوں کے پاس ایک کالی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔ یہ سڑک تھی۔ کالی ڈراؤنی وہ سڑک کو اندھیرے میں گھورنے لگا۔ جیسے وہ آنکھیں دکھا رہی ہو۔ اس نے ڈر کر سڑک پر سے نظریں اٹھالیں ہر طرف سناٹا تھا گہرا سناٹا۔ اسے محسوس ہوا کہ اندھیرے میں ہر پیڑ اسے منہ چڑا رہا ہے۔ اسے آنکھیں دکھا رہا ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پھر سڑک کی طرف دیکھا۔ اسے محسوس ہوا۔ جیسے سڑک اس سے کہہ رہی ہے:۔

آج میں تمہاری جان لے لوں گی۔ تم نے مجھ پر کدالیں چلائیں۔ مجھے پیٹا۔ مجھے کھودا۔ میری چھاتی پر کنکر توڑے جاتے ہو۔ دھرتی کو ستانا کتنا بڑا پاپ ہے۔ دھرتی کو ستانے والا کبھی سکھی نہیں رہتا۔ ..." اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے دھرتی کو ستایا۔ یہ سب اسی کا کشٹ ہے۔ دھرتی ماتا مجھ سے بدلے رہی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے دھرتی کو ستانے کا کام کیا ہے۔ لیکن [illegible] نے دھرتی کو دکھ دیا۔ ——— ———

[illegible] کی طرف مڑ گئے۔ گریتا کیا کر رہی ہے؟ ابھی کیوں نہیں آئی۔ ابھی تو چاند کی روشنی تیز ہو گئی۔ وہ لکڑی کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ اس کے دماغ میں کچھ شکوک پیدا ہونے لگے ——— سنا ہے اکثر لڑکیاں غائب ہو جاتی ہیں ....

گریتا کسی لاری کے نیچے نہ آ گئی ہو۔ خیالات پھر دوسری طرف مڑ گئے۔ سڑک بننے سے کیا فائدہ ہوا۔ کیا یہ اس لئے بنی تھی۔ کہ اس پر لاریاں چلیں۔ کیا اس لئے کہ ہر سال کچھ جانیں جائیں۔ کیا اس لئے کہ مہذب انسان آ کر کھلے بندوں محبت کریں۔ کیا اس لئے کہ لڑکیوں کو زبردستی اٹھا لیا جائے۔ اگر یہ نہیں۔ تو پھر سڑک کی کیا ضرورت تھی؟

پھر بھیانک سناٹے میں دور سے گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ اسے خیال ہوا یہ شور جیسے سڑک کے نیچے ہو رہا ہے اور سڑک اب اڑ جائیگی۔ پھٹ جائیگی ——— گھڑگھڑاہٹ قریب آ گئی۔ ٹھیکیدار کی لاری جا رہی تھی۔ فضا شور سے بھر گئی ——— اس کے خیالات میں ہیجان پیدا ہونے لگا۔

اسے گریتا کو ڈھونڈنے جانا چاہیئے۔ اس کے قدم سڑک کی طرف اٹھ گئے۔ ڈامر کی سخت سڑک کو وہ روندنے لگا۔ سڑک اس کے تلووں میں کانٹے چبھونے لگی۔ چٹکیاں لینے لگی۔ وہ سڑک پر دوڑنے لگا۔ اور چلایا "گریتا ... ... گریتا ... ..." اس کی آواز دور تک سڑک کے ادھر ادھر پھیل گئی۔ گھنے پیڑ سر جھکائے سنتے رہے۔ وہ کبھی کھانستا کبھی چلاتا۔ اور برابر سڑک پر دوڑے جاتا تھا ——— پیڑوں کے جھنڈ کی طرف جہاں سے سڑک مڑی تھی۔ .....

جھنڈ کی طرف سے آہٹ معلوم ہوئی وہ آگے بڑھا۔ گریتا کی آواز تھی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ اور دو مضبوط ہاتھ اسے چیخنے سے روک رہے تھے۔ وہ جھپٹا [illegible] ... اندھیرے میں دو ہاتھ گریتا کو [illegible]

گڑیا کو چھڑانا چاہا۔ ایک گھونسہ اس کے منہ پر پڑا۔ دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہنے لگا۔ وہ چکرایا۔ لیکن سنبھل گیا۔ وہ چلایا۔

"چھوڑ دو۔ چھوڑ دو۔ میری گڑیا کو چھوڑ دو۔ میری گڑیا مجھے واپس کر دو۔ ایشور کیلئے اُسے مجھے دے دو۔ میرے پاس اب گڑیا کے سوا اور کچھ نہیں ہے.. یہ ظلم اچھا نہیں.. .... چھوڑ دو۔ گڑیا کو چھوڑ دو . " وہ چیختا رہا۔ کہ کھانسی آ گئی سانس تیز ہو گئی۔ الفاظ حلق ہی میں رک گئے۔ لاری جانے والی تھی۔ ہلکی ہلکی گھڑگھڑاہٹ ہو رہی تھی۔ آگے کی بتیاں روشن ہو گئیں۔ سڑک پر چمکی۔ پیلی روشنی پھیل گئی ——— اب وہ ہمت کر کے لاری کے آگے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا حلق خشک تھا، رگیں بھری تھیں سینے میں ڈنڈا تھا۔ وہ غصہ سے کانپ رہا تھا وہ آخری مرتبہ چلایا۔

"میری گڑیا مجھے دے دو۔ میں تم سے گڑیا کی بھیک مانگنے آیا ہوں . .... میں نے اپنا خون بہا کر اس سڑک کو بنایا ہے۔ میں نے سڑک کے لئے اپنا جیون برباد کر لیا۔ میں نے سڑک کے لئے ہر تیہ کی بھینٹ دی ..... کیا یہ سب اس لئے کہ سڑک پر میں اپنی آبرو لٹا دوں۔ اپنی گڑیا کو تمہارے حوالے کر دوں۔ .... کیا یہ سڑک اسی لئے بنائی گئی تھی۔ کہ اس پر مزدوروں کا خون کیا جائے۔ غریبوں کی آبرو لوٹی جائے۔ بولو کیا سڑک اسی لئے بنی تھی۔ کہ غریبوں کے دل توڑے جائیں۔ ان کے سینوں پر پہیے چلائے جائیں۔ اُن کے سہارے ان سے چھینے جائیں۔ ان کے سامنے ان کی آبرو لی جائے...... بولو بولو میری گڑیا مجھے کب ملے گی؟ ...... میں لاری جانے نہ دونگا۔ آگے بڑھنے نہ دونگا۔ جب تک گڑیا کو واپس نہ لے لونگا۔ میں بغیر گڑیا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں مر جاؤنگا .... مر جاؤنگا

لاری نے جھٹکا لیا۔ اور آگے اُچھل۔ سامنے کھڑے ہوئے ایک ناتوان انسان کو دھکا دیا۔ اُسے گرا دیا اور پھر دندناتی ہوئی نکل گئی۔ دیر تک فضا میں گڑیا کی چیخیں سنائی دیں۔ پھر فضا خاموش ہو گئی۔ جیسے سڑک پر کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد کوئی راہگیر سڑک پر سے نہ گذرا ———

× × × × ×

صبح آم، لیموں، نارنگی اور پپیتے کے پیڑوں کے پاس جب مزدور آئے۔ تو انہوں نے دیکھا پیڑوں کے نیچے سڑک پر بہت سا انسانی خون جما ہوا ہے۔ اور قریب ہی ایک مزدور کی لاش پڑی ہے جس کی رگیں ابھری ہیں۔ منہ بری طرح کچلا ہوا ہے۔ راہگیر سڑک ہو کر لاش کو دیکھتے پھر سڑک پر آگے بڑھ جاتے تھے۔ جب سے سڑک بنی تھی۔ کبھی نہ کبھی دن سڑک پر کوئی نہ کوئی لاش دیکھا کرتے تھے ———

یہ لاش بھی ایک مزدور کی تھی۔ جس نے سڑک پر کام کیا تھا۔ اس کی زندگی سڑک سے شروع ہوئی۔ اور سڑک پر ہی ختم ہو گئی ——— !!!

چاندنی رات کا گیت

سفر ہے الفت، سفر محبت
کہاں ہے مانجھی اٹھائے لنگر

یہ چاند لگتا ہے کتنا پیارا — یہ کیسا دلچسپ ہے نظارا
کہاں یہ لیجائے کیا خبر ہے — یہ زندگانی کا تیز دھارا
ہم اپنی بستی نئی بسائیں — ہم اپنی دنیا نئی بنائیں
جہاں نہ ہوگی کوئی جدائی — جہاں نہ ہوگی کوئی برائی
اب آؤ الفت کے گیت گائیں — جہاں کو نغمے نئے سنائیں

سفر ہے الفت، سفر محبت
کہاں ہے مانجھی اٹھائے لنگر

چلیں گے کرنوں کی ناؤ لے کر — تمام جھگڑوں سے ہاتھ دھو کر
زمین والوں سے دور ہٹ کر — اور آسماں سے قریب ہو کر
ہم اپنے خوابوں کے کچھ جزیرے — بنائیں گے چاندنی سے اوپر
جہاں پہ دکھ کا گزر نہ ہوگا — جہاں پہ الفت کا راج ہوگا
جہاں کے محلوں کی سرزمیں پہ — جلیں گے تارے چراغ بن کر

سفر ہے الفت، سفر محبت
کہاں ہے مانجھی اٹھائے لنگر

مظفر حسین شمیم

[illegible]

عطف و اضافت

بسلسلہ اکتوبر ۱۹۴۳ء

۹۔ پیہ :۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں مشترک ہے

ملا طاہر وحید ؎

کلہ بزر پیہ داد کلہ دہ او پاچہ داد
ہر کہ با کم مایہ سودا میکند پا می خورد

ملاحظہ ہو بہار عجم و غیاث اللغات۔ ہذا عطف و اضافت جائز ہے۔

۱۰۔ بلوا :۔ بالفتح بمعنی بلا و زحمت (غیاث اللغات و لطائف اللغات و لمنتخب اللغات) یہ اصل میں فارسی لفظ ہے۔ مگر اردو میں مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں۔ کہ فلاں جگہ بلوا ہو گیا۔ یعنی مار پیٹ ہو گئی یا کہتے بلوا کرتے ہو۔ یعنی کیوں لڑ مچاتے ہو۔ مار پیٹ اور لڑائی بھی چونکہ ایک قسم کی بلا و زحمت ہے اس لئے ملزوم کہہ کر لازم مراد لی۔

ہذا عطف و اضافت درست ہے۔ جیسے بلوائے عام وغیرہ۔

۱۱۔ پیاز :۔ فارسی لفظ ہے اور عطف و اضافت جائز۔ سعدی ؒ

پوست بر پوست بود ہمچو پیاز
قلی خراسانی .. تا چشم تو آراستہ سرمۂ ناز است
اندیشۂ مشتاق دو۔ اشک پیازی

۱۲۔ چندن :۔ فارسی لفظ ہے اور اس کا معرب صندل ہے۔ ہذا عطف و اضافت جائز ہے۔ جیسے درخت چندن (غیاث و ہفت قلزم)

۱۳۔ چچہ :۔ فارسی لفظ ہے۔ ترکی میں عاشق کہتے ہیں۔ ہذا عطف و اضافت درست ہے۔

طاہر وحید ؎ زلیخائی او شدم غصہ خود
دلے دارم از غصہ چوں چچہ پر

ملا طغرا ؎ چو عاشق ز طنبور آری بدست
دل چچہ سازاں بزیر د شکست

۱۴۔ چک :۔ یہ لفظ انگریزی و فارسی دونوں میں مستعمل ہے۔

زین الملک ابو سعد بن محمد کا دربار کا شاعر امیر معزی لکھتا ہے ؎

آں بزرگاں گرشدندے زندہ در ایام او
چک دہندے پیش او بر بندگی و چاکری

۱۵۔ چینکی :۔ بروزن زیرکی بمعنی اونگھائی۔ فارسی لفظ ہے۔

طالب کلیم ہمدانی ؎ با سجدہ رسید است غش سرخوش
پیشانی او ز چینکی بہ زدہ

لیکن اردو میں تھوڑا سا تصرف ہوا ہے۔ اردو کرانیوں پینے سے جو غنودگی ہوتی ہے۔ [illegible]

ہے۔ سنسکرت میں اس کے معنے کو پکیا۔
ہندی صفت مشتق ہے۔ جیسے چنگیا لیوں۔

۱۶۔ پلنگ :۔ فارسی اور اردو میں ایک
ہی معنی میں بولتے ہیں۔
محتشم فرخ ؎ بے خواب بہاری فرش کردند
پلنگ بید باف از سایۂ بید
مسیح سید تقی ؎ گر بم شاہ کہ افتد دست انتقال
کلام بلائے کند تندی تو چتر و پلنگ

۱۷۔ پلہ :۔ ترازو کا ایک حصہ جسے اردو میں
پلڑا یا پلہ کہتے ہیں۔ لیکن پلے اور پلڑے میں ایک
نازک فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ پلڑے اور دکھڑے میں
ڑہ تصغیر کے لئے ہے۔
رو صالحی مشہدی ؎ حاکم ترا اگر نہ ہمیں کرد ناگہاں
بشکست ہر دو پلۂ میزان روزگار

۱۸۔ پلید :۔ فارسی لفظ ہے ملاحظہ ہو بہار عجم و
غیاث۔ پلیت و پلید بمعنی نجس و ناپاک لہذا عطف و اضافت
جائز ہے۔

۱۹۔ پلک :۔ یہ بھی فارسی لفظ ہے۔
امیر خسرو ؎ دریں گفتن پلک برہم گذارم
مگر خواب مرگ خوش دارم
طغرائی مشہدی ؎ اگر نہ سے تو نظارگی نہ بندد چشم
ز پلک دیدہ کشاید دریچۂ نظر چنین
صدیق وقار بردی محمد بغدادی کی شان میں ؎
وا کردہ ز پلک چشم گریاں
دریا بسلیٔ قرب یزداں
مرزا داراب بیگ جویا ؎
از پلک دو چشم تر بردیم
گویا کہ رباعی سحابیست
[illegible] ساوجی ؎
پلک کبود نرگس چشم پر آب من
نیلوفریست کو نکند میل آفتاب

۲۰۔ باجی :۔ بمعنی بجو، آپا، بہن۔ فارسی لفظ
ہے۔ لہذا عطف و اضافت جائز ہے۔
صاحب مصطلحات الشعراء فرماتے ہیں ؎
عجب کہ باشد جہان ما راجی
چسپاں شدہ اختلاط او با باجی
زہرہ گیرد زروحہ فسح لولی
ما شمائیں قوم ار بہراتیں باجی

۲۱۔ باروت یا بارود :۔ فارسی لفظ ہے
ایک قسم کا مسالہ جو بندوق یا پٹاخوں میں بھرتے ہیں
مرزا عبدالقادر تومی ؎
ہمی سوخت ہندو دراں کارزار
چو بارود کندد دے افتد شرار
سعید اشرف ؎
دشمناں را دادہ از یک جلوہ بر باد فنا
ترس بارقت را کا نے بود برق بلاد

۲۲۔ گول :۔ فارسی میں بمعنی احمق و نادان و
مکر و فریب۔ اردو میں یہ کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے
(۱) مدور چیز
(۲) گول ہونا بمعنی انجان بن جانا۔
(۳) گول گول باتیں کرنا بمعنی مبہم اور دھوکے میں ڈالنے والی باتیں کرنا۔
(۴) گول آدمی بمعنی احمق آدمی۔

لہذا مندرجہ بالا الفاظ میں عطف و اضافت
قطعاً جائز ہے ؏

میرزا آغا جان چنگیزی لکھنوی
معتمد بزم ادب بیت العلوم
حیدرآباد دکن

افسانہ

خانہ بدوش

اسرار احمد خاں ایم اے ایل ایل بی
(علیگ)

آجکل کی زندگی میں انہماک اور شور و غوغے کا عنصر اسقدر بڑھ گیا ہے۔ کہ دل کی راحت اور اعصاب کا سکون تقریباً معدوم ہوگیا ہے۔ کچھ سکون اگر نصیب ہوتا ہے تو جنگل کی خاموش فضا میں۔ کھلی اور تازہ ہوا میں آزادی کی بو محسوس ہوتی ہے طبیعت کا انقباض تقریباً بالکل ختم ہوجاتا ہے۔ بغیر کسی مقصد کے صحرا نوردی تو حضرت مجنوں کا ہی حصہ تھا۔ ہم جیسے دنیادار لوگ تو شکار کو اپنا مقصد بنا کر بادیہ پیمائی کا حوصلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ میں ملازمت کے سلسلہ میں یو پی کے ایک آباد اور پُر رونق قصبہ میں مقیم تھا۔ دسمبر کا پہلا ہفتہ گزر رہا تھا۔ ایک دن اپنے ایک زمیندار دوست کی بیل گاڑی مانگ کر علی الصبح شکار کو نکل گیا۔ بستی سے تھوڑی دور نکل کر بڑی اچھی شکارگاہ تھی۔ ترائی کا جنگل تھا۔ الیموں کی وجہ سے تیتر بکثرت ملتے تھے۔ ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ اُس کے برابر چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے ان سب میں عام طور پر مرغابیاں تیرتی ہوئی نظر پڑتی تھیں۔ کانسوں کے جھنڈوں میں نیل گائیں اور ہرن کلیلیں کرتے تھے۔

بستی سے تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ ایک تیتر اٹھا۔ میری بندوق تیار نہ تھی۔ کارتوس ڈالتے ڈالتے کافی دور نکل گیا۔ میں اُس کے پیچھے چلدیا۔ تیتر بڑا موٹا اور خوب چنگا ہوا تھا۔ لیکن جنگلی تیتر کی طرح دور سے دُر کر نہیں بھاگتا تھا۔ میں نے سمجھا کہ شاید زخمی ہے۔ اسلئے نہیں بھاگتا۔ بندوق اٹھا کر جو فائر کیا۔ تو وہیں ڈھیر ہوگیا۔ بھاگ کر اٹھایا۔ ذبح کرکے تھیلے میں ڈال ہی رہا تھا۔ کہ قریب کی ایک جھاڑی سے ایک بلوچ لڑکی مسکراتی ہوئی نکلی۔ میرے قریب آکر کہنے لگی۔ "آپکا نشانہ بہت اچھا ہے۔ بیچارہ ہل بھی نہ سکا"

شباب مجسم۔ سرخ سفید چہرہ۔ بڑی بڑی نرم آنکھیں کشادہ پیشانی۔ کشیدہ ابرو۔ نرم گھنے اور سنہری بال میانہ قد۔ بہترین تندرستی کا نمونہ۔ اس بے تکلفی سے میرے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔ اور گفتگو شروع کر دی کہ میری سمجھ میں نہ آیا۔ کہ کیا جواب دوں۔ حالانکہ فارسی میں نے بچپن سے پڑھی تھی۔ اور اُس کی تعلیم کو انتہا تک پہنچا کر دم لیا ہے۔ مگر پڑھنا اور بات ہے۔ بہت سی کتابیں پڑھتے تو ہیں۔ مگر بولنے کے مواقع ہی نصیب نہیں ہوتے مشق کیسے ہو۔ بہرحال ٹوٹی پھوٹی تو بول سکتا تھا۔ مگر اس کے اچانک آجانے سے کچھ مبہوت سا ہوگیا۔ اس نے میرے جواب کا انتظار کئے بغیر میری بندوق کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے غیر اختیاری طور پر بندوق اُس کے حوالے کر دی۔ گاڑیبان نے ازراہ ہمدردی منع بھی کرنا چاہا۔ مگر اُس نے بڑی تمکنت سے ڈانٹ دیا۔ وہ خاموش ہوگیا۔ بندوق ہاتھوں میں لیکر ... لگی ہے۔ ... یہ بارہ بور کی بندوق ...

...مشکل سے اُٹھتی ہے۔" میں نے اب تک اس کی
...کا جواب نہیں دیا تھا۔ میری نظر میں ہی نہیں
...گئی تھیں۔ کبھی اس کی بندوق پر جھکی ہوئی بھی
...دیکھتا تھا۔ کبھی بے یک سرخ ہونٹوں پر نظر
...اُس کی سفید لمبی اور خوبصورت انگلیاں
...کھیل رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے
...کا احساس ہو گیا ہے۔ اسی یقین کے تحت
...بے تکلفی سے گفتگو کرنے لگی۔ اس کے تبسم
...داز میں ایک فاتحانہ انداز پیدا ہو گیا تھا۔

"...تو دکھائیے" کہتے ہوئے اس نے میرے
...سے تیتر لے لیا۔ تیتر کو غور سے دیکھتے ہی اُس کی ہلکی
...نکل گئی۔ "ابا کا تیتر" کہہ کر اس نے میری طرف
...انداز میں دیکھا۔ آپ سے کیا پردہ یہ الفاظ سنکر
...کانپ گیا۔ ایک تو یہ کہ کسی کا پالتو تیتر مارنا سخت
...جرم ہے۔ دوسرے بلوچی کے چاقو کا خطرہ قانون کی
...سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مگر یہ حیرت ہوئی کہ لڑکی
...دار اور نرم دل نکلی اور بولی "آپ اتنے پریشان نہ
...اسے جلدی سے تھیلے میں ڈال لیجئے۔ میرے ابا
...دوسرے مرد شہر گئے ہوئے ہیں۔ میں کسی سے کچھ نہ
...سمجھ لیں گے کہ گیدڑ کھا گیا ہوگا۔"

میں نے جب اس لڑکی کے یہ الفاظ سنے تو ذرا جان
میں جان آئی۔ ہوش و حواس درست ہوئے تو ذرا ہمت
بڑھی۔ میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "کیا میں تمہارا
...پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

اُس نے ہنس کر جواب دیا "خدا کا شکر ہے آپ
...تو ایسی جرأت کی کیا بات ہے۔ مجھے زہرہ کہتے ہیں
ہمارے ... قریب ہی لگے ہوئے ہیں۔ میں کل قصبہ میں
...وغیرہ فروخت کرنے کیلئے آؤں گی۔ آپ بھی
[illegible]

میں نے کہا "کہ ضرور خریدونگا"

"مگر میں آپ کے مکان پر کیسے آؤں گی" وہ بولی۔

میں نے کہا کہ اِس طرف سے قصبہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلا مکان میرا ہی پڑتا ہے۔ بے تکلف آ سکتی ہو۔

بے تکلف کا لفظ سن کر وہ ذرا مسکرائی اور کہنے لگی: "ہم لوگ تو بے تکلفی کی فضاؤں ہی میں پیدا ہوئے ہیں اسی ماحول میں پرورش پاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم ہر جگہ بلا تکلف ہی چلے جاتے ہیں۔ ... ہماری ذات پر بھروسہ ہے۔ ہماری ہمت اور ہمارا چاقو۔ بلکہ ہماری حفاظت کرتے ہیں۔"

دوپہر کا کھانا کھانے کیلئے بیٹھا ہی تھا۔ کہ زہرہ مسکراتی ہوئی دروازے سے داخل ہوئی۔ اسے اس طرح داخل ہوتے دیکھ کر مجھے جو حیرت افزا خوشی ہوئی۔ اُسکا اظہار نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا "آؤ زہرہ اچھے وقت پر آئیں۔ پہلے کھانا کھالو۔ بولی میں ناخواندہ مہمان بننا نہیں چاہتی۔ میں نے کہا کہ ناخواندہ کیوں ہو۔ میں کل بلا آیا تھا۔ فوراً جواب دیا۔ کہ اگر خواندہ ہوں۔ تو بغیر مہمان کا انتظار کئے ہی میزبان صاحب کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔

"آپ کھائیے میں تو کھا کر چلی ہوں۔" ادھر ادھر دیکھ کر تعجب سے بولی "آپ کے گھر میں کوئی عورت نہیں ہے؟

میں۔ نہیں میں تنہا رہتا ہوں۔ میں یہاں ملازم ہوں میرے بہن بھائی وطن میں ہیں۔

زہرہ۔ پھر آپ نے مجھے اپنے گھر میں بلانے کی ہمت کیسے کی؟

میں۔ تمہاری ہمت اور چاقو پر بھروسہ کرکے۔۔۔

یہ جواب سن کر وہ بہت زور سے ہنس پڑی ...

آہستہ سے پلنگ پر پائنتی کی طرف بیٹھ گئی۔ میں نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا۔ میرا ملازم جسے کہ میں بابا کہتا تھا۔ غصہ سے زہرہ کو اور مجھے دیکھتا ہوا برتن اور دسترخوان اٹھا کر لے گیا۔ اس کے بعد خرید و فروخت کا نمبر آیا۔ میں نے ایک خوبصورت سے چاقو کی قیمت دریافت کی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی جو چاہیں دیدیجیے۔

میں نے کہا "کچھ نہ دوں تو۔ نظریں جھکا کر جواب دیا "کچھ نہ دیجئے آپ ہی کی چیز ہے"

میں نے کہا "نا بھائی مجھے تو تم لوگوں کے چاقو سے بہت ڈر لگتا ہے۔ سنا ہے۔ کہ ذرا ذرا سی بات پر چاقو مار دیتے ہو"۔

زہرہ۔ (زور سے ہنستے ہوئے) نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بعض بدمعاش خواہ مخواہ سودا کرنے لگتے ہیں۔ اور خریدتے نہیں۔ معاف کیا چاقو مارنے کی نوبت کہاں آتی ہے۔ ذرا سی ڈانٹ میں ہی حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ ادھر کے لوگ بہت بزدل ہوتے ہیں۔ مرنے سے بہت ڈرتے ہیں

میں۔ تم موت سے نہیں ڈرتی ہو۔

زہرہ۔ موت سے کیا ڈرنا۔ اگر ڈرنے سے بچ جائیں تو ڈریں بھی۔ وہ تو ایک نہ ایک دن آنی ہی ہے اور پھر بزدلی کی زندگی سے تو مر جانا بہتر ہے۔ بہادر صرف ایک دفعہ مرتا ہے۔ اور بزدل سینکڑوں دفعہ ہم تو موت کو ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ ہمارے یہاں جان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

میں۔ اچھا تو پھر چاقو کی قیمت بتا دو۔ یہ سودا کیوں معرض التوا میں ڈالا جائے۔ . . . چاقو خرید لیا تو بولی۔ کہ اگر آپ کی بیگم ہوتی۔ تو میرا کچھ [illegible] فائدہ ہو جاتا۔

میں۔ یہ کوئی بھلا کہ فائدہ ہو جاتا یا نقصان جب تک آزاد ہیں۔ اچھا ہے۔

زہرہ۔ تو آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔

میں۔ ابھی نہیں . . . .

زہرہ۔ اچھا اب کل اسی وقت آؤں گی۔ میرے پاس انگوٹھی کے نگ بڑے لاجواب ہیں۔ وہ آپ کو دکھاؤں گی۔

یہ کہہ کر زہرہ رخصت ہو گئی۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے۔ کہ اس لڑکی کی بے تکلفی۔ دلیری۔ خوش گفتاری اور خندہ روئی نے مجھ پر جادو سا کر دیا۔ بات بات پر ہنستی تھی غضب کا اطمینان تھا۔ سنجیدگی میں بھی ہونٹوں پر تبسم رقصاں نظر آتا تھا۔ میں بہت دیر تک غور کرتا رہا کہ اس کی یہ گرمجوشی اور اس قدر جلد مانوس ہو جانا ضرور کچھ رنگ لائیگا۔ لیکن اتنی مختصر سی ملاقات میں یہ مجھے یقین ہو گیا تھا۔ کہ میں اس کی حکم عدولی کسی حالت میں نہ کر سکوں گا۔

دوسرے دن حسب وعدہ زہرہ آ گئی۔ آتے ہی سامان ایک طرف رکھ دیا۔ اور خدا معلوم کدھر سے ایک آبنوس کی چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔ میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا مگر وہ ڈبیہ کھولنے میں مشغول تھی۔ اس ڈبیہ میں سے ایک سنہری انگوٹھی فیروزہ کے نگ کی نکالی میری طرف بڑھا کر کہا "اسے پہن کر دیکھئے خدا کرے ٹھیک آ جائے"۔ میں نے انگوٹھی پہن کر اس کی قیمت دریافت کی۔ تو اس نے شرارت سے اتنی زیادہ قیمت بتائی۔ کہ میں آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ہنس کر بولی . . .

زہرہ۔ انگوٹھی کو دیکھئے۔ مجھے کیا دیکھتے ہیں یا انگوٹھی کو خرید رہے ہیں یا مجھے۔

میں نے بہت کہہ کے کہہ دیا۔ "[illegible]

شاید اسے میری بات سے اس عجیب کی تو قع نہ تھی۔ چہرہ پر پسینہ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ تھوڑی دیر سوچ کر بولی۔ "یہ سوال آپ بار بار پوچھ رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "مناسب یہی ہے کہ آپ ہی بتائیں۔"

یہ سن کر کھڑی ہو گئی۔ اور بولی کل آؤنگی۔ مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ انگوٹھی کی قیمت بھی کل ہی بتاؤنگی۔ اس کے چہرہ پر کچھ عجیب قسم کا تغیر پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے میری ہمت کچھ اور کہنے کی نہ پڑی اور وہ تقیلہ اٹھا کر باہر چلی گئی۔

تیسرے دن مجھے زہرہ کا کچھ انتظار کرنا پڑا لیکن آئی تو عجیب ہیئت کذائی سے۔ چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ آنکھیں پرنم۔ بال پریشان۔ رومال سے باہر نکل رہے تھے۔ سیدھے ہاتھ کی کلائی میں کئی جگہ گہری خراشیں ہو رہی تھیں۔ ان خراشوں میں تازہ تازہ سرخ خون جھلک رہا تھا۔ قمیض دامن پر ادھڑی ہوئی تھی۔ تنفس میں غیر معمولی تیزی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ بہت تیز چل کر آئی ہے۔ میں اس کی یہ بدحالی دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس کے قریب پہنچ کر کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "زہرہ۔ خیریت تو ہے۔ آج یہ کیا حال بنایا ہے؟"

میرے منہ سے یہ ہمدردی کے الفاظ سننے کی تاب کہاں تھی۔ میرے کاندھے پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگی۔ یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔ میں آہستہ آہستہ اسکا سر تھپتھپانے لگا۔ جب ہچکی بند ہوئی۔ تو بولی "خدا کے واسطے مجھے بچا لیجئے۔ مجھے اس دنیا میں سوائے آپ کے کسی کا سہارا نظر نہیں آتا۔ میں آپ کو زیادہ پریشان نہ کرونگی۔ رات کی تاریکی میں کہیں [illegible] کر جاؤنگی۔"

میں۔ زہرہ کیسی باتیں کرتی ہو [illegible] کا گھر ہے۔

میری زندگی میں انشاءاللہ تمہارا کوئی کچھ نہ بگاڑ [illegible]

زہرہ۔ اوہ! یہ تو میں بھول ہی گئی۔ کوئی [illegible] دوں۔ اگر وحشی لوگ آ گئے۔ اور مجھے یہاں دیکھ [illegible] میرے ساتھ آپ کی بھی جان جائیگی۔

زہرہ نے کواڑ بند کر دئیے۔ اور میری عجیب بری کیفیت تھی۔ خون خشک ہو گیا تھا۔ زہرہ کی ڈھارس بندھانے کیلئے البتہ میں نے چند الفاظ بہادری کے کہہ ڈالے تھے۔ ورنہ فی الحقیقت دل اندر سے کانپ رہا تھا۔ کچھ یقین سا ہو چلا تھا۔ کہ آج ان بلوچوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ مگر ایسی حالت میں زہرہ کو گھر سے نکالتے بھی نہ بنتی تھی۔ میرے ضعیف ملازم کا برا حال تھا۔ کبھی مجھے دیکھتا تھا۔ کبھی زہرہ کو۔ میں نے جب اس کی یہ تباہ حالی دیکھی تو علیحدہ کمرے میں جا کر سمجھا دیا۔ کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ٹھیک ہو جائیگا۔ اس نے میری اس رائے سے اتفاق [illegible] زہرہ کو ایسی حالت میں نہیں نکال سکتے۔ بڑی گرمجوشی سے اتفاق کیا۔ میں زہرہ کے قریب پہنچا۔ تو پلنگ پر بیٹھی ہوئی۔ آہستہ آہستہ رو رہی تھی۔ میرے [illegible] سے خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہلکی آواز سے کہنے لگی۔

زہرہ۔ میں اسوقت یکایک انتہائی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ مجھے اسوقت بجز آپ کے کوئی مدد گار نظر نہ دیا۔ میں اپنے قبیلہ والوں سے لڑ کر بھاگ آئی ہوں خدا کے واسطے میری بیدہ دلیری کو معاف کیجئے [illegible] نے انتہائی بے حیائی سے کام لیا ہے۔ لیکن سوائے اس کے کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ میں کیا کروں۔ مجھے [illegible] کیلئے وقت ہی نہیں ہے۔ بہرحال مجھے ایک منٹ [illegible] ان وحشی خانہ بدوشوں سے چھٹکارا حاصل [illegible] [illegible] کہ میں نیک خلت [illegible]

شے گئی۔ دراصل اگر میرے لئے یہ جائے پناہ نہ
ہوتی تو میں آج اپنی زندگی کا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ
کر لیتی۔ مجھے یقین ہے۔ کہ میری قیافہ شناسی مجھے
دھوکہ نہ دیتی۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ یہ کیسی لڑکی ہے جو
اپنے ماں باپ اور قبیلہ والوں کو وحشی اور جاہل بتاتی
تھی۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں ہرگز اس قبیلہ میں سے
کسی کی اولاد نہیں ہوں۔ یہ بدقسمت لڑکی جو آپ
کے گھر میں پناہ لینے آئی ہے۔ ایران کے قاچار خاندان
کی بااختر فرد ہے۔ زمانہ کسی کا ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ چنانچہ
جب ہمارے خاندان کا ستارہ گردش میں آیا۔ اور
تخت و تاج چھن گیا۔ تو جان کے لالے پڑ گئے۔ ہمارے
خاندان کے افراد کی طرح طرح سے ختم کئے جانے کیلئے تلاش
ہونے لگی۔ اسی اثنا میں میرے دادا خاندان کے چند افراد
لیکر بلوچستان بھاگ آئے تھے۔ اور جان بچانے کیلئے
خانہ بدوش کی زندگی اختیار کرلی تھی۔ قصہ مختصر یہ ہے
میں نے ہوش سنبھالا۔ تو اپنی نانی اماں کو اپنا واحد
سرپرست پایا۔ اس قبیلہ میں ایک شخص کو جسکا نام رشید
ہے میں ابا کہتی تھی۔ وہ دراصل مجھ سے محبت کرتے ہیں
اولاد کے برابر سمجھتے رہے۔ میری تربیت اور تعلیم
تمام تر میری نانی اماں کی مرہون منت ہے۔ ان کے پاس
کتابیں تھیں جنہیں وہ خاندانی ترکہ سمجھتی تھیں اور جان
کے برابر عزیز رکھتی تھیں۔ مجھے ان تمام کتابوں کا بغور
مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ رشید ابا کے بدمعاش
جواری بیٹے جہانگیر نے ان تمام کتابوں کو چھپا چھپا کر فروخت
کر دیا۔ نانی اماں نے اس صدمہ کو نہایت خاموشی سے
برداشت کیا۔ ایک ہفتہ ہوا۔ کہ میری پیاری نانی اماں کا
سایہ بھی میرے سر سے اٹھ گیا۔ [illegible] ماں باپ ایک
[illegible] ان کی زندگی میں [illegible]
[illegible]

رشید ابا مجھے ستانے لگے۔ کہ میں اپنے [illegible] جہانگیر
سے شادی کرلوں۔ اس کے علاوہ نانی اماں کے پاس کچھ
خاندانی زیورات تھے۔ جو انہوں نے مرنے سے کچھ دن پہلے
میرے سپرد کر دیئے تھے۔ جہانگیر کو اپنی ماں کے ذریعہ سے
ان زیورات کا حال معلوم ہوگیا تھا۔ وہ اس فکر میں رہتا
تھا۔ کہ یہ میرے ہاتھ لگ جائیں۔ تو میں بوڑھے میں رکھا
دولت۔ وہ ان زیورات کی خاطر میری جان تک لینے کیلئے
آمادہ تھا۔ میں نانی اماں کے انتقال کے بعد سے اس قبیلہ
سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں برابر سوچ رہی تھیں۔ مگر کچھ
سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا کروں۔ مگر خدا مسبب الاسباب
ہے۔

آج کے واقعہ نے تمام راہیں کھول دیں۔ میں
گھومتی ہوئی خیموں سے ذرا دور نکل گئی تھی۔ رشید ابا
چشمے فروخت کرنے گئے تھے۔ جہانگیر بھی کسی بہانے سے
چلا گیا تھا۔ اس کی ماں تسبیح اور تھیلیاں بیچنے گئی تھیں
میں تقریباً تنہا رہ گئی تھی۔ کچھ چھوٹے چھوٹے بچے اور دو
ضعیف العمر عورتیں خیموں میں رہ گئے تھے۔ میں دیوان
حافظ ساتھ لے آئی تھی۔ اور اپنی آئندہ زندگی کے متعلق
فال نکالنے میں مشغول تھی۔ کہ جہانگیر نہ معلوم کہاں سے
آگیا۔ اور چاقو نکال کر بولا۔ کہ تمام زیورات جو ہر وقت
کلیجہ سے لگائے پھرتی ہو۔ میرے حوالہ کر دو۔ ورنہ تمہیں
مار کر دفن کر دوں گا۔ کسی کو پتہ بھی نہ لگے گا۔ میں کیسے گوارا
کرسکتی تھی۔ مقابلہ پر آمادہ ہوگئی۔ میری بغاوت پر
اسے بہت غصہ آیا۔ اور کمینہ بزدل نے مجھ پر حملہ کر دیا
میں نے وار خالی دے کر اس کو زخمی کر کے بے ہوش
کر دیا۔ اسے بیہوش چھوڑ کر یہاں بھاگ آئی ہوں۔
اس قصہ کو سن کر میرا جو حال ہوا۔ [illegible]
تفصیل [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible]

[illegible] ان دنوں بڑی احتیاط سے کام لیا۔ [illegible] زنجیر بند رہتی تھی۔ دو دفعہ بلوچی عورتیں [illegible] کرنے کے بہانے سے آئیں۔ مگر ہم نے [illegible] کھولے۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر واپس چلی گئیں۔ آخر ایک ہفتہ کے بعد ان کا قبیلہ عاجز آ کر چلا گیا۔ ...

اب مشکل یہ آ پڑی ہے۔ کہ مردانہ مکان میں ایک اجنبی وہ بھی [illegible] لڑکی کو کیسے رکھا جائے۔ دو چار دن کی بات ہو۔ تو کوئی احتیاط کرے۔ میں نے مجبوری والد صاحب کو خط لکھ دیا۔ کہ ایک بلوچی لڑکی میرے یہاں پناہ گزین ہے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اسکو گھر پہنچا دیا جائے حالانکہ میں نے بڑی معذرت کے ساتھ خط لکھا تھا۔ اور اپنی تمام مجبوریاں بھی مفصل لکھ دی تھیں۔ لیکن میرے دل پر بڑا سخت عتاب نامہ آیا۔ اسمیں لکھا تھا۔ کہ فی الحال میری طبیعت خراب ہے اسلئے نہ آ سکا۔ دو تین دن میں تمہارے پاس پہنچونگا میں والد صاحب کا خط پڑھ کر بہت پریشان ہو گیا۔ غلطی یہ ہوئی۔ کہ انقباض میں کمی کرنے کیلئے میں نے خط کا مضمون ملازم کو بتا دیا۔ زہرہ نے میرا چہرہ اترا ہوا دیکھا تو ماجرا دریافت کیا۔ میں بات ٹالنے کیلئے باہر چلا گیا۔ زہرہ کو کہاں چین آتا ملازم سے تمام باتیں پوچھ لیں۔ ملازم بیچارہ سیدھا سادھا اور بڈھا یہ کہ بڈھا بڈھے کی زبان ویسے بھی تیز ہو جاتی ہے نہ معلوم کیا کیا لگا دیا

باہر سے بہت رات گئے واپس آیا۔ اس خیال سے کہ زہرہ سو گئی ہو گی اور پھر کوئی سوال نہ کریگی۔ مگر واپسی پر معلوم ہوا۔ کہ کمرے میں پڑی رو رہی ہے۔ نہ کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ میں خود کھانا لے کر کمرے میں پہنچا۔ اس [illegible] کے عالم میں میری [illegible] ڈبڈبائی ہوئی [illegible] سے دیکھا۔ میں پہلے سے ہی اس کے نیلے نیلے اور بھیگے ہوئے پلکوں کو دیکھ رہا تھا۔ نظر پڑتے ہی سارے جسم میں مایوسی غم اور [illegible] کے بیک وقت ہجوم کرنے کی وجہ سے ناقابل بیان کیفیت طاری ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زہرہ کی آنکھیں محبت آمیز گلہ کر رہی ہیں۔ کہ تمہارا سہارا بھی [illegible] ثابت ہوا۔ مجھے معاً ایسا محسوس ہوا۔ کہ زہرہ کے نازک اور خستہ جسم کو ڈھک لوں تاکہ حوادثات کے تمام تیر مجھ پر پڑیں۔ اور اس غمزدہ کا وجود محفوظ ہو جائے۔ اس کی مضطرب روح کو اپنی روح میں تحلیل کر لوں۔ وہ مسلسل میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں زیادہ اس کی دردناک آنکھوں کو نہ دیکھ سکا۔ اور التجا کرتے ہوئے اس سے کہا۔

میں۔ کبتک بھوکی رہو گی۔ آدھی رات گزر گئی کچھ کھا لو۔

زہرہ۔ کیا کھاؤں۔ بھوک ہی نہیں لگتی۔ حلق بند معلوم ہوتا ہے۔

میں۔ میری خاطر تھوڑی سی تکلیف ہی سہی۔

زہرہ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کی خاطر تکلیف آپ کی خاطر مجھے کبھی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ آپ اگر زہر بھی دیں وہ بھی میں امرت سمجھ کر خوشی سے کھا سکتی ہوں۔ اُف! میں اپنے محسن کا کچھ بدلہ بھی نہ اتار سکی۔ کیسی بدقسمتی ہے۔

زہرہ نے میری خاطر زبردستی چند لقمے نگل لئے اور کروٹ بدل کر پڑ گئی میں نے بھی کچھ زیادہ گفتگو مناسب نہ سمجھی۔ ملازم سے پوچھنے پر معلوم ہوا۔ کہ اس نے تمام دنیا کی باتیں زہرہ سے ختم کر دیں۔ اس سے یہ بھی کہہ دیا۔ کہ اگر ان کے عزیزوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کے پاس ایک لڑکی ٹھہری ہوئی ہے۔ تو ان کا کوئی [illegible] نہ کریگا۔ سب [illegible] بدمعاش اور ذلیل [illegible]

ان کے قتل کا خطرہ آیا ہے۔ وہ بہت ناراض ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے۔ وہ دو ایک دن میں آ جائیں گے۔

میں نے یہ باتیں سنیں۔ تو سر پیٹ لیا۔ سوچا کہ اب تو صبح ان حضرات کی بکواس کا اثر زائل کرنے کی کوشش کروں گا۔ خاموشی سے کمرے میں جا کر سو گیا۔

صبح کو اٹھا۔ تو کمرے میں زہرہ کا پتہ نہ تھا۔ بستر پر ایک پرچہ اور ایک نہایت بیش قیمت جڑاؤ سونے کا ہار پڑا ہوا تھا۔ پرچہ میں لکھا تھا:۔

میرے محسن۔ آخری سلام قبول کیجئے

میرے وجود سے آپ کی ذات کو ناقابل تلافی نقصانات پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اسلئے میں نے اس کانٹے کو آپ کے راستہ سے ہٹا دیا۔ شاید آپ کے احسانات کا کچھ بدلہ ہو سکے۔ اس وقت تک تکالیف پہنچانے کی معافی کس منہ سے مانگوں مجھ نامراد کو زبانی معافی مانگنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ خیر جو خدا کو منظور ہو۔ یہ سونے کا ہار آپ کی ہونے والی بیگم کیلئے ناچیز تحفہ ہے۔ میرے یکایک غائب ہو جانے سے آپ کو صدمہ ضرور ہوگا مگر کیا کروں مجبوری سی مجبوری ہے۔ ہماری ملاقات بھی تو یونہی غیر متوقع طور پر ہو گئی تھی۔ آپ سمجھیں کہ رات کو ایک خواب دیکھ لیا آنکھ کھلتے ہی ختم ہو گیا اور پھر مجھ پر ہی کیا منحصر ہے۔ ایسی مختصر ملاقاتیں اکثر ہو جاتی ہیں ہم ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھتے ہیں اس سے گفتگو کرتے ہیں اس کے ساتھ تھوڑی دیر تک رہتے ہیں۔ پھر کبھی نہ ملنے کیلئے جدا ہو جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ اس شخص کی ملاقات کا نقش ہمارے دماغ سے مٹ جاتا ہے۔ میری یاد بھی آہستہ آہستہ آپکے دل و دماغ سے مٹ جائیگی۔ بڑے بڑے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ جب ایک چیز کو بھول جانا ہی ٹھہرا۔ تو پھر ادنیٰ کی خراش سے کیوں نہ بھول جائے۔ تھوڑے سے عرصے تک کیوں ناحق اس کی یاد سے دل کڑھاتے۔ بھول جانے کیلئے ہم فطرتاً مجبور ہیں۔ میں بھی آپ کو بھول جانے کی کوشش کروں گی۔ کامیابی کے لئے دعا کیجئے گا۔ حتی الامکان زندہ رہنے کی کوشش کرونگی۔ لیکن اگر کسی وقت آبرو خطرہ میں دیکھوں گی۔ تو مجھ جیسی خانماں برباد اور بے آسرا لڑکی کیلئے موت کا آغوش ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ فقط

والسلام

آپ کی ناکام

زہرہ

منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید
ناامیدی اُسکی دیکھا چاہیئے

محبت کی آخری نذر

از پیام بی۔اے

ترے خیال سے دنیا بسا نہیں سکتا
جو دن گئے ہیں انہیں پھر بلا نہیں سکتا
یہ بات اور ہے تجھ کو بھلا نہیں سکتا
مگر شریک تمنا بنا نہیں سکتا

یقین کر مرے ہمراہ چل نہیں سکتی
تو راہ پر مرے ہرگز سنبھل نہیں سکتی

ابھی ابھی نہیں گر کر سنبھل چکا ہوں میں
مجھے نہ چھیڑ کہ منزل پہ چل چکا ہوں میں
یہاں تو زیست کا عنواں بدل چکا ہوں میں
ترے خیال سے آگے نکل چکا ہوں میں

تجھے بھی ساتھ میں، افسوس لے نہیں سکتا
خود اپنے آپ کو دھوکہ بھی دے نہیں سکتا

بسا رہا تھا جو دنیا، مٹا کے آیا ہوں
میں تجھ پہ اپنی محبت لٹا کے آیا ہوں
میں چوٹ محفل رنگیں میں کھا کے آیا ہوں
تو جانتی ہے کہ خود کو رلا کے آیا ہوں

مجھے نہ روک کہ اب دور جا رہا ہوں میں
جنوں بھی ساتھ ہے مسرور جا رہا ہوں میں

یہ تیرے حسن، یہ تیرے شباب کی دنیا
یہ بزم ناز، یہ چنگ و رباب کی دنیا
یہ تیرے پیار، یہ بھولی شراب کی دنیا
یہ بادہ مستوں کی رنگین خواب کی دنیا

غم حیات کو راحت بنا نہیں سکتی
بھلا تو سکتی ہے لیکن مٹا نہیں سکتی

افسانہ

افسانہ لکھ رہی ہوں!

از شفیق بانو شفق

"چلو جھٹ پٹ چلیں عذرا۔ تم بہت ہی سست واقع ہوئی ہو۔ کئی چیزیں خریدنی ہیں"

"اچھا۔ اچھا چلتی ہوں۔ توبہ ہے۔ تم تو انسان کو دیوانہ بنا دیتے ہو۔ ان ذرا نوٹ بک میں لکھ لیجئے رات کے پہننے کی ایک درجن ساڑیاں اور بلاؤس بھی لینے ہیں سب پرانی ہو چکیں۔ سال بھر کیلئے کم از کم درجن تو ضروری ہیں۔ پانچ چھ سینڈل۔ شیمپو۔ لپ اسٹک ایڈ کرو۔"

"تو پھر چل چکی۔ کار پھر مجھے یوسف مرزا کو بھیجنی ہے"

"واہ یہ اچھی رہی۔ میری موٹر کا ناس ہو جائیگا منع کردو۔"

(یہ تھی ایک مسیحی نئے جوڑے کی گفتگو)

ابھی کوٹھی کے عالیشان کمروں کے قریب جہاں پیچھے کی طرف ترکاریاں۔ کچھ پھول بو رکھے تھے۔ وہیں پاس ایک بوسیدہ سے کمرے میں بوڑھا باپ سرنگوں بیٹھا سوچ رہا ہے۔ کہ سردی شدت سے پڑنے لگی۔ ابھی تک بچے نے گرم قمیض بھی نہ سلوائی۔ شاید ابھی [illegible] نہیں گئے۔ وائیں [illegible] تو فرد --- طاق [illegible] سا ہے۔

(میں افسانہ کی صرف یہ چند سطریں لکھ پائی تھی کہ ماما آئی)

"اجی حضور بیگم صاحبہ! قورمہ میں مرچیں پانچ ڈالوں یا سات؟"

"میں جھنجھلا کر بولی۔ اونہ جاؤ یہاں سے۔ مت بولو جو چاہے طبیعت کرو۔"

"بس یہ اور بتا دیجئے۔ دہی میں پیاز کے لچھے بناؤں یا نمک سیاہ مرچ ڈال کر رکھ دوں؟"

میں چیخ اٹھی۔ کمبخت جہنم میں جاؤ۔ میں اس وقت افسانہ لکھ رہی ہوں۔"

ماما زیر لب نہ جانے کیا کیا کہتی چلی گئی۔ اور میرے دماغ میں مرچیں، قورمہ، دہی، مسالے گھومنے لگے۔ یا اللہ کیا کروں؟

میرا تھکا ہوا قلم پھر چلنے لگا۔

"عذرا۔ میری عذرا! دیکھنا ذرا تیار تو ہو جاؤ۔"

"کیوں جناب؟"

"پھر وہی وکیلوں کی سی بحث۔ چلو آج پکچر دکھاتا ہوں۔ سکندر کا سیکنڈ شو دیکھیں گے۔"

"اچھا تو پھر میں اپنی سہیلی انور کو بھی بلا لوں۔"

"ہاں ہاں ضرور۔"

[illegible] میں نوکر نے [illegible] کے سوٹ شیر پہنے کھٹ پٹ چل دیئے۔

بجلی بلب نے اپنے کمرے میں [illegible]

[illegible] سوئی بہت ہی چبھنے لگی۔ بہو بیگم کو پچھلے
میں دلی جوڑوں یاد نہیں رہی شاید۔ چوتھا سال گزرا
جب دو جوڑے لائی تھی۔ طارق میاں کو بھی خیال نہ آیا۔
[illegible] کہیں سے کہیں پرواز کر رہا تھا۔ اچانک
[illegible]

"بیگم صاحب۔ پانچ مہمان آگئے۔ کھانے میں کیا کیا تیار کروں؟"

"جو تمہارا دل چاہے۔ میرے پاس بار بار مت آؤ۔ بہت منحوس ہو تم دیکھتی نہیں ہو ... میں افسانہ لکھ رہی ہوں۔"

ماما جل بھن کے کباب ہو گئی جب دیکھو جب یہی ایک جواب۔ کسی وقت موئی باورچی خانہ میں قدم نہیں رکھتیں۔ ہر وقت مردوں کی طرح کرسی پر جا کے کیا لکیریں بناتی رہتی ہیں؟

میں نے اپنی آنکھیں رومانی انداز سے نیم وا کیں اور دھو بادل کے ایک آوارہ ٹکڑے کو دیکھتی رہی۔ میرا قلم پھر اسی انداز سے جھک گیا۔

"عذرا سکھ ہو — دیکھو ایک "چاسامیں" آیا ہے۔ اس کے پاس بہت ہی نفیس نفیس نائٹ سوٹ ہیں اور ڈریسنگ گون۔ بیڈ کور۔ ٹیبل کور وغیرہ۔"

"ہاں مجھے ان چیزوں کی ضرورت بھی تھی۔"

کوٹھی کے برآمدے میں عذرا اور طارق ہلکے ہلکے رنگوں کے قیمتی نائٹ سوٹ خرید رہے تھے۔ اور ماپ کیاریوں کے پاس بیٹھا اپنی پھٹی آستین کو ٹٹول رہا تھا۔ دلہن بیگم تو ہمیشہ اس مہینہ میں چار جوڑے کپڑے سلوا دیا کرتی تھیں۔ اس سال نہیں سلوائے۔ شاید یاد نہیں رہے۔ یا دوسرے نہ سوچا ہوگا۔ خیر کسی وقت یاد دلاؤں گا۔ اللہ خوش رکھے۔ پھر بھی آج کل کے زمانہ کے بہو بیٹے سے میرے بہو بیٹے میں زیادہ محبت ہے۔

(میرے احساس کو یکلخت ایک دم زبردست جھٹکا لگا)

"موئی نے دو بجے آپ کو بلایا ہے۔ ضرور ضرور میں تانگہ لے کر آؤں گی تیار رہیے گا۔"

"ارے بھائی کیوں بلایا ہے؟ کہہ دینا میرا آنا نہیں ہو سکتا۔ ذرا نیرنگ خیال کیلئے افسانہ لکھ رہی ہوں۔"

"نہیں نہیں آپ کو ضرور بلایا ہے۔"

"اچھا بکو مت زیادہ۔ جاؤ یہی لے جاؤ ... — — — میں افسانہ لکھ رہی ہوں"

بڑھیا ملازمہ برا سا منہ بناتی چلی گئی۔ گویا جواب نامعقول تھا۔ میں دیر تک اپنے تخیل کی دنیا کو سجاتی رہی۔ قلم میری انگلیوں میں بے بس منتظر تھا۔ کہ دماغ حکم دے تو کچھ لکھوں۔

"دیکھنا عذرا —— یہ شادی کا کارڈ آیا ہے۔ ہماری بہن شمشاد کی ۱۷ کو شادی ہے۔"

"بس مجھے تو ابھی سے پہنچا دو۔ دن ہی کتنے باقی رہ گئے۔"

"لیکن عذرا جانے کیلئے سب چیزیں تو ٹھیک کر لو۔"

"مجھے کچھ ٹھیک نہیں کرنا۔ صرف ریشمی شمیز اور جناب عالی ایک کاسنی بنارسی ساری، دو سینڈل اور سنار کے ہاں سے تقاضہ کر کے وہ "ٹاپس" جڑاؤ لا دیجئے۔"

"اچھا یہ سب ابھی ہوا جاتا ہے چلو تم بھی ساتھ ورنہ ہر چیز کو دوبارہ پھیر پھیر کراتی رہو گی۔"

بات کی بات میں موٹر سارسبی بازار کا رخ کر گئی۔ ایک دوکان پر پٹیالے رنگ کا تھان دیکھ عذرا بولی:

"دیکھنا یہ لے لو۔"

"کیوں ——— ؟"

"ابا میاں کو پسند آئیگا۔ بیل خوب ہے اور مضبوط ہے لو۔ لیکن پورا تھان کیا کروگی ؟"

"سوٹ بنوائیں گے۔ ایک جیسا پاجامہ کرتا"

گھر جب لوٹے تو ہزاروں روپیہ کے سامان میں ایک خاکی تھان بھی رونق بخش رہا تھا۔ عذرا دوڑی دوڑی گئی۔ "ابا میاں دیکھو میں تمہارے واسطے یہ تھان لائی ہوں ——— رنگ بہت پسند کریگے آپ۔"

"دلہن تھان ؟ کس لئے ؟"

"قمیص پاجاموں کیلئے"

"ہاں بہت اچھا کیا۔ کپڑا بہت اچھا ہے۔ خوش رہو۔ طارق سے زیادہ تم میری بیٹی میرا خیال رکھتی ہو۔ عذرا بیٹی ذرا درزی سے کہہ کر جلدی سلوا دینا۔ میرے پاس کپڑے نہیں رہے۔"

"ابا میاں میں تو جلدی ہی شمشاد کی شادی میں جا رہی ہوں۔ مرادی سے کہہ کر چھٹن درزی کو بلا لیجئے گا۔ لو ناپ دے کر سلوا لیجئے گا۔"

"اچھی بات۔ کیا طارق میاں بھی جا رہے ہیں؟"

"ہاں میرے ساتھ جا رہے ہیں۔"

"جلدی آجانا بیٹا۔ گھر سنسان ہو جاتا ہے۔ بڑھاپے میں دل گھبراتا ہے۔"

"میں بس پندرھویں دن یہاں پہنچ جاؤں گی۔"

عذرا تو دس گیارہ بکس فیشن کے مکمل سامان بھر کے روانہ ہوگئی۔ بڈھا باپ بیچارہ کوٹھی کے برآمدہ میں چھت کو تکتا رہا۔ اُسے اپنی بیچارگی کا شدید احساس ہوا۔ جوانی ——— بیوی ——— طاقت ——— حسن ——— محبت ——— حوصلہ ——— جذبات یہ تمام ختم شدہ چیزیں اس کی آنکھوں میں گھوم گئیں۔

طارق کو دس مہینہ کا دودھ پیتا بچہ چھوڑا تھا۔ جوانی کا بھرپور عالم اس بچہ پر تصدق کر دیا۔ ماں سے زیادہ بہتر پرورش کی۔ بلکہ وہ وقت بھی اس ننھے بچے کو پرورش کرتے خود وقت سے پہلے بڑھا ہوگیا۔ بچہ پالنا تو قدرت نے عورت کو سپرد کیا ہے۔ خدا کی پناہ کتنی مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔ میں نے اپنے جذبات کو بھی دفن کر دیا تھا۔ آج کیسی عجیب تنہائی ؟ بیٹے والا ہوں لیکن حالت یہ ہے۔ کہ مجھ سے کوئی دلچسپی لینے والا نہیں۔ بہو کبھی آ بھی نکلیں تو صرف زبانی جمع خرچ۔ یہ احساس نہیں کہ مجھے روٹی کپڑے کے علاوہ کچھ ہمدردی محبت بھی چاہیئے

یہ نہ ختم ہونے والے خیالات سامنے آتے رہے۔ سورج کی کرنوں نے ہلکا ہلکا گرم تھا۔ نیند نے تھپکی دی گردن ایک طرف کو ہوگئی۔ عینک کرسی کی پشت پر جا لگا۔ بائیں ہاتھ۔ آنکھیں کمزوری سے ادھ کھلی ایک عبرت کا سبق دے رہی تھیں۔ چہرے کی جھریاں بجائے تخیل کی آگ برسانے کے لئے جھینے چمن کا نقشہ دے رہی تھیں۔ دہانے کے ایک کونہ سے تھوڑے ہونٹ ... کے درمیان سے رال ٹپک رہی تھی۔ ایک دو مکھیاں گھوم گھوم کر قربان ہو رہی تھیں۔ گویا اس تنہائی میں مکھیوں کی رفاقت ضروری تھی۔

"یہ بجھے چپل بیچے ہیں ....!"

اس آواز پر بغیر کچھ سوچے ہوئے بولی۔

"رکھ دو ——— دیکھ لونگی۔"

"کہاں ؟"

"جہاں جگہ نہ ہو ——— ورنہ یہ نوکر نیا بنتا چلا جا رہا ہے ... مت لوٹنا۔"

"... میں رکھے جاتا ہوں .."

"... بدتمیز ——— کمبخت ..."

"..... جاہل یہاں سے"

...افسانہ پورا کر رہی ہوں۔"

...تمہاری بی بی جی نے سلام بھی کہدیا تھا۔

...میں چونک اٹھی۔ دیر سے جیسے اپنا نوکر ... بی بی بی جی تھا جھڑک رہی تھی۔ وہ بیچارہ میری سہیلی سعیدہ کا نوکر تھا۔

" اسے لاحول ولا قوۃ تم ہو؟ میں سمجھی چندا ہے نوکر منہ چلانے واپس گیا۔ میں دیر تک اپنی بدحواسی پر ہنستی رہی ___ خدایا کیا کروں۔ یہ دنیا کے دنیا دار انسان مجھے پاگل بنائے دیئے رہے ہیں۔"

عذرا . . . میری اچھی عذرا۔ آنکھیں تو کھولو ___ تمہیں کیا ہوا؟ میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں

" اسے میرا دل چلا ___ میرا دماغ ___ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آرہا ہے . . .

بلاؤ ___ ڈاکٹر ___ ڈاکٹر کو ___"

" میری عذرا کار بھیج چکا ہوں بس آتے ہی ہوں گے

عذرا کو میعادی بخار تھا۔ دو تین ڈاکٹر سرھانے پائینتی جمع ہوگئے۔ رات کیلئے حسین نرس موجود۔ طارق پٹی کے ساتھ آرام کرسی پر بیٹھا ہر پانچ منٹ بعد جھک کر دیکھتا اور کہتا " عذرا اس وقت تمہاری طبیعت کچھ بہتر ہے؟"

عذرا مسکرا کر گردن ہلا دیتی۔

باپ بھی بہو کی بیماری میں وہیں رہتا۔ بس کھانے کیلئے اپنے کمرے میں چلا جاتا۔

آج بڈھے ناتواں باپ کو پہلی بار احساس ہوا اور نہایت شدید ___ کہ وہ مہینوں سے کھانسی کا شکار ہو رہا ہے۔ پسلیاں رات بھر دکھتی ہیں۔ گلے سے پانی بھی پینے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کھانے میں خوب ... ٹماٹر وغیرہ ہوتے ہیں۔ نہ کسی نے کھانسی کو پوچھا نہ ... عذرا کو۔ آہ! کیا میں اتنا مکروہ، بیکار انسان

ہوں۔ کوٹھی جیتے جی نام لکھدی۔ روپیہ سب حوالے کیا۔ بیوی کا زیور سب جڑاؤ۔ سادہ موتیوں کا دیدیا اپنے ہاتھوں محتاج بن گیا اب کسی کو احساس ہی نہیں آتا۔ جیسے کہ میں پاگل خانہ کے جیل خانہ میں بند ہوں ___ یہ سب کچھ سوچتے سوچتے بیچارے کے آنسو گرنے لگے ٹپ ٹپ۔ جیسے بارش کے بعد درخت کی پتیوں سے لوٹا ہیں ___

نرس نے۔ ڈاکٹروں نے۔ طارق نے۔ نوکروں نے آنسو گرتے دیکھے۔ سب بہت متاثر کہ بیچارے کو دلھن سے غیر معمولی محبت ہے۔ طارق محبت سے بولے " ہائیں ہائیں ابا میاں آپ کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں؟ انشاءاللہ آپکی عذرا جلد اچھی ہو جائیگی۔

" بھوجی کپڑے دیکھ لو"

" میرے سارے خیالات درہم برہم ہو گئے لعنت ہے اِن لوگوں کا کوئی وقت مقرر نہیں

" بھوجی میرا تو کام رُکا پڑا ہے۔ کپڑے دو اور میرا حساب بھی"

میں ایک دم چیخ اٹھی۔ " اچھا اچھا سُن لیا بیٹھ جاؤ۔ ہزار بار منع کر دیا کہ شام کے وقت آیا کرو۔ لیکن میرے لئے تم مصیبت بن کر ہمیشہ شام کو آتی ہو"

(کپڑوں کی الجھن میں میں منٹ صرف ہوئے لیکن دماغ گھنٹوں کیلئے غائب۔ افسانہ کا انجام بھول گئی)

" طارق ابا میاں کہاں ہیں؟ عذرا نے نحیف آواز میں کہا۔

ابا میاں چونکہ ہر دم قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر دم کرتے رہتے ہیں۔ اسلئے بیماری میں تلاش نے ڈھونڈا۔ نوکر کو کمرے میں بھیجا۔ تو معلوم ہوا

سر میں درد ہے۔ طارق پہنچے" ابا میاں۔۔۔۔
ابا میاں —— درد کب سے ہے؟ یہ لیجئے یہ
GENASPIRIN کھا لیجئے۔ اور میں ابھی
چائے بنوا کر بھیجتا ہوں۔ پندرہ منٹ میں آرام ہو جائیگا۔
شَشُو کو بھیجتا ہوں۔ وہ سر دباتا رہے گا۔ صبح سے آپکی
دلہن یاد کر رہی ہیں بوڑھا بچہ برابر —— یہ شل اتوت
حاصل ہو رہی تھی۔ اسے چائے اور GENASPIRIN
کے بدلے محبت بھرے دو ہاتھوں کی ناقابل برداشت
تمنا تھی۔ اسکا دل درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ بچوں
کی طرح نا سمجھی سے ضد سی کرنا چاہ رہا ہو۔ اپنے
دل کی بات کیسے کہے۔ کہ عذرا کی طرح میرے پاس بھی
بیٹھو۔ ویسے ہی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ ویسے ہی ہر بار جھک کر
پوچھو" کیا حال ہے ابا جان؟ اس کے کان میٹھے بول
کو ترس رہے تھے بوڑھا دل جس نے جوانی میں سترہ کی
طرح سے بھی لڑ مرنا سیکھا تھا۔ اسوقت سینہ میں دھک
دھک کر رہا تھا عجیب عجیب آرزوئیں پیدا ہو رہی
تھیں بہو بھی آئے۔ میرے بستر کو خود جھاڑے ——
میرے سر میں بیٹھ تیل ڈالے نوکر چائے لئے کھڑا ہو
سب میری صحت کی دعائیں مانگیں۔ جیسے کہ میری زندگی
ان کیلئے قیمتی ہو ——

لیکن دو شباب کی مورتوں کو اپنے اپنے شباب
کے سوا کسی چیز کا ہوش نہ تھا ایک بڈھے دل کو سمجھنے
کیلئے احساس کا کوسوں نشان نہ تھا

کمرہ وہی تھا۔ پلنگ وہی تھا۔ جھری پڑے ہاتھ
بے جان جیسے پڑے تھے۔ پاس ہی نوکر چائے رکھ گیا تھا
جس میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ بالکل اسی طرح
جسطرح سینہ سے ہلکی آہیں —— بیچارہ بڈھا
ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھا۔ اور پینے لگا۔ آنسو بے بسی
سے پیالی میں گرے چلے جا رہے تھے!!

دور کسی درخت پر الو بولا "ہو ہو" ——
گلی میں کوئی فقیر گاتا نکلا ——

"اس بزم جہاں میں دلسوز ہے کوئی کیسا
ہنستی رہی سب محفل جلتا رہا پروانہ"

بڈھے نے بڑی غمگینی سے سر ہلا دیا۔ اور بھاری
آواز سے دہرانے لگا۔

اِس بزم جہاں میں دل۔۔۔۔

"میاں دلہن بیگم نے مزاج پوچھا ہے۔ اور یاد کیا
ہے۔ کہ جی اچھا ہو۔ تو یہیں آ جائیے"

"اچھا چلتا ہوں ابھی —— تو چل میں آیا۔

"ابا میاں میرا صبح سے قلب دھڑک رہا ہے۔
کچھ پڑھ کر دم کر دیجئے۔ ہاں آپ کے درد کیوں ہو گیا
تھا؟"

شاید ٹھنڈ سے۔ روئی ڈلوا کر کوٹ سلوا لیجئے
طارق صاحب ابا میاں کیلئے ذرا ایک پیالی
چائے اور منگوا دیجئے!

بوڑھا باپ زیر لب پڑھ کر بہو پر دم کرنے لگا۔
لیکن دل کہیں دور دور بھاگا جا رہا تھا وہ اب اس
ناقدری زندگی سے گویا گھبرا چکا تھا —— لیکن زندہ
رہنے کیلئے اتنا ہی مجبور جتنا لوگ مرنے کیلئے مجبور
ہوتے ہیں!!!

شفیق بانو

تصویرِ خیالات

ضیاؔ فیض آبادی

عشق رعنائیِ جذبات ہے اور کچھ بھی نہیں
حسن تصویرِ خیالات ہے اور کچھ بھی نہیں

مل کے رہتی ہے محبت میں حیاتِ جاوید
زندگی شورشِ جذبات ہے اور کچھ بھی نہیں

دلِ ناکام تمنا کے لئے یہ دُنیا،
اک بھیانک سی سیہ رات ہے اور کچھ بھی نہیں

اب ترا درد کہاں، تیری تمنا کیسی،
دل تو اک مدفنِ جذبات ہے اور کچھ بھی نہیں

تُو جو روتا ہے اب اکثر شبِ تنہائی میں
ایک تبدیلیِ حالات ہے اور کچھ بھی نہیں

تیری آنکھوں میں جو اشکوں کی فراوانی ہے
ہائے رسوائیِ جذبات ہے اور کچھ بھی نہیں

میری اور اس کی محبت کو کوئی کیا جانے
ایک دیرینہ ملاقات ہے اور کچھ بھی نہیں

چونک پڑتا ہوں جو راتوں کو کبھی آہٹ پر
ہائے اک وہمِ ملاقات ہے اور کچھ بھی نہیں

میرے گلشن میں ضیاؔ فصلِ بہاراں کیسی
اب تو یہ مرکزِ آفات ہے اور کچھ بھی نہیں

میر اصغر علی جامعی

ایک پہیلی

میر اصغر علی صاحب جامعی کے متعدد افسانے نیرنگ خیال اور دیگر رسائل میں شائع ہو کر شرف قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ اسوقت ہندستانی لٹریچر کمپنی کے زیر اہتمام آپ کے افسانوں کا پہلا مجموعہ بڑی شان سے چھپ رہا ہے۔ جو اردو ادب کے معیاری افسانوں میں ایک قیمتی اضافہ ہوگا۔ قارئین کرام انتظار کریں +

جناب ایڈیٹر صاحب۔ "بچوں کا اخبار"

السلام وعلیکم۔ تھوڑے دن ہوئے میرے ساتھ ایک ایسی بات پیش آئی جس نے میرے ننھے سے دماغ کو حیران و پریشان کر رکھا ہے۔ دن رات سوچتا ہوں۔ غور کرتا ہوں۔ لیکن عقل کام نہیں کرتی اس بات کو میں اس خط کے ساتھ لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ مہربانی کرکے اسے اپنے اخبار میں چھاپ دیجئے۔ تاکہ دوسرے بھائی بھی اسے پڑھیں۔ اور سوچ بچار کر مجھے اسکا جواب دیں۔ اس کیلئے میں آپ کا اور ان کا بہت شکر گزار ہونگا۔ وہ بات یہ ہے:-

میری عمر کوئی دس برس کی ہوگی۔ کاش! اس سے زیادہ ہوتی۔ لیکن اتنی کم عمری میں ہی میں بہت ذہین اور چالاک ہوں۔ اس لئے میرے بارے میں لوگوں کا کہنا یہ ہے۔ کہ میں وقت سے پہلے پک گیا ہوں مگر لیکن مجھے خوشی کی بات ہے۔ کہ ذہین اور چالاک

لڑکوں کو بھی سکول کا سبق پڑھنا اور یاد کرنا پڑتا ہے۔ پڑھنے کے وقت میری بلا کی نہ جانے کہاں چلی جاتی ہے؟ میں سبق میں جی لگانا چاہتا ہوں۔ مگر نہیں لگتا۔ اگر مجھ سے کوئی سبق سنانے کو کہے۔ تو میں بغلیں جھانکتا رہوں۔ اور [illegible]۔

[illegible] لاتے کے خیال سے لٹو گھما رہا تھا۔ کہ پیچھے سے حسنا نے آکر میرا کان اینٹھ دیا۔ اور لٹو چھین لیا۔ اچھا، کبھی میرا بس چل سکا۔ ٹھیرو، ذرا اور بڑا ہو جاؤں تو بھیا کا سارا رعب تو چھٹا بھلا دوں۔ بڑا ہو کر میں دن بھر لٹو گھماؤں [illegible] اڑاؤنگا۔ جو جی چاہے گا۔ کرونگا۔ پھر دیکھوں مجھے کون روکتا ہے؟ اماں، ابا اور بھیا کسی کی بھی بات نہ مانونگا وہ ڈانٹیں گے تو کہونگا — اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔ [illegible] بڑے ہو کر بھی پڑھا جاتا ہے؟

بڑے ہو کر مجھے ایک اور بھی کام کرنا ہے۔ رام دتا کی طرح بساطی کی دکان کھولونگا۔ اس کے بغیر کام نہ چلے گا۔ رام دتا بڑا پاجی ہے۔ اس کی دکان پر کوئی چیز لینے جاؤ۔ تو پیسہ [illegible] ہے۔ اس کا [illegible]

نہیں۔ کہ میں ایک چھوٹا سا لڑکا ہوں۔ پیسے کہاں سے [illegible]

[illegible] جب بساطی کی دوکان کھولوں گا۔ تو اس میں بانسری، [illegible] گاڑی، موٹر، کاغذ کے بڑے بڑے گھوڑے، جلی بائیسکل، فٹ بال، بالی وغیرہ سب رکھوں گا۔ جب میری جو خوشی ہوگی لوں گا۔ رام اوتار قیمت مانگے گا۔ تو میں اسکو ایک طمانچہ رسید کروں گا۔ اور آنکھیں دکھا کر کہوں گا ——— چل ہٹ! میری دوکان ہے۔ میں اپنی چیز لے رہا ہوں۔ قیمت مانگنے والا تو کون ہوتا ہے؟ اس پر رام اوتار اپنا سا منہ لے کر چلا جائیگا۔ بڑا بے وقوف بنے گا۔ آہا! کیسا مزا ہوگا!

اچھا اب میں وہ بات سناتا ہوں جس کیلئے مجھے یہ سب لکھنا پڑ رہا ہے۔

گرمیوں کی بات ہے ان دنوں آم اور جامن پکتے ہیں بھیا کے کمرے میں بیٹھا سبق یاد کر رہا تھا کہ اچانک مجھے رام اوتار کی دوکان یاد آگئی۔ اس کی یاد مجھے اکثر آتی ہے۔ بس میں پڑھنا لکھنا بھول کر رام اوتار کی دوکان کی سیر کرنے لگا اتنے میں بھیا آگئے اور بھویں چڑھا کر کہنے لگے۔ "کیوں رے، بُھدو کی طرح منہ سامنے چپ کیوں بیٹھا ہے؟ سبق یاد کیا؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا صرف انکا منہ تکتا رہا۔

"الّو کی طرح میرا منہ کیا تکتا ہے ابھی ایک چپت اور کھانے کی جی میں ہے کیا؟ سبق یاد کر!" یہ کہتے ہوئے بھیا ایک کرسی کو کھڑکی کے پاس لے جا کر بیٹھ گئے۔

اوں! بھیا بہت تنگ کرتے ہیں ذرا دیر چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ بس، پڑھو اور سبق یاد کرو، کی رٹ لگاتے رہتے ہیں۔ میں مار کے ڈر سے، بچوں کی تواریخ پڑھنے لگا۔

یکایک بھیا پوچھ بیٹھے "اکبر کس کا بیٹا تھا؟"

اس سوال سے میرا دل کانپ اٹھا۔ میں نے چپکے سے کتاب کی مدد لینا چاہی۔ اتنے میں بھیا کڑک کر بولے "خبردار! کتاب میں دیکھ کر بتاؤ گے تو بہت پٹو گے ویسے ہی بتاؤ"

"شاہ جہاں کا"   نہیں نہیں۔

اورنگ زیب۔ ۔ ۔ ۔ ؟"

بھیا تیزی سے میرے پاس آئے اور تڑاک سے میرے گال پر ایک چانٹا مار کر بولے "اکبر شاہ جہاں کا بیٹا نہیں تھا" پھر دوسرے گال پر ایک طمانچہ مار کر کہا "اور نہ اورنگ زیب کا بیٹا تھا" اس کے بعد بڑے زور سے ایک دھول جما کر بتایا "اکبر، ہمایوں کا بیٹا تھا! سمجھے؟ اب یاد رہے گا نا؟"

میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ دونوں گال جلنے لگے۔ کتاب اور کتاب لکھنے والے پر بڑا غصہ آیا۔ غصہ اکبر پر بھی آیا۔ مرنے والے مر گئے۔ اور ہمیں اس جنجال میں پھنسا گئے کہ وہ کس کا بیٹا تھا اور کس کا باپ؟

میں پھر پڑھنے لگا۔

بھیا میری طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئے اور ایک گیت گنگنانے لگے۔ اس کا مطلب تو میں نہیں سمجھ سکا۔ مگر کچھ حصہ یاد رہ گیا۔ وہ اسی طرح کچھ گا رہے تھے:-

ترپت بیتے دن رین

بھیا سر ہلا ہلا کر گانے لگے۔ اور میں انہیں زبان نکال نکال کر دکھانے لگا۔ لیکن وہ مجھے دیکھ نہیں رہے تھے۔ اہا! کیسا چھکایا!

اچانک بھیا گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کھڑکی سے باہر نہ جانے کس چیز کو بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ میں میں تو سمجھا کہ کوئی پتنگ کٹ کر آرہا ہے جسے پکڑنے کیلئے وہ ایسے بیتاب ہو گئے۔ پھر انہوں نے میری طرف مڑ کر کہا۔ "ننھے، تم اب "ایسپ کی کہانیاں" پڑھو۔ میں ذرا گھوم آتا ہوں۔"

میں ایک فرمانبردار لڑکے کی طرح بڑی توجہ سے "ایسپ کی کہانیاں" پڑھنے لگا۔ "ایک شیر ببر بوڑھا اور کمزور ہو کر شکار کرنے کے قابل نہ رہا۔ اس لئے وہ بھوکوں مرنے لگا۔ ۔ ۔ ایک روز ایک بھیڑیا اسے دیکھنے کے خیال سے کچھار کے قریب گیا۔ شیر نے بھیڑیے کو دیکھ کر بڑی خوشی ظاہر کی۔ اور اس سے بولا "اے تم؟ میرے دوست آؤ آؤ! میں سوچ رہا تھا ۔۔۔!"

اتنے میں بھیا تیزی سے چلے گئے۔ ان کے ٹلتے ہی میں نے کتاب ٹیک دی۔ اور سوچنے لگا آخر بھیا کہاں گئے ہونگے۔ کہاں جا سکتے ہیں؟ دوپہر کے وقت ہوا خوری کرنے کون جاتا ہے؟ ہو نہ ہو دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ سوچتے سوچتے میں گویا بھیا کا ارادہ تاڑ گیا۔ کم عمری ہی میں میں بہت چالاک ہوں نا اس۔ وہ پڑوس کے باغ میں گئے ہونگے آم کھانے۔

ان آموں پر میری بھی نظر تھی۔ میں نے سوچا۔ میں تو بیوقوف کی طرح بیٹھا "ایسپ کی کہانیاں" پڑھوں اور بھیا مزے سے آم اڑائیں یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ایک آدھ آم تو مجھے بھی ملنا چاہیئے۔

یہ سوچ کر میں بھی چل کھڑا ہوا۔ پڑوس کا باغ محمد عمر چچا کی کوٹھی ہی کے احاطے میں تھا۔ اور کچھ نہیں تو ان سے مانگ کر ہی کچھ آم لے لونگا۔ کیا وہ مجھے نہ دیں گے؟ ضرور دیں گے۔

میں پھاٹک سے داخل ہو کر آم کے درخت کی طرف مڑنے ہی کو تھا۔ کہ دیکھا ۔۔۔ ایک کونے میں جامن کے درخت کے نیچے بھیا کھڑے ہیں۔ اور بھیا، اکیلے نہیں ہیں۔ ان کے سامنے سلمیٰ آپا بھی کھڑی ہیں۔

سلمیٰ آپا ہمارے محمد عمر چچا کی لڑکی ہیں۔ وہ ہمارے محلے میں ہوتی ہیں۔ ان ہی کے ساتھ بھیا کی شادی کی بات چیت ہو رہی تھی۔ ان کا ذکر اکثر ہمارے گھر میں ہوتا تھا۔

لیکن سلمیٰ آپا چور کی طرح چپ چاپ سر جھکائے کیوں کھڑی ہیں؟ میں نے دور ہی سے دیکھا۔ کہ بھیا ان سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ اور انہوں نے بھیا کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ اچھا اب سمجھا سلمیٰ آپا چھپ چھپ کر جامن کھا رہی ہونگی۔ اور بھیا اُن کو ڈانٹ رہے ہونگے۔ وہ کیا۔ ان کے ہاتھ میں جامن بھی تو ہیں

میں تماشا دیکھنے کے خیال سے ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا۔

کچھ دیر بعد کیا دیکھتا ہوں۔ کہ بھیا نے ڈرتے ڈرتے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ پھر جھٹ سے سلمیٰ آپا کا ایک ہاتھ پکڑ کر ان کا منہ چوم لیا۔ اس پر سلمیٰ آپا بھیا سے اپنا ہاتھ چھڑا کر گھر کی طرف بھاگ گئیں

باپ رے! چومنا؟ بہت بری بات! میں کم عمری ہی میں بہت چالاک ہوں نا! اس لئے جانتا ہوں۔ کہ عورتوں کو چومنا بہت ذلیل بات ہے۔ ٹھہرو بھیا، اب میں تمہیں مزہ چکھاؤنگا۔ مجھ پر تم بہت ہاتھ چلاتے تھے۔ اب میں بھی اپنا ہاتھ دکھاؤنگا۔ عورت کا منہ چومتے ہو!

بھیا واپس آنے لگے۔ میں ان سے پہلے دوڑ کر گھر پہنچ گیا۔ بھیا کو پھندے میں پھنسا ہوا دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی۔

میں کمرے واپس آتے ہی اونچی آواز سے "ایسپ کی کہانیاں" پڑھنے لگا۔ میں نے کنکھیوں سے دیکھا۔ کہ بھیا دبے پاؤں کمرے آ کر ہانپ رہے ہیں۔ انہوں نے ایک بار میری طرف دیکھا۔ اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں کتاب بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

بھیا نے ڈانٹ کر پوچھا "اٹھا کیوں؟"

میں نے دروازے کی طرف بڑھتے [illegible]

اور پڑھنا ہی نہیں چاہتا۔"

[illegible] کر کہا [illegible] بہت میں
[illegible]
میں [illegible] سے آئے
بہت مار نے [illegible] ابا جان
[illegible] اس کے بعد دیکھا [illegible] پڑتی
[illegible] یا مجھ پر؟"

بھیا نے [illegible] سے جا کر کہیگا
مجھے دھمکاتا ہے۔"

میں نے بگڑ کر کہا [illegible] بھیا
میرا کان چھوڑ دو [illegible] کہہ دونگا
[illegible] جامن کے درخت کے نیچے

میری بات پوری [illegible] بھیا کے ہاتھ
یکایک ڈھیلے پڑ گئے [illegible] آپ ان کے
ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ [illegible] کی طرف دیکھا
ایک رنگ آتا تھا [illegible] سامنے تن
کر کھڑا ہو گیا۔ اور مسکرانے لگا۔

[illegible] میرے لفظوں میں کیا جادو تھا۔ کہ بھیا
کو جیسے سانپ سا مار گیا۔ بہت دیر تک [illegible] سے کوئی
بات ہی نہ نکلی پھر انہوں نے [illegible] لہجے میں
آہستہ سے پوچھا "ننھے تو کیا کہہ رہا تھا بھائی؟"

میں نے اسی لاپروائی سے کہا۔ "[illegible] سلمیٰ آپا کو
چومنے کی بات کہہ رہا تھا [illegible] کے
نیچے ..!"

انہوں نے فوراً میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"ارے آہستہ بول ننھے [illegible] سن لے گا"
"[illegible] نہیں [illegible] میاں [illegible] کیا سچ مچ تمہیں
مارنا چاہتا تھا؟ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"
"بھیا، ایسا مذاق مجھے اچھا نہیں لگتا۔ مہربانی
کر کے اب بس یہ خیال رکھنا۔"

"اچھا، اچھا، اب میں ایسا مذاق کبھی [illegible]
لیکن ننھے اب تم کسی سے بھی یہ بات نہ کہنا۔ [illegible]
"اچھا نہیں کہونگا۔ مگر تم مجھے کیا دوگے؟"
"روپیہ۔ کیا لوگے؟ روپیہ لوگے روپیہ؟ یہ لو۔
جاؤ۔ کھلونے خریدو۔ کھیلو کودو۔ اب میں تمہیں کچھ
نہ کہونگا!"

بھیا سے روپیہ لے کر میں سیدھا رام اوتار کی
دکان پر پہنچا۔

٢

اس کے بعد سے میں اکثر ہی بھیا سے روپیہ [illegible]
وصول کرنے لگا۔ میرے مانگنے پر بھیا کبھی انکار نہ کرتے
تھے۔ ابا جان مجھے بھیا کے حوالے کر کے بے فکر ہو گئے
تھے۔ لیکن کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ کہ بھیا اب میری مٹھی
میں تھے۔ مجھے زیادہ پڑھنا نہیں پڑتا۔ جب جی چاہتا
پڑھتا۔ ورنہ مزے سے کھیلتا پھرتا۔ بیچارے بھیا بس
ٹکر ٹکر مجھے دیکھا کرتے۔ اور صبر کا گھونٹ پی کر رہ
جاتے۔ پھر بھی میں ان کا چہرہ دیکھ کر سمجھ جاتا تھا۔
کہ موقعہ ملنے پر وہ مجھے کچا ہی چبا جائیں گے

ادھر وہ بات امی اور ابا جان سے کہنے کیلئے میری
زبان میں گدگدی ہوتی۔ لیکن میں اپنے دل اور زبان کو
کبھی نہ کسی طرح قابو میں رکھتا۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ کہ
صرف ایک بار زبان کھولنے سے سارا کھیل بگڑ جائیگا۔
پھر وہی میں ہونگا اور وہی بھیا کی مار پیٹ۔

ایک روز ہم سب دسترخوان پر کھانے بیٹھے تھے
کہ مجھے کچھ شرارت سوجھی۔ میں نے کہا۔ "امی، اس روز
جامن کے درخت کے نیچے بڑے مزے کی بات ہوئی۔"
امی نے پوچھا "کیا؟"
"سلمیٰ آپا کو بھیا نے ......" اتنا کہہ کر
میں رک گیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ بھیا [illegible] کی

طرح بسیار پڑ گیا ہے۔

امی بولیں: "رک کیوں گیا؟ کیا کہہ رہا تھا؟"

ابا جان بھی میری طرف کان لگائے ہوئے تھے۔ بھیا چوروں کی طرح سر جھکا کر بیٹھے تھے۔ مجھے ہنسی آ گئی۔

"کم عمر ہی میں میں بہت چالاک ہوں نا! اس لئے میں نے جھٹ بات پلٹ دی "جامن کے جھاڑ کے نیچے سلمیٰ آپا کچھ کچے جامن کھا رہی تھی۔ اس لئے بھیا نے ان کو ڈانٹا۔"

امی مسکرائیں۔ ابا جان بھی مسکرائے۔ بھیا نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں اپنی چالاکی پر ہنسنے لگا۔

(۳)

کچھ عرصے بعد بھیا کی شادی سلمیٰ آپا سے ہو گئی دور دور سے لوگ آئے تھے۔ کئی دنوں تک بڑا مزا رہا۔

شادی کے [illegible] دن بھیا اپنے کمرے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ [illegible] جا کر کہا "بھیا ایک روپے کی بڑی ضرورت ہے نکال دو تمہاری جیب سے؟"

انہوں نے منہ کے سامنے سے اخبار ہٹا کر جواب دیا "روپیہ؟ اب ایک پیسہ نہیں [illegible]۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

بھیا نے بہت دنوں کے بعد اس [illegible] میں مجھ سے بات کی۔ سنتے ہی مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں نے گرم ہو کر کہا: "مجھے ایک جوڑہ کبوتر خریدنا ہے اس لئے روپیہ دو۔"

بھیا نے ہاتھ کے اخبار زمین پر پٹک کر کہا "تو نے کیا سمجھ رکھا ہے مجھے؟ میں تجھ سے چھوٹا ہوں جو تو اس طرح بات کرتا ہے؟"

میں نے بھی اسی طرح جواب دیا: "تم پیسے ابھی نہ دو تو تم سے مانگ رہا ہوں۔ دیتے ہو یا نہیں؟"

"مجھے دھمکی دیتا ہے؟ نالائق!" کہتے ہوئے بھیا نے میرے سر پر ایک دھول جما دی۔

میں نے خوب زور سے چلا کر کہا۔ "اچھا! تم نے مجھے مارا؟ تمہاری اتنی ہمت! ٹھہرو، میں ابھی اماں سے ساری باتیں جا کر کہتا ہوں۔"

"جا جا، کہہ دے۔ مجھے کوئی تیرا ڈر ہے؟" یہ کہہ کر بھیا نے دو تین چانٹے اور جڑ دیئے۔

میں غصے سے کانپتا اور روتا دھوتا سیدھے اماں کے کمرے میں گیا۔ امی اور ابا جان آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ میں نے چلا کر کہا۔ "بھیا نے مجھے مارا ہے!"

"تم نے مار کھانے جیسا کوئی کام کیا ہوگا۔" اماں بولیں۔

میں نے کچھ بھی نہیں کیا امی! بھیا نے سلمیٰ آپا کا منہ چوما تھا [illegible] نے کہا۔ میں امی سے جا کر کہتا ہوں بس اسی بات پر وہ پیٹنے لگے۔"

ابا جان کی طرف دیکھتے ہوئے اماں کہنے لگیں "چپ بے وقوف چپ! ان باتوں سے تجھے کیا مطلب؟ یا اللہ یہ کیسا گدھا لڑکا ہے!"

ابا جان نے بھی ڈانٹ کر کہا۔ "گدھا۔ چودم گدھا! بھاگ یہاں سے!"

مجھ پر جیسے بجلی گر پڑی۔ میں آنکھیں مل مل کر امی اور ابا جان کو دیکھنے لگا یا اللہ، یہ کیسا انصاف ہے، سچ میں بھیا اور ڈانٹ پڑے مجھ پر؟ یہ سمجھتے ہیں کہ چوہدویں صدی ہے!

میں نے بہت سوچا بہت غور کیا لیکن [illegible] بہت چالاک ہونے پر بھی [illegible]

غزلیات

(۱)

نگاہِ شوق میں پھر اشک پلتے جاتے ہیں
الٰہی آج وہ کیوں یاد آئے جاتے ہیں
تصورات کو رنگیں بنائے جاتے ہیں
وہ آج اور ہی عالم میں پائے جاتے ہیں
وہ اپنے آپ کو جتنا چھپائے جاتے ہیں
قریب تر مرے اتنا ہی آئے جاتے ہیں
الٰہی ترکِ محبت بھی کیا بری شے ہے
بھلائے جاتا ہوں، وہ یاد آئے جاتے ہیں
اداس بیٹھے ہوئے آج حضرت شیدا
کسی کی یاد میں کچھ گنگنائے جاتے ہیں

شیدا کاشمیری

---

(۲)

شوق کی ابلی نہیں جاتی
یہ حکایت کہی نہیں جاتی
وہ کہانی جو کہہ رہے ہیں ہم
کیا ادھوری رہی نہیں جاتی
تھرتھراتے ہیں لب مگر اے دوست
بات دل کی کہی نہیں جاتی
چوٹ دل پر سہیں گے ہم لیکن
چوٹ دل پر سہی نہیں جاتی
چین آتا نہیں کسی پہلو
اور تری دل دہی نہیں جاتی
[illegible]
شورش آگہی نہیں جاتی

[illegible]

---

(۳)

جلوۂ برقِ تجلی کبھی روپوش نہ ہو — کاش یہ شعلہ بھڑکتا رہے! خاموش نہ ہو
کیونکر انسان بھلا محو سے بےہوش نہ ہو — ساز وہ کونسا ہے جو کبھی خاموش نہ ہو
کہکے اقرار مرے پاس نہ آنے والے! — تجھ سا دنیا میں کوئی عہد فراموش نہ ہو
مست ایسا کریں وہ مست نگاہیں مجھ کو — عمر بھر اپنے سراپا کا مجھے ہوش نہ ہو
اونچا سننے کا عجب عذر تراشا تو نے — کچھ نہیں میری تمنا! تو گراں گوش نہ ہو
قتل کے بعد یونہیں چھوڑ کے جانیوالے — دفن کرنا ابھی باقی ہے! سبکدوش نہ ہو
نشّے میں کیا پیار جو گیسو کو عزیز
بولے! مدہوش تو ہو کوئی، بلانوش نہ ہو

عزیز حاصلپوری

---

(۴)

ہو سکے تو ماہ و انجم کا تکلم دیکھئے — پھر ذرا کلیوں کا گلشن میں تبسم دیکھئے
محفلِ دنیا میں ہے ہنگامۂ چنگ و رباب — اور ہر ذرہ سے اٹھتا ہے ترنم دیکھئے
کب تماشا کے ہے قابل یہ تماشائے حیات — زندگی ہے ایک دھوکا یا توہم دیکھئے
کھیلتی ہیں بجلیاں ان کے رخِ پرنور سے — آئینہ میں انکے ہونٹوں پر تبسم دیکھئے
میری منزل کا حدی خواں نغمہ پرور ہے
قابلِ تعریف ہے، ذوقِ ترنم دیکھئے

پرواز جعفری

آوارہ ——!

از قمر جیسانی

افسانہ

سعید نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ جیسے کسی نے اسکا گلا گھونٹ دیا ہو۔ پورے کمرے پر سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ تاریکی سے اس کا دم گھٹنے لگا —— خدا کی پناہ ——

اس نے دریچہ کھول کر باہر جھانکا۔ دھندلے آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ رقص کر رہے تھے۔ گلی سنسان پڑی تھی۔ اور کسی قبرستان کی سامنے کی طرح اس پر جمود طاری تھا۔ دور کسی بالاخانہ کے روشندانوں کے شیشوں سے روشنی چھن چھن کر بکھر رہی تھی۔ روشنی کی مرکوز کرنیں سامنے والی مسجد کے مینار پر پڑ رہی تھیں۔ مینار ایک ہیبت ناک دیوار کی طرح کھڑا، گذری ہوئی واردتوں اور رات کی تاریکی میں انوکھے کھیل کھیلنے والوں کی زندگی پر مسکرا رہا تھا۔ اس نے بالاخانے کی طرف دیکھتے ہی سوچا۔ شاید کوئی جاگ رہا ہے۔ وہاں کون ہوسکتا ہے۔ ایسے وقت میں اپنی میٹھی نیند قربان کرنے والا۔ . . . . . ہوگا کوئی بیچارہ، ادیب یا بیمار . . . یا پاگل . . . . .

پاس ہی کہیں سے ایک بھیانک قہقہہ سنائی دیا . . . اور اس کا سلسلہ خیالات یکلخت منقطع ہوگیا

اس نے سہم کر جلدی سے دریچہ بند کر دیا اور دہشت سے بستر میں دبک گیا اور باوجود سخت گرمی کے میں اس نے لحاف اوڑھ لیا۔ وہ گڑی مڑی ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس نے اپنی آنکھوں میں سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس کیں جیسے کسی نے آنکھوں میں مٹھی بھر دھول جھونک دی ہو۔

مدت کی بجھی ہوئی چنگاریاں اچانک پھر بھڑک اٹھیں۔ اس نے تکیہ کو دوہرا کر کے اپنے سر کے نیچے رکھ لیا۔ پھر کروٹوں پر کروٹیں بدلنے لگا۔ لیکن اسے کسی پہلو چین نہیں نصیب ہوا۔ آخر تنگ آ کر اس نے دل سے سوال کیا۔ آخر اس عورت کی دیوانگی کا باعث کون ہے۔ سماج یا غزالہ . . . . پھر یکایک اس کی نگاہوں میں پچھلے واقعات سینما کی متحرک تصویروں کی طرح تھرکنے لگے . .

آج سے تقریباً دو سال پہلے جب جانی بھائی اس محلہ میں نئے نئے آئے تھے۔ تو اس کے ایک دوست کی زبانی اس نے غزالہ کے حسن کی بہت تعریف سنی تھی۔ اور حقیقت میں غزالہ واقعی بے پناہ حسین تھی۔ اس نے جب پہلی بار غزالہ کو اپنے دوست کے مکان کے سامنے والی گلی کے نکڑ پر بنے ہوئے مکان کے دریچے سے جھانکتے ہوئے دیکھا۔ تو ایک لمحے کیلئے اس کی نگاہیں غزالہ کے کندن کی طرح دمکتے ہوئے چہرے اور کانوں میں جھلملاتے ہوئے آویزوں پر جم کر رہ گئیں۔ اور خدا معلوم کب تک وہ غزالہ کے کانپتے ہوئے ہونٹوں اور معصومیت کی حسین تجلیوں کو حیرت کھڑا گھورتا رہا اور نہ معلوم کب تک گھورتا رہتا اگر غزالہ اس کی جانب پلٹ کر نہیں دیکھتی آنکھیں چار ہوتے ہی دونوں جھینپ گئے۔ لیکن وہ تو بے غیرت بنا کھڑا رہا مگر غزالہ چھپ گئی شیشے کی اوٹ سے اس کا درخشاں چہرہ اور چمکتی ہوئی مسرور آنکھیں ایسی نظر آ رہی تھیں۔ جیسے بدلیوں میں سے جھانکتے ہوئے چاند تارے۔ پھر نہ معلوم کیوں اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر جھک گئیں

[illegible] دھڑکنے لگا...... اُف رے۔
[illegible] حالانکہ اس سے قبل وہ سینکڑوں حسین سے حسین
[illegible] چکا تھا۔ اور بہت ہی خوبصورت لڑکیوں سے
اس کی [illegible] تھی۔ لیکن آج تک کسی ایک کے بھی حسن سے
اتنا شدید مرعوب نہیں ہوا تھا۔ خدا معلوم کونسا جذبہ تھا
جو اسے غزالہ کی جانب مقناطیسی کشش کی طرح کھینچ رہا
تھا...۔ ان نظروں کی پہلی ملاقات کے بعد ہی سے، اٹھتے
بیٹھتے، سوتے جاگتے وہ غزالہ کے حسین تصور میں غرق
رہنے لگا۔ اور کارزارِ محبت، دلآویز خواب امواجِ نور و نکہت
بنکر تصوراتی دنیا میں رنگ آمیزی کرنے لگے۔ اور وہ دن میں
چند بار بغیر کسی کام کے اس گلی کے چکر کاٹنے لگا۔ اور غزالہ بھی
ہمیشہ جھانکتی ہوئی ملتی۔ اور کہیں خدانخواستہ وہ دکھائی نہ
دیتی تھی۔ تو اس کا دل بے چین ہو جاتا۔ روح کی شگفتگی،
غائب ہو جاتی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتیں۔ اس کی
طبیعت چاہتی کہ خوب روئے سسکیاں لے لے کر۔ اور اتنا
روئے کہ اپنے آنسوؤں میں خود ڈوب جائے۔ اظہارِ محبت
کا کوئی طریقہ اسے نہیں معلوم تھا۔ آخر کیا کرے ——؟
رات رات بھر اس نے غزالہ کے نام خطوط لکھے۔ اور مناسب
مضمون نہ ہونے کی باعث پھاڑ کر پھینک دیئے۔ سینکڑوں
منصوبے باندھے کہ آج تو اس کے دیکھتے ہی "مزاج شریف"
تو پوچھ ہی لونگا۔ لیکن جب بھی غزالہ سے سامنا ہوا اور
ہوائی قلعے دھڑام سے زمین پر آرہے۔ ایک لفظ بھی
زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ خدا معلوم کونسا سحر تھا۔ جو آنکھ
[illegible] ملانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مگر کب تک۔ ایک روز
اس نے ہمت کر کے غزالہ کو سلام کر ہی لیا۔ جس کے جواب میں
مسکرائی [illegible] سنجیدہ مسکراہٹ۔ اور پھر اس کے بعد جب بھی
اسے سلام کیا گیا۔ جواب میں وہ یا تو زبان چڑا کر بھاگ گئی یا
[illegible]...... شریر کہیں کی... بھولی...
سنجیدہ مسکراہٹ ان لمحات کے تصور سے اس کی آنکھوں میں

چمک پیدا ہوگئی .. کسقدر معصومیت کا اجتماع تھا اس
کے چہرے میں۔ اللہ اکبر! ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کائنات
کی تمام معصومیت اس کے چہرے میں آکر جمع ہوگئی ہو۔
اس کی مسکراتی ہوئی سیاہ آنکھیں خدا کی پناہ! اس کی
گہرائیوں میں ایک عجیب قسم کی چمک تھی۔ نہیں ایسا معلوم ہوتا
تھا۔ کہ دور افق کے اس پار کسی کنارے پر پانی ڈول رہا
ہو۔ کبھی ایسا نظر آتا تھا۔ جیسے کسی جھیل میں چاند اپنی
ضیاپاشی کر میں بکھر رہا ہو۔ اُف وہ اس کے لبوں کی جادو بھری
مسکراہٹ، کانپتی ہوئی شبنم آلود گلاب کی پنکھڑیاں۔
اس کی نگاہوں میں غزالہ کے کانپتے ہوئے گلابی
ہونٹ بار بار گھومنے لگے۔ اور وہ ان ہونٹوں کو تصور میں
ایک پیاسے کی طرح گھورنے لگا۔ پھر اس نے احساس لذت
سے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کاش کہ وہ ان دو رس
بھری پنکھڑیوں کا امرت پی سکتا۔ کاش کہ ان دو بھرے
جاموں کو لنڈھا سکتا۔ کاش کہ غزالہ اس کے کشادہ آغوش
—— —— کے درمیان آسکتی، چاہے
اُس کے معاوضہ میں وہ اپنے لہو کی آخری بوند تک اس نے
قدموں میں نثار کر دیتا۔ ... کاش کہ.....
ایک روز غزالہ بالاخانہ کے دریچہ میں کھڑی دُور افق جانب
بلندی میں مائل پرواز پرندوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی
اسوقت اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں ہار
چنبیلی کے پھولوں کا گچھا تھا۔ جو انگلیوں میں پیہم گھوم رہا
تھا۔ وہ آنکھیں نیم وا کئے غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے
آسمان پر مرتسم مستقبل کے نقوش پڑھ رہی ہو۔ اڑنے
والے پرندے آسمان کی وسعتوں میں دھندلے نقطوں
کیطرح جھلملا رہے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت وہ بھی
کسی کام سے بالاخانہ پر گیا۔ اور غزالہ کو ایسی محویت کے عالم
میں تنہا کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا۔ آخر اسقدر انہماک
کیوں ——؟ غزالہ آہٹ سے چونک کر اس کی جانب

دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ اور اس کا ہاتھ غیر ارادی طور سے سلام کیلئے اٹھ گیا۔ سلام کے جواب میں غزالہ کے چہرے پر سفیدی چھا گئی۔ آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ اُف خدا کی پناہ ...... اس سے برداشت نہ ہو سکا اور غزالہ نے منہ پھیر لیا۔ جیسے کچھ چھپانا چاہتی ہو۔ .. اور وہ بے چین ہو گیا۔ آخر کیا بات ہے۔ ایک جھٹکے کے ساتھ غزالہ نے دریچہ بند کر لیا۔ اس کے دماغ پر دوسرا ہتھوڑا پڑا۔ وہ محو حیرت کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات یکلخت گھوم گئے۔ لیکن باوجود انتہائی کوشش کے وہ کچھ نہیں سمجھ سکا۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ کیا غزالہ کو میرا آنا ناگوار گزرا یا کیا بات ہے؟ یقیناً مجھ سے کوئی اہم غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جبھی تو وہ بیچاری انتہائی ضبط کے باوجود رو ہی دی۔ اور کیا کر سکتی تھی بیچاری.. ۔ اور اگر کوئی ایسی ویسی ہوتی تو مساں کو حقیقت معلوم ہو جاتی۔

جیسے سلام کرنے چلے تھے آخر کوئی حد تک محل بھی ہوتا ہے یا نہیں.... یا جب بھی چاہا دیا سلام ٹھا۔ آخر کوئی کہاں تک برداشت کر سکتا ہے۔ ایک مرتبہ دو مرتبہ لیکن آپ ہیں کہ معاذاللہ ہر وقت جب بھی وہ دکھائی دی اور اس نے تمہاری طرف دیکھا۔ اور تم نے لگایا ہاتھ پیشانی سے .... بد تمیز کہیں کا . شرم تو نہیں آتی .... وہ اپنے آپ کو بہت دیر تک گالیاں دیتا رہا۔ مگر پھر اس نے سوچا۔ اس سے قبل بھی تو اس نے ہزاروں بار سلام کیا۔ اور غزالہ ہمیشہ سلام کے جواب میں مسکرا بھاگ جاتی تھی۔ یا کبھی انفعال آمیز مسکراہٹ سے جواب دیتی۔ اس سے قبل تو کبھی بھی اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں دکھائی دیئے۔ یہ پھر آج کیوں؟ یقیناً آج کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے تب ہی تو ۔ وہ بہت دیر تک کھڑا غور کرتا رہا۔ لیکن اس کی سمجھ میں خاک نہیں آیا۔ اس روز وہ دن بھر گلی کے چکر کاٹتا رہا۔ بالاخانہ کی

[illegible] نہیں ہوا۔ اس کو پھر بھی
[illegible] کے متعلق غور کیا۔ لیکن ہر
ترکیب [illegible] کو بے لازم ٹھہرتا۔ یہ سب اسی کی بدولت
[illegible] عجیب [illegible] مسرور کن خیال آیا۔ کہیں
غزالہ کو مجھ سے محبت تو نہیں...... وہ مسکرایا . . .
[illegible] اس کی شادی کا مسئلہ ہوا تھا اور وہ مجھ
سے [illegible] بیک وقت اس کے ساتھ اس کی نگاہ ہوئیں
دو چار [illegible]۔ ہمیشہ کی جدائی.... اور اس کے
[illegible] سکون پر رنج و غم کی تاریک گھٹائیں ایسی چھائیں
کہ پھر برسانے نہ رکیں...... وہ رات بھر عجیب بے چینی
کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ بار بار غزالہ کا تصور۔
اُس کا وہ خندان چہرہ، مسکراتی ہوئی شریر آنکھیں بھولی
بھالی موہنی صورت۔ پھر اس بھولی بھالی موہنی صورت پر
خوشی کے بجائے حسرت و حرمان بدبختی کی جھلکیاں ——

آنکھوں میں جھلملاتی ہوئی آنکھیں، شکایت [illegible]
غرض وہ اس رات ایک پل بھی نہ سو سکا ——

آخر وہی ہوا جس کا اسے خدشہ تھا۔ دوسرے روز
اس کے پاس غزالہ کی شادی خانہ آبادی کا دعوتی کارڈ آیا
جس کو پڑھتے ہی اس نے محسوس کیا۔ جیسے کسی نے اس کے
سینہ پر زور سے مکا مارا ہو۔ اس کی روح کو ایک دھچکا سا
لگا۔ اس پر ایک سناٹا سا طاری ہو گیا۔ دماغ میں چیونٹیاں
سی رینگنے لگیں . . . لیکن وہ کر کیا سکتا تھا۔ غزالہ کی شادی
ہو گئی۔ ایک سرمایہ دار کیساتھ اور وہ دل مسوس کر رہ گیا۔
کاش کہ وہ بھی

غزالہ کا خاوند کئی مکانوں کا مالک۔ بڑے پیمانے
پر کاشت بھی تھی۔ ٹھیکیداری کا عظیم الشان کاروبار بھی
تھا جس کی ایک آنکھ میچی ہوئی ہونے کیساتھ ساتھ اسمیں
پھیلی سی تھی اور چہرے پر ہزاروں چیچک کے داغ تو تھے

[illegible] سمجھتے تھے۔ جیسے بہت سی [illegible] کر لیا
جسے خیال [illegible] ہوں۔ ایسے [illegible] غزالہ کو
رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا۔ ایک مرقع رعنائی و جمال
دوسرا بد صورتی کا مرقع۔ دو بالکل متضاد ہستیوں کا ملاپ۔ نظر
کی تیز نگیوں کا ڈسا کرشمہ۔ جسم خلیق کا نازک سا اشارہ۔ لیکن
دونوں بظاہر خوش تھے۔ لوگ حیرت سے غزالہ کو دیکھتے۔ لیکن
بیچاری غزالہ، حقیقت میں وہ خوش تھی یا ناخوش، اسکا کسی کو
خیال بھی نہ تھا۔ مگر اُس کے والدین تو خوش اور مطمئن تھے۔ کہ
چلو پاپ کٹا درد سر گیا۔ اُن کی بلا سے مُردہ دوزخ میں جائے
یا جنت میں۔ وہ تو اپنے فرائض سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ وُہ
غزالہ کو شادی سے پہلے اپنے سینہ پر ایک بھاری چٹان کیطرح
محسوس کر رہے تھے اسلئے انہوں نے اس بھاری بھرکم چٹان
کو آنکھیں بند کر کے اندھیرے غار میں دھکیل دیا۔

لیکن اس [illegible] جوڑ شادی کا نتیجہ کیا ہوا [illegible]
پسند و [illegible] لطیف فطرت کو دونوں کا ایک مستقر ہو رہا [illegible]
نہ بھایا۔ غزالہ کے بد چلن خاوند کی سیاہی پہ نہ بھتی تھی۔ اور نہ
بجھی۔ بلکہ اُس کی آتش شوق اور ہوس پرستی بڑھتی گئی۔ انکے گھر [illegible]
میں اور اضافہ ہو گیا۔ آئے دن نئے شکار پھانسے جاتے۔
شہر میں آوارہ عورتوں کا کیا کال تھا۔ اس نے شادی کے بعد
ڈنکے کی چوٹ اور کھلم کھلا آوارگی و عیاشی شروع کر دی۔
لیکن غزالہ! آخر وہ بھی انسان تھی۔ عورت تھی۔ [illegible]
جب دیکھا کہ اُسکے ایثار و وفا کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی تو
وہ بھی اس سیلاب میں بہہ گئی۔ جسمیں اُسکے میاں تیر رہے تھے۔
یعنی اُس نے بھی خاوند کے دوستوں میں سے ایک کو پسند کر لیا۔
خاوند نے اپنی آنکھوں سے جب یہ تماشا دیکھا۔ تو
غیرت نے جوش مارا۔ اور وہ غزالہ کو گولی کا نشانہ بنانے کو

کی نیند بھاگ گئی۔ لیکن غزالہ موقع پاتے ہی اُس نوجوان کے ساتھ
بھاگ گئی۔ شہر بھر کی زبان پر غزالہ کی فراری کا ذکر تھا۔ کوئی
بھی گلی محلّے میں ایک فقرہ اپنی زبان سے کہنے کو تیار نہ
تھا۔ مگر کیا مجرم سب کے سب کی متفقہ رائے تھی کہ ایسی
عورت کو واقعی گولی مار دینا چاہیئے تھی۔ یہ اسی قابل تھی۔
غزالہ کے مولوی نما باپ نے شرم کے مارے افیون
کھا کر خودکشی کر لی۔ نا خلف بیٹی اور باحیا شوہر کے غم نے
غزالہ کی بوڑھی ماں کو پاگل بنا دیا۔ دیوانی جو رات بھر جاگتی
رہتی ہے۔ اور کبھی کبھی اپنے بھیانک قہقہوں اور چیخوں سے پورے
محلے بھر کو سر پر اٹھا لیتی ہے۔
یکایک پھر ایک بھیانک چیخ نے اس کا خیر مقدم کیا۔
پروردگار! اس نے پھر دریچہ بند کیا اور گھبرا کر بجلی کا
بٹن دبا دیا۔ سارا کمرہ بجلی کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔ روشنی کے
کے باعث بے چینی لے کر بیٹھ گیا۔ پھر سکون ملا۔ اس نے ایک
سگریٹ سلگائی اور کش پر کش لگانے لگا۔ لیکن غزالہ کا
واقعہ اب بھی مسلسل اس کے دماغ پر مکڑی کے جالے کی طرح چھایا
تھا۔۔۔۔ اس نے ہزار سو جانے کی کوشش کی۔ لیکن اسے
کامیابی نہ ہوئی۔ اُس کے سامنے صرف ایک ہی سوال تھا۔
آخر اس گھر کی تباہی اور اس عورت کی دیوانگی کا باعث کون ہے؟
لیکن اس کی سمجھ میں اب بھی خاک نہیں آیا۔ اُس نے ہزار
اپنے دل سے اس خیال کو نکال دینے کی کوشش کی۔ لاکھ چاہا کہ
سو جائے۔ یوں مفت میں سر کھپا رہا ہے۔ اُسے کیا ضرورت
ہے۔ بھول جائے ان فرسودہ یادوں کو۔ ۔ ۔ ۔
پھر نہ معلوم کب وہ سوچتے سوچتے سو گیا۔ لیکن سونے کے
بعد بھی اس کے دماغ میں ایک ہی سوال گھوم رہا تھا۔۔ ۔۔۔
غزالہ یا سماج ——— ؟

قمر جمالی

جیتا جاگتا پاپ

زندگی مقتولِ خواب و روشنی محو اک شام
آب بھی ہے دم بخود، ساحل کے لب خاموش ہیں
ہر قدم پہ اضطراب رُک رُک کے چلتی ہے ہوا
آسماں پر گہرا گہرا ابر ہے چھایا ہوا
ایک عورت نوجواں افلاس کی ماری ہوئی
دوش پر ڈالے ہوئے اپنے بلکتے پاپ کو
آ رہی ہے مضطرب ساز حیات کے راگ پر
گھاٹ سے کچھ فاصلے پر رُک گئی وہ یک بیک
آئی ہوں میں داستانِ غم سنانے کے لئے
کیا غریبی جرم ہے جس کی ملی ہے یہ سزا
کیا امیروں سے نیچی گل کے بنے ہوتے ہیں ہم
کیا ہمیں عصمت ملا کرتی ہے رسمی طور پر
کیا ہمارا حسن ہے بھوکی نگاہوں کے لئے
درد و غم افسردگی آہ و بکا بے چارگی
کیوں ہمارے ہی لئے آفات کی زنجیر ہے
تو نے جب پیدا کیا کیوں قسمت ویران دی
اب بھلا کیا ہے کہ جس کے بل پہ میں زندہ رہوں
میرے آگے آہ یہ جیتا تڑپتا پاپ ہے
لے مرے پرمیشور، ہاں ہاں مرے پرماتما
اب یہاں پر مل نہیں سکتا غریبوں کو قرار
موت کا جن کو کبھی وہم و گماں ہوتا نہیں
فکر کے بادل کبھی جن کے سر پہ منڈلاتے نہیں
کامرانی خادمہ ہے جن کے عشرت زار کی
بیک ہلکا سا نگہباں دریا کے پانی میں ہوا

رات کا پُر ہول سناٹا ہے سرگرم نظام
وحشتیں طرار ہیں، تاریکیاں پُر جوش ہیں
ڈھونڈتی ہے جیسے تاریکی میں اپنا راستہ
مختصر یہ ہے سکوتِ قبر ہے چھایا ہوا
زر پرستوں کے زر و اخلاص سے ہاری ہوئی
یعنی راہ زندگی کے پھنپھناتے سانپ کو
یوں قدم پڑتے ہیں گویا چل رہی ہے آگ پر
کہہ رہی ہے دل دبا کر دیکھ کر سوئے فلک
درد کے باجے پہ دل کے گیت گانے کے لئے
کیا امیری میں گناہ و ظلم سب کچھ ہے روا
یا کہ ناچاری کے سانچوں میں ڈھلے ہوتے ہیں ہم
کیا سکونِ قلب رہ جاتا ہے فکر و غور پر
وقف ہے اپنی جوانی شاہراہوں کے لئے
یہ مقدر اور اس پہ ہاتھ رہے آوارگی
بس ہماری ذات ہے جو محرمِ تقصیر ہے
قسمت ویراں دی کیوں صورتِ انساں دی
چھٹ گئی عصمت کی افشاں کیسے تابندہ رہوں
کیا کہوں گی جب کوئی پوچھے گا "انکا باپ ہے"
پاپ کے جلتے بدن سے کھینچ لے اب آ کے جا
تیری دنیا بن چکی ہے زر پرستوں کا دیار
ورنہ پر جن کی کہ نیلا آسماں ہوتا نہیں
بھوک کی چھریاں کبھی جو نوش فرماتے نہیں
تشنگی ہی ہو گئیں ہیں "چھپکلی دیار کی"
ایک افسانۂ زندگی کی بھی کہانی بن گیا

نیند سے چونک کے یوں بیدار پانی ہو گیا
وہ تڑپتی بستیوں کو جھنجھوڑ کر گیا

نذرِ اصغر

(نشاط انصاری کلکتہ)

جو نہ ہے موجود کعبے میں نہ بتخانے میں ہے
ایک جلوہ حسن کا ایسا نہاں خانے میں ہے
آرزو یہ ہے کہ گم ہو جاؤں راہِ عشق میں
ڈھونڈنے سے بھی زیادہ لطف کھو جانے میں ہے
شمع کے نور آفریں دامن سے لپٹا ہی رہا
جل کے مر جانے پہ بھی اک جوش پروانے میں ہے
بن کے پروانہ تو جل جانا بہت آسان ہے
ہاں! کمالِ عاشقی خود شمع بن جانے میں ہے
دیکھنے والے حجاباتِ تعین توڑ دے
وہ نہ کعبے میں مقید ہے نہ بتخانے میں ہے
شعلۂ دیوانگی پہ رکھ دے جامہ ہوش کا
سن کمالِ آگہی نادان بن جانے میں ہے
دیکھتا ہوں میں جدھر اُس کی تجلی کا ہے عکس
ہر طرف جلوہ ہی جلوہ آئینہ خانے میں ہے
داستانِ درد سن کر رو رہے ہیں غیر بھی
ساری دنیا کی مصیبت میرے افسانے میں ہے
چونک اٹھا جب کسی نے نام تیرا لے لیا
کس بلا کا ہوش اب تک تیرے دیوانے میں ہے
تلخیٔ آشوبِ دنیا سے نہ گھبرا اے نشاط
زندگی کا لطف گر کچھ ہے تو غم کھانے میں ہے

دِل کی دُنیا — درہم برہم

دل ہے شکستہ، آنکھیں پُر نم!
مُردہ اُمیدیں، یاس کا عالم
پریت کی ریت کا امرت رس ہے
اشکِ مسلسل، گریۂ پیہم
من میں ہے اک آگ سلگتی،
ہلکی ہلکی، مدھم مدھم
رم جھم برسیں اُودی گھٹائیں
دل کی دنیا، درہم برہم
چشمک زن ہے نجمِ سحر پہ
لرزاں اشکِ دیدۂ پُر نم
دُنیا کیوں ہے سُونی سُونی
دل بھی وہی ہے اور وہی ہم
دیکھ رہا ہوں خوابِ تمنا
دھندلا، دھندلا، مبہم مبہم
اُف بیدرد ہے فطرت کتنی
گل خنداں ہے گریاں شبنم
تجھ بن جیون رو رو کاٹا
جیتے جی بھی جی نہ سکے ہم
کوئی یہاں ہے تیرا نہ میرا
پاپی نگری، جھوٹے ہمدم

جناب ایم اسلم کے دو شاہکار

بیتی باتیں

گذرے دنوں کی حقیقت بیتی باتیں بھولی بسری یادیں جسے پڑھ کر دل تڑپ اٹھے

بیتی باتیں میں پاکدامن حسینہ کی داستان حیات ہے جس کی چیرہ دستیوں سے ننگ آچکی ہے۔

بیتی باتیں ایک خوبصورت تعلیم یافتہ خوش سلیقہ لڑکی اور بدصورت شوہر کی ناچاقیوں کا بڑا پرلطف قصہ ہے۔

بیتی باتیں ایک نامہربان باپ اور سوتیلی ماں کی عبرتناک داستان

بیتی باتیں ایک ماہتاب لڑکی کے عزم کی بڑی سبق آموز کہانی

بیتی باتیں سہیلیوں کے پریم معصوم محبت اور زندگی کا افسانہ

بیتی باتیں نفاست اور خوبصورتی کے لحاظ سے ایک دلکش کتاب ہے سہ رنگا سرورق خوبصورت گردپوش جلد مضبوط مصنف کی تصویر سے مزین۔ حجم ۲۵۲ صفحات قیمت تین روپے آٹھ آنے علاوہ محصول

رنگین نظارے

افسانوں کے عنوان رنگین نظارے ہیں جنکے کتابت کا پھل، بد دعائے محبت، خواب، حکیم جی بیرسٹر، یونہی دنیا کا دھندا ادیب شہیر میاں ایم اسلم کو متفقہ طور پر دنیائے رومان کا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے یہ کتاب آپکے دس دلکش طبعزاد غیر مطبوعہ افسانوں کا بہترین مجموعہ ہے ہر افسانہ فطرت انسانی کا آئینہ دار اور رنگینی کے باوجود درس عبرت، ہر افسانہ اصلاح معاشرت کا کوئی نہ کوئی پہلو لئے ہوئے یہ مجموعہ آپکے کمالات کا نچوڑ اور شاہکار ہے جس نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ انتہائی گرانی کے باوجود عمدہ اور حسن طباعت کے جملہ لوازم سے آراستہ مصنف کا فوٹو شامل کتاب ہے۔ کاغذ سفید حجم ...۲ صفحات مجلد گردپوش مصور قیمت چار روپے علاوہ محصولڈاک

اشک و شرر

کوثر چاندپوری کے رقت انگیز افسانوں کا شاندار مجموعہ۔ قیمت دو روپے بارہ آنے

کتب خانہ دار البلاغ، محمد نگر میوروڈ۔ لاہور

نیا کتاب گھر کا بہترین لٹریچر

پھلجھڑی	محمد سعید دہلوی	افسانے	دو روپیہ
چاند توڑ لا دیجئے	محمد سعید دہلوی	ناول کا سون	دو روپیہ
زاہدہ	محمد حلیم ...	ناول جاسوسی	دو روپیہ
تازیانہ	محمد شفیع دہلوی	ناول جاسوسی	زیر طبع
جواہر لال کی کہانی	محمد ... دہلوی	سوانح نہرو اور تاریخ کانگریس	زیر طبع
دوشیزہ کی ڈائری	سرلا دیوی ...	دلچسپ ڈائری	ساڑھے تین روپیہ
امت کی مائیں	مولانا راشد الخیری مرحوم	سوانح ازواج مطہرات	دو روپیہ
جہاں آرا	ظفر قریشی	اصلاحی ناول	ڈیڑھ روپیہ
مدینے	امداد انصاری	تاریخی افسانے	دو روپیہ
دوسری جنگ عظیم	محمد مرزا دہلوی	موجودہ جنگ کے حالات	دو روپیہ
ثروت آرا بیگم	حمیدہ سلطانہ	دور جدید کا بہترین ناول	مجلد ...
سلاسل	جاں نثار اختر	رومانی و قومی نظمیں	سوا روپیہ
جیو ولادا	عزیز گوہر ...	بچوں کیلئے دلچسپ ناول	چھ آنے
ازبلا	مولوی محمد سعید	تاریخی اسلامی ناول	چھ روپیہ
چین کشیدہ کاری	... سلطانہ	رنگین کشیدہ کاری ہر قسم	دو روپیہ
مشرقی مغربی کشیدہ کاری	...	... کشیدہ کاری	ڈھائی روپیہ
جام دنیا	...	...	زیر طبع
لعل و گوہر	...	...	بارہ آنے
دلی لڑکی	شفیق ...	...	دو روپیہ
پتھر کے اسیر	ڈاکٹر ...	ناول	دو روپیہ
تاجدار	...	ناول	ڈھائی روپیہ
بھابی جان	منصور ... قریشی	دلچسپ ناول	ڈھائی روپیہ

یہ تمام کتابیں بہترین گردپوش اور سفید کاغذ پر چھپی ہیں

... کا مرکز

نیا کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی

یہ تمام کتابیں آپکے شہر کے بڑے کتب فروشوں سے بھی مل سکتی ہیں

نقد و نظر

ادبی مقالات۔ مصنفہ منیر علی صدیقی ایم اے بی ٹی۔ حجم ۱۴۴
صفحات مجلد۔ قیمت دو روپے چار آنہ۔
ملنے کا پتہ:۔ شاہ اینڈ کمپنی حکیم جی روڈ۔ آگرہ

اس مجموعہ میں ۱۲ مختلف ادبی مقالات ہیں۔ جیسا انداز مقالات ہے بلکہ اس مجموعہ کا نام اگر تنقیدی مقالات ہوتا تو بہتر تھا۔ اردو زبان میں تنقید ابھی اپنی ابتدائی منازل میں ہے اس سلسلے میں جو دو چار کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں ادبی مقالات ایک اچھا اضافہ ہے۔ تنقید و ادب سے دلچسپی رکھنے والے نیز مشرقی امتحانات کے طلبا کیلئے یہ مجموعہ بے حد مفید ثابت ہوگا

عربی کلام۔ مؤلفہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی جزو اول
۱۴۴ صفحات قیمت ۱۲ / دوسرا حصہ ۸ / علاوہ محصولڈاک
ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ علمیہ قاضی واڑہ میرٹھ

عربی پڑھنے والوں اور عربی کے امتحانات کی تیاری کے طلبا کیلئے ہمارے خیال میں اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی۔ قاضی صاحب عربی زبان کے مسلم الثبوت ماہر ہیں آپ نے بڑی کاوش سے یہ دو کتابیں لکھی ہیں ان کے مطالعہ سے ہر کوئی بھی عربی زبان کی تحصیل کر سکتا ہے۔ انٹرنس اور کالج کے طلبا ان کتابوں سے ضرور استفادہ کریں۔ کتابت طباعت قابل تعریف اور قیمت بیحد قلیل ہے۔

زار خسرو۔ مصنفہ محمد حسیم دہلوی۔ حجم ۱۰۵ صفحات مجلد قیمت
[illegible] ملنے کا پتہ۔ نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی

[illegible] اور راسپوٹین کا نام علم دوست [illegible] روس کی استبدادی حکومت کا تخت کیسے الٹ گیا۔ اور روس میں آزادی کا پرچم کیسے لہرایا اس حقیقت کے انکشاف کیلئے زار خسرو ناول کا مطالعہ فرمایئے یہ افسانہ اتنا دلچسپ ہے۔ کہ بہتیرے ناول اسکے سامنے ہیچ ہیں اس کے ساتھ یہ ناول گویا سیاسی تحریکوں کی جان ہے گویا اس لحاظ سے بھی یہ ناول قابل مطالعہ ہے۔

اُمت کی مائیں۔ مصورِ غم حضرت مولانا راشد الخیری کی مشہور تصنیف ہے جسے نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی نے جدید انداز میں شائع کیا ہے۔ حجم ۱۵۴ صفحات قیمت دو روپے

اُمت کی مائیں سیرۃ کے اصولوں پر لکھی گئی ہے جسمیں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ازدواج مطہرات کے حالات زندگی درج ہیں۔ یہ حالات گھریلو زندگی اور خانگی معاشرت کے اس روشن پہلو کو بے نقاب کرتے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان دین اور دنیا میں کامیاب اور فائز المرام ہو سکتا ہے لڑکیوں عورتوں اور مردوں کو یکساں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

"کیسے کہوں"۔ پنچولی آرٹ پکچرز کے دونوں نگار خانوں میں آجکل خوب رونق دکھائی دے رہی ہے۔ ایک طرف ہدایت کار پرلاد دت "شیریں فرہاد" کی فلمبندی میں مصروف ہیں۔ دوسری طرف "خزانچی" اور "مہندی" کے شہرت یافتہ ڈائرکٹر موتی۔ بی گڈوانی اپنی نئی تصویر جسکا نام افسانہ کے لحاظ سے "کیسے کہوں" کا انتخاب کر کے باقاعدہ شوٹنگ شروع کر دیگے۔ [illegible] پنچولی آرٹ پکچرز کے نامور اداکاروں کے علاوہ دو نئے چہرے بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔ [illegible] کہ فلم [illegible] کا بہترین شاہکار ثابت [illegible]